اے کہ ترے وجود پر خالقِ کائنات کو ناز!

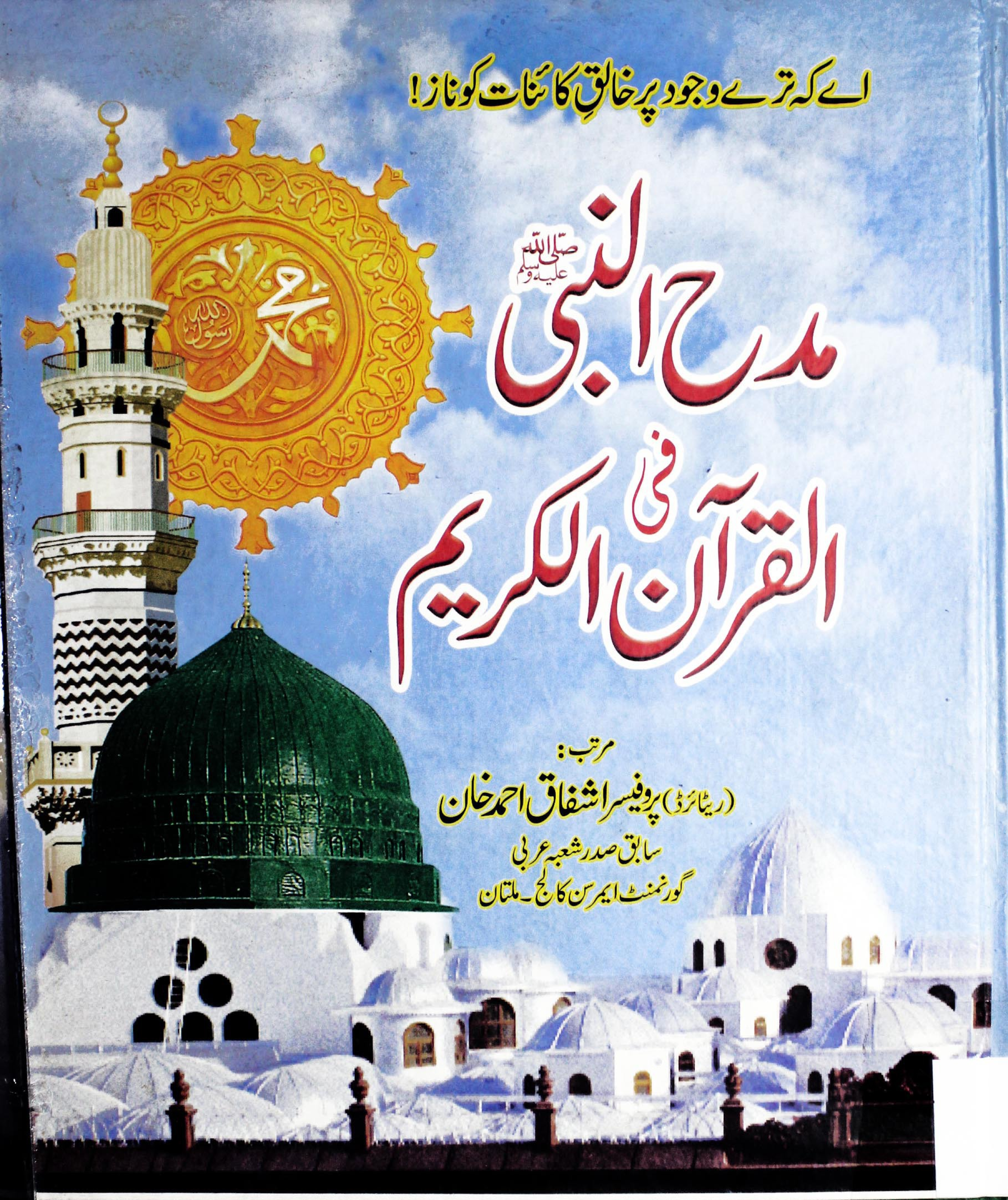


# مدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القرآن الکریم

مرتب:
(ریٹائرڈ) پروفیسر اشفاق احمد خان
سابق صدر شعبہ عربی
گورنمنٹ ایمرسن کالج۔ ملتان

ثاقب پرنٹرز اینڈ پبلشرز
5۔ شالیمار کالونی، عقب ٹویوٹا موٹرز بوسن روڈ ملتان
موبائل: 0308-9217883, 0301-7422684

Marfat.com

Marfat.com

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا O (سورة النّسآء : ۱۱۳)
"(اے نبیِ محتشم!) اللہ تعالیٰ کا آپ پر بہت بڑا فضل ہے۔" (۴ : ۱۱۳)

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ O (سورة اَلْقَلَم : ۴)
"(اے نبیِ مکرّم!) اور بیشک آپ عظیم الشان خُلق پر قائم ہیں۔" (۶۸ : ۴)

# مدح النبی ﷺ فی القرآن الکریم

مرتّب : (ریٹائرڈ) پروفیسر اشفاق احمد خان
سابق صدر شعبہ عربی
گورنمنٹ ایمرسن کالج۔ ملتان

ثاقب پرنٹرز اینڈ پبلشرز
5۔ شالیمار کالونی، عقب ٹویوٹا موٹرز
بوسن روڈ۔ ملتان
موبائل: 0308-9217883
0301-7422684

Marfat.com

(مؤلف کی جانب سے اس کتاب کو چھاپنے اور مفت تقسیم کرنے کی عام اجازت ہے)

طبع اوّل : فروری 2015ء

297-9921
46
124725

ملنے کے پتے:

<u>اندرون ملک</u>

(۱) پروفیسر اشفاق احمد خان ۔ ۵ شالیمار کالونی، عقب ٹویوٹا شوروم، بوسن روڈ ۔ ملتان
موبائل : 0308-9217883
0301-7422684 (محمد جمیل ۔ مارکیٹنگ منیجر)

(۲) ملتان کتاب گھر ۔ بالمقابل گورنمنٹ ایمرسن کالج ۔ ملتان
فون : 061-6750226

(۳) مکتبہ قاسمیہ ۔ کچہری روڈ، نزد چوک گھنٹہ گھر ۔ ملتان
موبائل : 0300-7300097
فون : 061-4542085

<u>بیرون ملک</u> : پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد سلیم

drhafizsaleem@yahoo.com.uk
Landline Tel : 0044-1628-823632

ہدیہ : مؤلف اور اُس کے والدین واساتذہ کے لئے دعا۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَنْ یُسَبِّحُکَ وَ یُھَلِّلُکَ وَ یُکَبِّرُکَ وَ یُعَظِّمُکَ مِنْ یَّوْمِ خَلَقْتَ الدُّنْیَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ اَلْفَ مَرَّۃٍ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ اَنْفَاسِھِمْ وَ اَلْفَاظِھِمْ

# مرا پیمبر عظیم تر ہے

مرا پیمبر عظیم تر ہے　　مرا پیمبر عظیم تر ہے
کمال خلّاق ذات اُس کی　　جمالِ ہستی حیات اُس کی
بشر نہیں عظمتِ بشر ہے　　مرا پیمبر عظیم تر ہے
وہ شرحِ احکامِ حق تعالیٰ　　وہ خود ہی قانون خود حوالہ
وہ خود ہی قرآں وہ خود ہی قاری　　وہ آپ مہتاب آپ ہالہ
وہ عکس بھی اور آئینہ بھی　　وہ نقطہ بھی، خط بھی، دائرہ بھی
وہ خود نظارہ ہے خود نظر ہے　　مرا پیمبر عظیم تر ہے
شعور لایا کتاب لایا　　وہ حشر تک کا نصاب لایا
دیا بھی کامل نظام اُس نے　　وہ آپ ہی انقلاب لایا
وہ علم کی اور عمل کی حد بھی　　ازل بھی اُس کا ہے اور ابد بھی
وہ ہر زمانے کا راہبر ہے　　مرا پیمبر عظیم تر ہے
وہ آدم و نوح سے زیادہ　　بلند ہمت بلند ارادہ
وہ زہدِ عیسیٰ سے کوسوں آگے　　جو سب کی منزل وہ اُس کا جادہ
ہر اک پیمبر نہاں ہے اُس میں　　ہجومِ پیغمبراں ہے اُس میں

Marfat.com

وہ جس طرف ہے خدا اُدھر ہے — مرا پیمبر عظیم تر ہے

بس ایک مشکیزہ اک چٹائی — ذرا سے جَو ایک چار پائی
بدن پہ کپڑے واجبی سے — نہ خوش لباسی نہ خوش قبائی
یہی ہے کل کائنات جس کی — گنی نہ جائیں صفات جس کی
وہی تو سلطانِ بحر و بر ہے — مرا پیمبر عظیم تر ہے

جو اپنا دامن لہو سے بھر لے — مصیبتیں اپنی جان پہ لے
جو تیغ زن سے لڑے نہتّا — جو غالب آ کر بھی صلح کر لے
اسیر دشمن کی چاہ میں بھی — مخالفوں کی نگاہ میں بھی
امیں ہے صادق ہے معتبر بھی — مرا پیمبر عظیم تر ہے

جسے شہِ شش جہات دیکھوں — اُسے غریبوں کے ساتھ دیکھوں
عنانِ کون و مکاں جو تھامے — کدال پر بھی وہ ہاتھ دیکھوں
لگے جو مزدور شاہ ایسا — نہ زر نہ دَھن سر براہ ایسا
فلک نشیں کا زمیں پہ گھر ہے — مرا پیمبر عظیم تر ہے

وہ خلوتوں میں بھی صف بہ صف بھی — وہ اِس طرف بھی وہ اُس طرف بھی
محاذ و منبر ٹھکانے اُس کے — وہ سر بہ سجدہ بھی سر بکف بھی
کہیں وہ موتی کہیں ستارہ — وہ جامعیّت کا استعارہ
وہ صبحِ تہذیب کا گجر ہے — مرا پیمبر عظیم تر ہے

کلام: مظفر وارثی — پیش کردہ: (ثناخوانِ مصطفیٰ ﷺ) ثناخوان شہر ملتان۔ موبائل: 0301-7438219

Marfat.com

# محتویات


(1) پورے قرآن مجید میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ کے نام ''محمد'' کی بجائے مختلف القاب سے خطاب کیا گیا۔

(2) قصہ آدم علیہ السلام و ابلیس میں عظمت و رفعتِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ثبوت۔

(3) روزِ ازل میں میثاقِ انبیاء علیہم السلام میں عظمت و توقیرِ مصطفیٰ علیہ ﷺ کا ثبوت۔

(4) وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (البقرة : ۴) ۴۲۹۲

(5) يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا (البقرة : ۱۰۴) ۴۲۱۵

(6) وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ (البقرة: ۲ : ۱۴۳) ۴۲۰۴

(7) تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ (البقرة : ۲۵۳) ۴۲۱۸

(8-12) (۱) ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ إِلَيْكَ (آلِ عمران: ۴۴) ۴۳۹۶

(۲) تِلْكَ مِنْ أَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا إِلَيْكَ (هود : ۱۱:۴۹) ۴۳۹۷

(۳) ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ إِلَيْكَ (يوسف : ۱۰۲) ۴۳۹۷

(۴) وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا (اَلقصص : ۴۴) ۴۳۹۷

(۵) وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ إِذْ نَادَيْنَا (اَلقصص:۴۶) ۴۳۹۸

(13)(i) يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ (آلِ عمران : ۱۶۴ ؛ الجُمعة : ۲) ۴۲۲۳

(ii) تِلْكَ آيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ (البقرة :۲۵۲ ؛ آلِ عمران: ۱۰۸) ۴۲۲۳

(14) فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا (آلِ عمران:۳:۱۵۹) ۴۲۰۶

(15) مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى (آلِ عمران : ۱۷۹) ۴۳۱۱

(16)(i) وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلٰى مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَإِلَى الرَّسُوْلِ (اَلنِّساء: ۶۱) ۴۲۱۸

(ii) وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ (المنافقون : ۵) ۴۲۱۸

(17) وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا (النسآء: ۶۴) ۴۲۰۷

(18) فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ (النسآء: ۶۵) ۴۲۱۰

(19) مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ (النساء : ۸۰) ۴۲۲۶

(20) وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ (اَلنِّساء: ۱۱۳) ۴۲۱۹

(21) وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (النِّساء : ۱۱۳) ۴۲۱۷

(22) يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ (النسآء : ۱۷۰) ۴۲۹۳

(23) يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا (النسآء: ۱۷۴) ۴۲۹۴


Marfat.com

(24) يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا (المائدة: ۱۵، ۱۶) ۴۳۰۰

(25) يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ (المائدة: ۱۹) ۴۳۰۱

(26) يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَايَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ (المائدة: ۴۱) ۴۲۵۷

(27) يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ (المائدة: ۶۷) ۴۲۳۸

(28) قرآن پاک کے 209 مقامات پر رب تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کو اپنے محبوب ﷺ کی طرف نسبت دی ہے۔ ۴۲۲۳ تا ۴۲۲۹

(29) قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِىْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا (الانعام: ۳۳) ۴۲۳۰

(30) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ قُلْ لَّآ (الانعام: ۹۰) ۴۳۵۷

(31)(i) اَلرَّسُوْلَ النَّبِىَّ الْاُمِّىَّ الَّذِىْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا (الاعراف: ۱۵۷) ۴۲۳۴

(ii) اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ آيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ (الشعراء: ۱۹۷) ۴۲۳۴

(32)(i) قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف: ۱۵۸) ۴۲۳۰

(ii) تَبَارَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ (الفرقان: ۱) ۴۲۳۰

(iii) وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا: ۲۸) ۴۲۳۰

(33) (i) وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال: ۱۷) ۴۲۴۹

(ii) اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ (الفتح: ۱۰) ۴۲۴۹

(34) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ (الانفال: ۳۳) ۴۲۴۷

(35) يٰاَيُّهَا النَّبِىُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ O (الانفال: ۶۴) ۴۲۴۴

(36) اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِىَ (التوبة: ۴۰) ۴۳۱۸

(37) عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ (التوبة: ۴۳) ۴۲۶۴

(38) وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ (التوبة: ۵۹) ۴۲۵۸

(39) وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ O (التوبة: ۶۱) ۴۲۵۸

(40) وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ O (التوبة: ۶۲) ۴۲۵۹

(41) اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ (التوبة: ۶۳) ۴۲۵۹

(42) اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ (التوبة: ۸۰) ۴۲۶۷

(43) وَلَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ (التوبة: ۸۴) ۴۲۷۱

(44) خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا اِنَّ (التوبة: ۱۰۳) ۴۲۶۲

(45) لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا (التوبة: ۱۲۸) ۴۲۳۰

(46) وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ (ابراهيم: ۴) ۴۴۰۹


Marfat.com

(47) لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ فِیْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَO (اَلْحِجر : ۷۲) ۴۲۴۴
(48) وَقُلْ اِنِّیْ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُO (اَلْحِجر : ۸۹) ۴۳۲۲
(49) فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَO عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَO (اَلْحِجر : ۹۲ تا ۹۴) ۴۳۲۳
(50) اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَO الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا(اَلْحِجر: ۹۵'۹۶) ۴۳۲۳
(51)وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَO فَسَبِّحْ( اَلْحِجر : ۹۷-۹۹) ۴۳۲۴
(52)سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی(بنی اسرئیل:۱) ۴۲۳۳
(53) وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِیْ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاس (بنی اسرائیل:۶۰) ۴۳۵۳
(54) وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰی اَنْ يَّبْعَثَكَ(بنی اسرائیل:۷۹) ۴۲۷۸
(55)قُلْ اِنَّمَا اَنَابَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰی اِلَیَّ اَنَّمَا (الکهف:۱۱۰' فُصّلت:۶) ۴۴۲۴
(56) فَاِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ (مریم : ۹۷ ; اَلدُّخان : ۵۸) ۴۲۵۸
(57) طٰهٰO مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰیO (طٰهٰ : ۱'۲) ۴۲۴۴
(58) وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَO (الانبياء : ۱۰۷) ۴۲۵۳
(59)مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (الحج : ۱۵) ۴۲۶۴
(60) اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَO اَمْ (المؤمنون : ۶۹' ۷۰) ۴۲۰۴
(61) وَلَواتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَ هُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ (المؤمنون : ۷۱ تا ۷۳) ۴۳۰۵
(62) لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (اَلنُّور : ۶۳) ۴۳۱۱
(63) وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً (الفرقان:۳۲' ۳۳) ۴۴۲۳
(64) لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَO (اَلشعراء : ۳) ۴۲۴۳
(65) وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَO (اَلشُّعراء : ۲۱۵) ۴۳۲۱
(66) اَلَّذِیْ يَرَاكَ حِيْنَ تَقُوْمُO وَتَقَلُّبَكَ فِی (اَلشُّعراء : ۲۱۸' ۲۱۹) ۴۳۲۲
(67) اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِیْ ( القصص: ۵۶) ۴۳۸۱
(68) اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ( القَصص : ۸۵) ۴۲۸۶
(69) وَمَا كُنْتَ تَرْجُوا اَنْ يُّلْقٰی اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً (اَلقَصص : ۸۶) ۴۲۸۶
(70) وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ( العنکبوت : ۴۸) ۴۲۸۹
(71)اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ (الاحزاب : ۶) ۴۴۰۶
(72) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ (الاحزاب : ۲۱) ۴۲۴۹
(73)اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ (الاحزاب:۳۳) ۴۳۸۳
(74) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا (الاحزاب : ۳۶) ۴۲۷۶
(75) مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ (الاحزاب : ۴۰) ۴۴۰۲

Marfat.com

(76) یا اَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ (الاحزاب: ۴۵، ۴۶) ۴۲۳۶
(77) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَدخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّا اَنْ (الاحزاب: ۵۳) ۴۲۵۶
(78) اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ (الاحزاب: ۵۶) ۴۳۶۶
(79) یٰسٓ O وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ O اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ O عَلٰی (یٰسٓ: ۱-۴) ۴۳۲۰
(80) اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰہُ یَخْتِمْ (الشوریٰ: ۲۴) ۴۳۰۲
(81) وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا کُنْتَ (الشوریٰ: ۵۲) ۴۲۸۶
(82) قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ (الاحقاف: ۹) ۴۲۹۰
(83) اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا O لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ (الفتح: ۱-۳) ۴۳۲۸
(84) اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا O لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ (الفتح: ۸، ۹) ۴۲۳۲
(85) ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ (الفتح: ۲۸، ۲۹) ۴۴۰۰
(86-90) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَ (الحجرات: ۱-۵) ۴۳۰۶
(91) وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا (الطور: ۴۸) ۴۳۲۸
(92) وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی O (النجم: ۱) ۴۳۴۵
(93) (i) مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی O (النجم: ۲) ۴۲۵۱
(ii) وَمَا صَاحِبُکُمْ بِمَجْنُوْنٍ O (التکویر: ۲۲) ۴۲۵۲
(94) وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی O اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی O (النجم: ۳، ۴) ۴۲۵۰
(95) عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی O ذُوْ مِرَّۃٍ فَاسْتَوٰی O وَ ھُوَ (النجم: ۵-۱۸) ۴۳۴۶
(96) اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نُھُوْا عَنِ النَّجْوٰی ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ (المجادلۃ: ۸) ۴۳۱۶
(97) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ (المجادلۃ: ۱۲) ۴۳۱۷
(98) وَمَا آتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوْا (الحشر: ۷) ۴۲۴۶
(99) (i) لَوْ اَنْزَلْنَا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَہٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا (الحشر: ۲۱) ۴۲۸۵
(ii) نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ O عَلٰی قَلْبِکَ (الشعراء: ۱۹۳، ۱۹۴) ۴۲۸۵
(100) یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ (التحریم: ۱) ۴۳۶۲
(101) وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ وَ (التحریم: ۳-۵) ۴۳۶۴
(102) یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا مَعَہٗ (التحریم: ۸) ۴۳۸۲
(103) نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ O مَآ اَنْتَ بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ O (القلم: ۱-۶) ۴۳۵۸
(104) وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ لَاَخَذْنَا مِنْہُ بِالْیَمِیْنِ O (الحآقۃ: ۴۴-۴۶) ۴۳۰۳
(105) عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ اَحَدًا O اِلَّا مَنِ (الجن: ۲۶، ۲۷) ۴۳۱۵
(106) یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ O قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا O نِّصْفَہٗٓ اَوِ انْقُصْ (المزمل: ۱-۵) ۴۴۱۳

Marfat.com

(107) وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا (اَلْمُزَّمِّل : ۱۰، ۱۱) ۴۴۱۵
(108) اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَ (اَلْمُزَّمِّل : ۲۰) ۴۴۱۵
(109) يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ O قُمْ فَاَنْذِرْ O وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ O وَ (اَلْمُدَّثِّر : ۱-۷) ۴۴۱۷
(110) ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا O وَجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا (اَلْمُدَّثِّر : ۱۱-۳۰) ۴۴۱۸
(111) لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ O اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ (القیامة : ۱۶ تا ۱۹) ۴۲۶۰
(112) عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی O اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی O وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ (عَبَس : ۱-۱۰) ۴۲۷۲
(113) لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ O وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ O (اَلْبَلَد : ۱، ۲) ۴۲۸۵
(114) فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ O لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ O (الغاشیة : ۲۱، ۲۲) ۴۳۱۳
(115) مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی O وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ (اَلضُّحٰی : ۳، ۴) ۴۳۲۵
(116) وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی O (اَلضُّحٰی : ۵) ۴۳۲۶
(117) اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِیْمًا فَاٰوٰی O وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی O (اَلضُّحٰی : ۶ تا ۸) ۴۳۰۹
(118) اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ O (الانشراح : ۱) ۴۳۸۶
(119) وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ O (الانشراح : ۴) ۴۳۸۸
(120) اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ O (الکوثر : ۱) ۴۲۷۶
(121) اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ O (الکوثر : ۳) ۴۲۷۸
(122) تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ O مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا (اَللَّهَب : ۱-۵) ۴۳۵۴

## نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعضائے پاک کا ذکر کلامِ حکیم میں

آپ کا قلبِ مبارک ۔ زبانِ مبارک ۔ آنکھیں ۔ چہرۂ انور ۔ دستِ مبارک ۔ گردن مبارک ۔
سینہ مبارک ۔ کمر مبارک ۔ آپ کی ذاتِ پاک ۔ ۴۴۲۸

آپ کے بازو مبارک ۔ ۴۴۲۹

(الف) تمام انبیاء علیہم السلام پر کفار کی طرف سے لگائے گئے الزامات کا جواب
اُن انبیائے کرام نے خود دیا ۴۴۲۹ تا ۳۲

(ب) جبکہ امام الانبیاء ﷺ پر لگائے گئے تمام الزامات کا جواب
رب تعالیٰ نے خود دے کر اُنہیں قرآن کا حصّہ بنا دیا۔ ۴۴۳۲۔۳۶

Marfat.com

(ج) تمام انبیاء علیہم السلام کو اُن کے مانگنے پر رب نے عطا فرمایا جبکہ نبی علیہ السلام کو بن مانگے عطا فرمایا گیا۔ ۴۴۳۷-۳۹

(د) رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر مقام پر آپ کو آپ کے مختلف القاب سے خطاب فرمایا جبکہ سابقہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اُن کے اسمائے مبارک سے خطاب کیا۔ ۴۴۳۹-۴۱
اسی طرح مسلمانوں کو بھی آپ کے نام سے خطاب کرنے سے منع کر دیا گیا جبکہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی امتیں بھی اپنے نبیوں کو اُن کے نام سے پکارتی تھیں۔
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات پر نصاریٰ کا اعتراض۔ نبی علیہ السلام کے اپنی امت پر حقوق۔ احادیثِ نبویہ کی حد درجہ تعظیم وتوقیر۔ آپ ﷺ کے آثارِ شریفہ کی تعظیم۔

محمد ﷺ کی پیشین گوئیاں بدھ مت، پارسی، ہندو، یہودی اور عیسائی صحیفوں میں۔ ۴۴۵۳-۴۴۶۰

مراجع ومصادر --- --- --- --- --- --- --- ۴۴۶۱

Marfat.com

# تعارف

انگریز نے برِصغیر میں اپنے راج کے دوران مسلمانوں کی متاعِ بے بہا کے چھیننے کی جو سازش کی تھی اور آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس کو مباحث کا موضوع بنا کر عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی لَو کو راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کرنے کا جو فتنہ برپا کیا تھا' وہ آج امربیل کی طرح ایمان کی شاخوں پر براجمان ہے۔ نت نئے فتنوں کے ساتھ کبھی فخرِ کائنات ﷺ کے اختیارات وتصرّفات کو موضوعِ مناظرہ بنایا جاتا ہے تو کبھی آپ کی شخصیتِ مبارکہ کا علم' کبھی آپ کی روحانیت اوراُس کے فیض کا کائنات میں ہمہ وقت جاری وساری ہونا موضوعِ بحث بنتا ہے تو کبھی بشریت اور نورانیت کے چکر میں ناواقف مسلمان کو اُلجھا دیا جاتا ہے۔

قارئینِ کرام! اربابِ عشق ومحبت نے فرقانِ حمید کو جو صحیفہِ انقلاب ہے' گلدستہِ نعت رسول ﷺ سے تعبیر کیا ہے اس لئے کہ قرآنِ حکیم کے لفظ لفظ اور ورق ورق پر محامدِ سرکار ﷺ کی دُھنک بکھری ہوئی ہے' اور ہر حاشیہ خوشبوئے اسمِ محمد ﷺ سے مہک رہا ہے۔ جنابِ آدم علیہ السلام سے لے کر جنابِ عیسیٰ علیہ السلام تک نازل ہونے والے تمام صحیفے بھی ذکرِ خیرالانام ﷺ کے انوارِ سرمدی سے تابندہ و روشن ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ قُدسی صفات ہستیاں نبی آخرالزماں حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کا اہتمام فرما رہی ہیں جیسے کائنات کا ذرّہ ذرّہ تاجدارِ کائنات ﷺ کی قدم بوسی کے لئے بیتاب و مضطرب ہے' اور ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ اِسی چشمہِ شعور سے ایمان و ایقان کے سُوتے پھوٹتے ہیں اور صراطِ مستقیم پر گامزن مسافرانِ حق قربِ الٰہی کی منزل سے ہمکنار ہوتے ہیں۔

قرآنِ حکیم ذکرِ مصطفیٰ ﷺ سے خالی نہیں اور زبانِ مصطفیٰ ﷺ ذکرِ قرآن سے پُر ہے۔ قرآن کا اسلوبِ عشق عجب پُر بہار اور روح پرور ہے۔

کبھی تو اللہ کا یہ آخری کلام تاجدارِ کائنات ﷺ کی نبوّت ورسالت کا اعلان جاءَ' اَرسَلَ اور بَعَثَ کے الفاظ میں فرماتا ہے اور کبھی کفار ومشرکین کو آپ ﷺ کے پرچمِ توحید کے نیچے آنے کی دعوت دیتا ہے۔

کبھی وہ سیّدہ آمنہ کے لعل کو وَالضُّحیٰ کے پیار بھرے لقب سے یاد فرماتا ہے تو کبھی آپ کی زلفِ عنبریں کے حوالے سے وَاللّیل کے محبت آمیز لہجے سے پذیرائی بخشتا ہے۔ ربِّ محمدؐ اپنی شاہکار تخلیق کو علمِ جمل کی رُو سے کبھی طٰہٰ (۹ + ۵ = ۱۴) کے لقب سے ملقب کرتا ہے تو کبھی وہ یٰسٓ یعنی قرآنِ پاک کے دل کے ذکر کا آغاز کائنات کے دل کے ذکر سے کرتا ہے۔ (صلیّ اللہ علیہ وآلہٖ وَسلّم)

Marfat.com

قرآن کبھی آپ کی اطاعت پر زور دیتا ہے (آلِ عمران: ۳۱) تو کہیں آپ کی عظمتوں کا بیان کرتا ہے (النساء: ۱۱۳)۔ کہیں آپ کی جود وسخا کی بات کرتا ہے (الضحیٰ: ۱۰) تو کہیں آپ کے دستِ عطا کا ذکر کرتا ہے (الحشر: ۷)۔ کبھی آپ ﷺ کی رضا کی باتیں کرتا ہے (البقرۃ: ۱۴۴؛ الضحیٰ: ۵) تو کہیں آپ کے وطنِ مالوف شہرِ مکہ کی (البلد: ۱، ۲) اور اپنے حبیبِ محتشم کی عمر مبارک کی قسم کھاتا ہے (الحجر: ۷۲)۔ قرآن کبھی محبت الٰہی کے لئے اطاعتِ مصطفیٰ کو شرط قرار دیتا ہے (آلِ عمران: ۳۱) اور کہیں اطاعتِ مصطفیٰ ہی کو اطاعتِ الٰہی ٹھہراتا ہے (النساء: ۸۰)۔ کبھی قرآن اللہ اور اُس کے محبوب علیہ السلام کے کلام کے درمیان وحدت قائم کرتا ہے (النّجم: ۳، ۴) تو یہی قرآن کہیں مؤمنین کو ختم المرسلین ﷺ کی عزت و احترام کی بجا آوری کا سبق دیتا ہے (الفتح: ۹؛ الحجرات: ۱ تا ۵)۔ کبھی وہ آپ کی بعثت سے قبل آپ کی بے خطا عمر مبارک کو دلیلِ توحید بناتا ہے (یونس: ۱۶) تو کبھی اپنے رسول کے درِ عطا پر جھکنے ہی کو ایمان قرار دیتا ہے (النساء: ۶۵؛ التوبۃ: ۵۹)۔ کبھی وہ زبانِ رسالت سے نکلے ہوئے ہر ہر لفظ کو اپنی بات قرار دیتا ہے (النّجم: ۳، ۴) تو کہیں رسول کی اطاعت اور بات ماننے کو عبادت قرار دیتا ہے (الانفال: ۲۴)۔

غرضیکہ کہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت بیان ہو رہی ہے (البقرۃ: ۲۵۳) تو کہیں آپ کے اُسوہ حسنہ کو رُشد و ہدایت کا دائمی سرچشمہ قرار دیا جا رہا ہے (الاحزاب: ۲۱)۔ کہیں آپ کی ذاتِ مطہرہ کو مؤمنوں کے حق میں جان سے بھی بڑھ کر عزیز بتایا جا رہا ہے (سورۃ التوبۃ: ۲۴) تو کہیں قرآن اللہ اور اُس کے رسول کی محبت کو تمام محبتوں پر مقدم سمجھنے کی نصیحت کرتا ہے (المجادلۃ: ۲۲)۔ کہیں وہ محفلِ رسول میں بات کرنے کا سلیقہ سکھاتا ہے (المجادلۃ: ۱۲) تو کہیں اپنے محبوب کے دربار کے آداب و ضوابط کو خود وضع کر کے اُنہیں قرآن کا حصہ بنا دیتا ہے (الحجرات: ۱ تا ۵)۔ قرآن کہیں آپ کے لائے ہوئے دین کے غلبے کا ذکر کرتا ہے (سورۃ التوبۃ: ۳۳؛ الصّفّ: ۹) تو کہیں آپ پر ایمان لانے اور آپ کی اطاعت میں ہدایت و نجات کی ضمانت دیتا ہے (الصّفّ: ۱۰، ۱۱)

ربِّ ذو الجلال والاکرام نے کہیں اپنے شاہکار و یکتائے کائنات ﷺ کو رحمۃ للعالمین کا لقب عطا کیا (الانبیاء: ۱۰۷) تو کہیں وہ اُس شاہکار ہستی پر نہ صرف خود بھی فرشتوں سمیت درود بھیج رہا ہے بلکہ اُس کی غلامی کا طوق اپنے زیبِ گلو کرنے والوں کو بھی درود و سلام بھیجنے کا حکم فرما رہا ہے (الاحزاب: ۵۶)۔ کہیں آپ کی رسالت کو تمام عالمِ انسانیت کے لئے بیان کیا گیا (الاعراف: ۱۵۸؛ الفرقان: ۱) تو کہیں آپ کو یہ مژدہ جانفزا سنایا جا رہا ہے کہ آپ کی ہر آنے والی گھڑی پہلی سے بہتر ہو گی (الضحیٰ: ۴)۔ کہیں قرآن آپ ﷺ کے علم کو عطائے ربّانی قرار دیتا ہے (النساء: ۱۱۳) تو کہیں گنہگاروں کے لئے آپ کے درِ اقدس کو گوشۂ پناہ قرار دیتا ہے (التوبۃ: ۶)۔ قرآن کہیں زبانِ رسالت کی سفارش کو اللہ کی بخشش کا سبب گردانتا ہے (النساء: ۶۴) تو کہیں خطا کاروں کے محبوب کے ہاتوں صدقات

Marfat.com

کے قبول کرنے کو ان خطا کاروں کی طمانیتِ قلبی اور اُن کا سکون قرار دیتا ہے (التوبة :١٠٣)۔ کہیں آپ کی ذاتِ ستودہ صفات کو چمکتے ہوئے ستارے کے دلرُ با لقب سے پکارا ہے (النّجم :١) تو کہیں وہ آپ کے حُسنِ خُلق کے ڈنکے بجاتا ہے (آل عمران : ١٥٩ ؛ القلم:٤)۔ کہیں وہ ساری اُمتوں پر تاجدارِ کائنات ﷺ کو گواہ اور نگہبان بنانے کی بات کرتا ہے (النساء: ٤١) تو کہیں عالمِ ارواح میں ارواحِ انبیاء علیہم السلام کو جمع کر کے اُن سے اپنے محبوب علیہ السلام پر ایمان لانے اور آپ کی مدد و نصرت کا عہد و پیمان لیتا ہے (آلِ عمران :٨١)۔ کہیں وہ مقامِ محمود کے منصبِ جلیلہ پر آپ کے فائز کئے جانے کا اعلان کرتا ہے (سورہ بنی اسرائیل :٧٩) تو کہیں وہ آپ کی دل آزاری کرنے والوں کو دردناک عذاب کی تہدید سناتا ہے (التوبہ:٦١)۔ کہیں وہ آپ کو غیب کے خزانوں کی کنجیاں عطا کرتا ہے (التکویر:٢٤) تو کہیں آپ کو اپنی نگاہِ کرم کا مرکز ہونے کا شرف عطا فرماتا ہے (الطور :٤٨)۔ کہیں وہ آپ کے اس جہانِ فانی سے رخصت ہونے کے بعد آپ کی ازواجِ مطہرات سے کسی کے نکاح کرنے کو ممنوع قرار دے کر آپ کی تعظیم و توقیر میں اضافہ کر رہا ہے (الاحزاب:٥٣) تو کہیں وہ آپ کی ازواجِ مطہرات کو دیگر عورتوں کی عدمِ مماثلت کے پردے میں اپنے محبوب علیہ السلام کو دیگر لوگوں کی طرح نہ ہونے کا اعلان کر رہا ہے (الاحزاب: ٣٢)۔

قرآن نے کہیں آپ کو اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ (الزمر:٣٦) کا مژدۂ دلبہا رسنایا تو کہیں گزشتہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر کی گئی ستم رانیوں اور اعصاب شکن مظالم کا ذکر کر کے آپ کی تسلی اور تشفی کا سامان فراہم کیا۔ (صلیّ اللّٰہ علیہ وآلہٖ وَسلّم)

شانِ صمدیت اور بے نیازی کا حامل وحدہٗ لاشریک رب کس طریق سے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و توقیر کر رہا ہے کہ سورۃ الحِجر کی آخری آیت میں فرمایا: وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ (اے محبوبِ معظّم! وقتِ آخر تک اپنے رب کی (اِسی طرح) عبادت کرتے رہئے)۔ چونکہ یہاں موت کا لفظ بھاری تھا اور نبوّت کی شان کے لائق نہیں تھا، اس لئے اُسے اَلیقین کے لفظ سے بدل دیا گیا تاکہ محبوب علیہ السلام کے قلبِ عاطر کو تکلیف نہ پہنچے۔ (صلیّ اللّٰہ علیہ وآلہٖ وَسلّم)

خیال رہے کہ ربِّ ذوالجلال والاکرام نے پورے قرآن مجید کے 209 مقامات پر اپنی ربوبیت کو بالخصوص اپنے محبوب علیہ السلام کا رب ہونے کی طرف نسبت دی ہے اس لئے کہ جو لطف ربِّ محمد ہونے میں ہے وہ لطف ربِّ کعبہ اور ربِّ ابوبکرؓ و بلالؓ ہونے میں کہاں! (صلیّ اللّٰہ علیہ وآلہٖ وَسلّم)

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ پورے قرآن مجید میں 36 مقامات پر اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول کا اکٹھا حکم آیا ہے اور 16 مقامات پر صرف اطاعتِ رسول کا حکم ہوا ہے لیکن اَلحَمد سے لے کر وَالنَّاس تک

Marfat.com

صرف اطاعتِ الٰہی کا ذکر کہیں بھی نہیں ہے۔ اہلِ دانش وفکر کے لئے یہ نکتہ قابلِ توجہ ہے کہ کہیں میرے بندے یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ بڑے کا دامن تھام لیا ہے' اب چھوٹے کی کیا ضرورت ہے! نہیں' میرا قرب اور میری رضا کے اگر تم متلاشی ہو تو میرے محبوبِ محتشم کا دامن تھامنا ہوگا۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وَسَلَّم

قارئینِ کرام! کتنا بڑا ظلم ہے کہ خالقِ کون ومکاں جس نسبت پر پوراز وردے' ہمارے مناظرے اور مجادلے اُسی ذات پر ہیں۔ جب ہم کشتگانِ عشق آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محامد وفضائل کی بات کرتے ہیں تو یار لوگوں کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں کہ کہیں رسول کو خدا سے تو نہیں ملا رہے حالانکہ پنجگانہ نماز میں کئی بار ہر مسلمان اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ آپ اپنے معبودِ برحق کے بندے اور رسول ہیں۔ جب آقا علیہ السلام کے ادب واحترام کی بات آتی ہے تو گھبرانے لگتے ہیں کہ کہیں حد سے تو نہیں بڑھ رہے۔ آقا کے کمالات وفضائل اور مناقب ومحامد کی بات آتی ہے تو ہم پر شخصیت پرستی کا فتویٰ لگایا جاتا ہے۔ میں عقل کے ان یتیموں سے پوچھتا ہوں کہ جس ذاتِ اقدس کے دستِ پاک کو اللہ ربّ العزت اپنا ہاتھ قرار دے' جس کے کنکریاں پھینکنے کو وہ اپنی طرف سے پھینکنا قرار دے' جس کی اتباع کو وہ اپنی اتباع کہے' اور جس کے کلام پاک کی سطر سطر میں محاسنِ مصطفیٰ کی قندیلیں روشن ہیں اُس کے ذکرِ پاک کو شخصیت پرستی قرار دینا کتنا بڑا ظلم اور سراپا حمد وستائش (محمد علیہ السلام) کے رب کے غضب کو للکارنا ہے!

جب ہم اُنہیں قرآن کا یہ فرمودہ سناتے ہیں کہ رسول تمہیں زندگی دیتا ہے (سورۃ الانفال: آیت ۲۴) تو ماتھے پر بل پڑ جاتے ہیں۔ کاش کہ قرآن میں غور کیا ہوتا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کا فرعون نے تعاقب کیا تو جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے ٹاپ جہاں جہاں پڑ رہے تھے' وہاں سبزیاں اور نباتات اُگ آئی تھی۔ سامری (جادوگر) نے اُس جگہ کی خاک کو اٹھایا' سونے کا بچھڑا بنا کر اُس خاک کو اُس کے منہ میں ڈال دیا تو بچھڑے کے اندر زندگی آگئی۔ بتایئے یہ زندگی کہاں سے آئی؟ تو جب جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں کے اندر زندگی بخشنے کی طاقت اللہ نے دی ہے تو یہ جبریل وہی تو ہیں جنہوں نے رسول پاک ﷺ کے قدموں پر پیشانی ٹیک دی تھی۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

**نوٹ**: یہ مضمون مؤلف کے قرآنک انسائیکلوپیڈیا کی جلد نہم سے ماخوذ ہے۔ لہٰذا صفحات نمبر میں تبدیلی نہیں کی گئی۔

خاکپائے صالحین
(ر) پروفیسر اشفاق احمد خان
سابق صدر شعبہ عربی۔ گورنمنٹ ایمرسن کالج۔ ملتان
موبائل: 0308-9217883
0301-7422684

Marfat.com

# (۱۷۱) محمد ﷺ (Mohammad ﷺ)

لفظ ''محمد'' کا مصدر ح۔م۔د ہے بمعنی تعریف وستائش کرنا خواہ وہ کسی ظاہر خصوصیت کے لئے ہو یا کسی مخفی وصف کے لئے ہو۔ لفظ ''محمّد'' اسم مفعول ہے جس کے معنی اہلِ لغت نے حسب ذیل کئے ہیں :

(۱) هُوَالَّذِيْ حُمِدَ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ (الروض الانف سہیلی ۱ : ۲۸۱؛ لسان العرب لمنظور افریقی ۳ : ۱۵۶؛ القاموس المحیط لمجد الدین فیروز آبادی ۱ : ۱۸۹)

''محمد وہ ہے جس کی تعریف بار بار بہ کثرت کی جائے۔''

(۲) وَمُحَمَّدٌ'' اِذَا كَثُرَتْ خِصَالُهُ الْمَحْمُوْدَةُ (مفردات القرآن لامام راغب اصفہانی ص ۱۳۱)

''محمد وہ ہے جس کی قابلِ تعریف وستائش خصلتیں بہ کثرت ہوں۔''

قرآن مجید میں لفظ ''محمّد'' حسب ذیل چار مقامات پر آیا ہے :

(۱) وَمَا مُحَمَّدٌ'' اِلَّا رَسُوْلٌ'' (آلِ عمران : ۱۴۴)

''اور محمد (ﷺ) رسول ہی تو ہیں۔'' (۳ : ۱۴۴)

(۲) مَا كَانَ مُحَمَّدٌ'' اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب: ۴۰)

''محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب انبیاء کے آخر میں (سلسلہ نبوت ختم کرنے والے) ہیں۔'' (۳۳ : ۴۰)

(۳) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ (محمّد : ۲)

''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور اُس (کتاب) پر ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر نازل کی گئی۔'' (۴۷ : ۲)

(۴) مُحَمَّدٌ'' رَّسُوْلُ اللّٰهِ (الفتح : ۲۹)

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔'' (۴۸ : ۲۹) ☆

کچھ محدثین کے نزدیک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک ہزار اسمائے حُسنیٰ ہیں اور اُن میں سے ہر نام آپ کے روشن و معتبر کردار کے معجزانہ پہلو کا آئینہ دار اور عکاس ہے۔ جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہزاروں اسمائے حسنیٰ ہیں لیکن اُس کا ذاتی نام ''اللہ'' ہے اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے سینکڑوں اسمائے حسنیٰ میں آپ کا ذاتی نام ''محمد'' ہے ﷺ۔

---

☆ خیال رہے کہ محولہ بالا چاروں آیات میں لفظ ''محمد'' کا استعمال بیانیہ ہے نہ کہ ندائیہ۔ پورے قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب کو ''یا محمد'' کہیں نہیں کہا بلکہ کہیں یا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ تو کہیں یا اَیُّھَا النَّبِیُّ، کہیں یا اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ اور کہیں یا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ کہیں یٰسٓ اور کہیں طٰهٰ جیسے پیارے القاب سے خطاب کیا۔ نام سے خطاب نہ کرنے بلکہ لقب کے ساتھ خطاب کرنے میں اپنے محبوب علیہ السلام کی حد درجہ تعظیم ومحبت کا اظہار ہے جبکہ قرآن میں مذکور تمام انبیاء علیہم السلام کو اُن کے اسمائے گرامی کے ساتھ خطاب کیا گیا۔

Marfat.com

<u>لفظ ''مُحمّد'' کا ہر حرف با معنیٰ ہے</u> : لفظ حروف کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اگر کسی لفظ کا کوئی ایک حرف ہٹا دیا جائے تو بقایا حروف کا معنیٰ فوت ہو جاتا ہے۔ مثلاً لفظ ''طاہر'' ایک با معنیٰ لفظ ہے اور ط۔ا۔ہ۔ر حروف کا مجموعہ ہے۔ اگر اس کا پہلا حرف ط ہٹا دیا جائے تو اہر بے معنیٰ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اور مثالیں ہیں۔ لیکن اللہ اور مُحمّد کے دونوں لفظ مذکورہ اصول سے مستثنیٰ ہیں۔ اگر لفظ اللہ سے پہلا حرف الف ہٹا دیا جائے تو باقی للہ بچتا ہے جس کا معنیٰ ''اللہ کے لئے'' ہے۔ اگر اس کا دوسرا حرف ل ہٹا دیا جائے اور پہلا حرف الف ساتھ ملا دیا جائے تو باقی اِلٰہ بچتا ہے بہ معنیٰ معبود۔ اگر اس کے دونوں حروف الف اور لام ہٹا دئے جائیں تو باقی لَہٗ بچتا ہے بہ معنیٰ ''اُس (اللہ) کے لئے''۔ اور بالآخر اگر لَہٗ کا ل ہٹا دیا جائے تو باقی ہ' رہ جاتا ہے بہ معنیٰ ''وہ''۔

اسی طرح لفظ مُحمّد (جو ہمارے نبی کا ذاتی نام ہے) کا ہر حرف با معنیٰ ہے۔ اگر اس کا پہلا حرف م ہٹا دیا جائے تو باقی حَمد رہ جاتا ہے بہ معنیٰ تعریف۔ اگر اس کا دوسرا حرف ح ہٹا دیا جائے اور پہلے حرف م کو ساتھ ملا دیا جائے تو باقی مُمِد رہ جاتا ہے بہ معنیٰ ''مددگار''۔ اگر شروع کے م اور ح دونوں کو الگ کر دیا جائے تو باقی مَد رہ جاتا ہے بہ معنیٰ بلند و بالا جو رسالت کے منصب رفیع و عظیم کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ بالآخر اگر دوسرا میم حذف کر دیا جائے تو دال باقی رہ جاتا ہے بہ معنیٰ راہ نما اور راہبر۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ لفظ مُحَمّد کا ہر حرف خدائے واحد کے وجود کا مسلمہ ثبوت ہے۔

<u>مُحمّد اور احمد</u> : نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسمائے حسنیٰ کے علاوہ یہ دونوں نام آپ کے ذاتی نام ہیں۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ آپ کا زمینی نام ''مُحمّد'' اور آسمانی نام ''احمد'' ہے۔ مؤخر الذکر یعنی احمد سورۃ الصّف کی آیت ۶ میں ایک بار استعمال ہوا ہے جب عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بتایا تھا کہ میرے بعد احمد نامی ایک رسول تشریف لائیں گے۔

یہاں بجا طور پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ از روئے حدیث آپ کا زمینی نام محمد اور آسمانی نام احمد ہے تو عیسیٰ علیہ السلام نے یہ پیش گوئی زمینی لوگوں کو بتائی تو اُنہیں آپ احمد نام کی بجائے محمد نام سے متعارف کراتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زمین پر پیدا ہوئے اور زمینی لوگوں کے ساتھ گزر بسر کیا لیکن پیدائش سے لے کر آسمان کی طرف اٹھائے جانے تک حقیقتاً آپ کی اکثر عادتیں آسمانی مخلوق سے ملتی جلتی تھیں۔ آپ کی پیدائش معروف و معلوم قدرتی طریقے کے خلاف ہوئی تھی۔ زمین پر تھوڑا عرصہ رہنے کے بعد آپ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا۔ تو آپ کے آغاز و انتہا کے مدّنظر آپ کی آسمانی زندگی آسمانی مخلوقات کے مشابہ ہے۔ اسی وجہ سے آپ نے لفظ ''احمد'' کا استعمال کیا جو آسمانی مخلوق میں وسیع طور پر جانا پہچانا تھا۔

<u>نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بہت سے نام لفظ ''حمد'' سے ماخوذ ہیں</u> : حمد کا لفظ نبی علیہ السلام کے

Marfat.com

مختلف اسمائے گرامی میں نمایاں مقام کا حامل ہے۔لفظ ''حمد'' سے کم از کم چار نام ماخوذ ہیں: محمد' احمد' حامد اور محمود۔ اِن میں سے پہلا اور آخری نام (یعنی محمد اور محمود) کا مفہوم ایک ہی ہے یعنی وہ شخص جس کی تعریف کی جائے' جبکہ احمد اور حامد کا معنیٰ وہ شخص ہے جو تعریف و ستائش کرے۔ آپ ﷺ کو 'احمد'' کا نام عطا فرما کر رب تعالیٰ نے آپ کو اپنی حمد و ثنا کرنے والا بنا دیا جس کے نتیجہ میں آپ اُس بلند و بالا مقام پر فائز ہو گئے جس کے اوپر کوئی اور مقام نہیں۔ اِسی طرح آپ کو لفظ 'محمد'' عطا فرما کر ایسی ہستی بنا دیا جس کی بار بار تعریف کی جاتی ہے اور اس لحاظ سے بھی آپ کو مقامِ رفیع و عظیم عطا ہوا۔ لفظ ''محمد'' میں مبالغہ کی صفت ہے اور لفظ 'احمد' اسم تفضیل ہے اور یہ دونوں لفظ آپ کی تعریف و ستائش کی کاملیت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ پوری کائنات میں کبھی کوئی ایسا شخص ایسا نہیں ہوا اور نہ ہوگا جس نے اپنے رب کی اس طرح تعریف کی ہو جس طرح امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کی حمد و ثنا کی ہے۔ اسی طرح اُس اکملیت اور کاملیت کا بھی تصوّر تک نہیں کیا جا سکتا جس کے ساتھ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف و ستائش کی جاتی رہی اور ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔ نہ صرف انسان' جن اور فرشتے آپ کے مدّاح ہیں بلکہ آپ کا خالق و مالک رب تعالیٰ بھی آپ کا مدّاح ہے کیونکہ:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلاَئِکَتَہ' یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاO(۳۳:۵۶)

''بے شک اللہ اور اُس کے فرشتے نبی علیہ السلام پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب خوب سلام بھیجا کرو۔'' (۵۶ : ۳۳)

اللہ کی رحمت بھیجنا تو ظاہر ہی ہے۔ مسلمانوں اور فرشتوں کی صلوٰۃ بھیجنے کے معنی یہ ہیں کہ اُنہیں حکم مل رہا ہے کہ رسول پر اُس رحمتِ خاص کی دعا کرتے رہیں اور اسے اُن کے حق میں طلب کرتے رہیں۔ اسی کو عرفِ عام میں درود بھیجنا کہتے ہیں۔ یہاں صلوٰۃ سے مراد رحمتِ عام نہیں بلکہ نبی کے شایانِ شان رحمتِ خاص مراد ہے۔

امام مرتضیٰ الزَّبیدی ''تاج العروس'' میں صلوٰۃ کا معنیٰ لکھتے ہیں:

قَالَ ابْنُ الاعرابی اَلصَّلاۃُ مِنَ اللّٰہِ اَلرَّحْمَۃُ وَمِنْہُ ھُوَالَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ اَیْ یَرْحَمُ

''ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے صلوٰۃ کا معنیٰ ''رحمت'' ہے اور یہی اس آیت کا معنیٰ ہے ''وہ تم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے'' یعنی ''وہ تم پر رحمت بھیجتا ہے۔''

علامہ راغب اصفہانی (م ۵۰۲ ھ) لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا محمد ﷺ پر صلوٰۃ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اُن کی حمد و ثنا فرماتا ہے اور اُن کا تزکیہ فرماتا ہے۔ فرشتوں کی صلوٰۃ پڑھنے کا مطلب ہے کہ وہ اللہ سے نبی علیہ السلام کے لئے رحمت طلب کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی صلوٰۃ پڑھنے کا مطلب ہے کہ وہ اپنے نبی علیہ السلام کے لئے اللہ کی برکت و رحمت کے نزول کی دعا کرتے ہیں۔'' (المفردات' ج ۲' ص ۳۷۴' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

Marfat.com

قاضی عیاض نے فرمایا:

''سلام کا معنیٰ ہے تسلیم کرنا' مان لینا' اطاعت کرنا اور سر تسلیم خم کرنا۔ گویا مؤمنوں سے فرمایا ہے کہ تم لوگ آپ پر صلوٰۃ پڑھو اور اس حکم کو مان لو' تسلیم کرلو اور اس کی اطاعت کرو۔'' (الشفاء' ج ۲' ص ۵۱'۵۰)

''ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہمیں آپ پر صلوٰۃ پڑھنے کا حکم دیا اور ہمیں معلوم نہیں تھا کہ آپ کا مرتبہ کیا ہے اور آپ پر کس طرح صلوٰۃ پڑھنی چاہئے تو ہم نے صلوٰۃ پڑھنے کو اللہ کے سپرد کر دیا اور ہم نے کہا: اے اللہ! اپنے رسولِ مکرّم کے مرتبہ کو تو ہی جاننے والا ہے' اُن کے مرتبہ کے موافق تو ہی اُن پر صلوٰۃ پڑھ سکتا ہے' سو تو ہی اُن پر صلوٰۃ پڑھ۔'' (مجمع بحار الانوار' ج ۳' ص ۳۴۷ بحوالہ تبیان القرآن' ج ۹' ص ۵۳۴)

صَلُّوْا اَمر کا صیغہ ہے جس کا معنیٰ ہے ''تم درود بھیجو'' اور سَلِّمُوْا بھی امر کا صیغہ ہے جس کا معنیٰ ہے ''تم سلام بھیجو''۔ دونوں صیغوں کی نوعیت یکساں ہے لیکن سَلِّمُوْا کے ساتھ تَسْلِیْمًا کا اضافہ ہونے سے وہ مفعولِ مطلق بن گیا اور سلام کی معنویت میں زور پیدا ہو گیا کیونکہ مفعولِ مُطلق سے معنیٰ میں زور (Emphasis) پیدا ہو جاتا ہے۔ نبیِ مکرّم ﷺ نے سلام بھیجنے کا طریقہ یہ بتایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ اور درود بھیجنے کا طریقہ یہ بتایا: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّد۔ صلوٰۃ وسلام کسی بھی انداز سے پڑھا جائے' جائز ہے۔ چاہے کوئی اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہ پڑھے یا اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّد پڑھے' ہر صورت میں اللہ کے حکم پر عمل ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اور بھی کئی درود مروی ہیں جن کے صیغے مختلف ہیں اور اپنی ضرورت وخواہش کے مطابق اُنہیں پڑھنا بھی جائز ہے۔

معلوم ہوا کہ درود بھیجنا ذکرِ الٰہی اور عبادت کی اعلیٰ ترین صورت ہے۔ تمام عبادات یعنی نماز' روزہ' حج' صدقات وخیرات وزکوٰۃ یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں سر کٹانا وغیرہ کسی بھی کارِ خیر کی قبولیت کی ضمانت نہیں دی جا سکتی لیکن درود پاک بہر صورت رب کے ہاں منظور ومقبول ہے کیونکہ رب تعالیٰ خود اِس عمل میں شامل ہے۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ بجائے اسم ذات مُحَمّد لانے کے جیسا کہ قرآن کا عام دستور حضرت انبیاء علیہم السلام کے معاملہ میں ہے' اسمِ صفت النَّبِی لانا حضور علیہ السلام کے مزید اعزاز واکرام کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو اپنے محبوبِ مکرّم ﷺ کی تعظیم وتوقیر کا بڑی سختی سے حکم فرمایا:

لِتُؤْمِنُوْا بِاللہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ (سورۃ الفتح: ۹)

''تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اُن (کے دین) کی مدد کرو اور اُن کی (بہ دل وجان) تعظیم وتوقیر کرو۔'' (۴۸ : ۹)

Marfat.com

درود کے ساتھ سلام کا حکم کیوں؟ اس ضمن میں پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری لکھتے ہیں:

''نبیِ مکرّم ﷺ کے اعلیٰ اور رفیع مرتبہ کے پیشِ نظر مؤمنوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے نبی پر نہ صرف صلوٰۃ یعنی درود بھیجیں بلکہ سلام بھی بھیجیں۔ سلام بالعموم کسی ممتاز شخصیت' قائد و پیشوا یا سیاست دان کو کیا جاتا ہے۔ لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مرتبہ و مقام رب تعالیٰ کے نزدیک اُن شخصیات سے کہیں زیادہ بلند و بالا ہے جنہیں سلام کیا جانا چاہئے اور یہ چیز آپ ﷺ کے خصائل حمیدہ اور بے مثل طرزِ زندگی کی وجہ سے ہے۔''

درود و سلام کا حکم صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے خاص کیوں؟ اس کی اصل وجہ تو مالکِ کون و مکاں ہی بہتر جانتا ہے لیکن کچھ مفسرین کے نزدیک اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ دینِ حق کی تبلیغ اور جبینِ انسانیت کو ایک خدائے واحد کے حضور جھکانے میں جن تکالیف اور اعصاب شکن مصائب کو آپ نے جھیلا' کسی اور نبی یا رسول نے نہیں جھیلا اور اس ضمن آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی بھی ہے کہ مجھ سے پہلے اگر تمام انبیائے کرام کی جھیلی ہوئی تکالیف و مصائب کو ترازو کے ایک پلڑے میں اور مجھ اکیلے کی تکالیف کو ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے' تو میرا پلڑا اُن سب سے بھاری ہوگا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنا سنتِ الٰہیہ ہے: جیسا کہ سورۃ الاحزاب کی مندرجہ بالا آیت ۵۶ سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنے کا نہ صرف حکم ہے بلکہ یہ سنت الٰہیہ بھی ہے۔ ماحول' ضرورت اور زمانے کے بدلنے سے احکام میں تبدیلی ہو جاتی ہے مگر سنتِ الٰہیہ میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ سنت کو ہمیشہ ابدی' دائمی اور آفاقی قانون کا درجہ حاصل رہتا ہے جو ہر دَور میں بحالہ ایک ہی شکل میں قائم و برقرار رہتا ہے (بحوالہ سورہ فاطر: ۴۳ و سورۃ الفتح: ۲۳)۔ لہٰذا مؤمنوں کے لئے فرض ہے کہ وہ سنتِ الٰہیہ میں شریک ہوتے ہوئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بکثرت درود و سلام بھیجا کریں۔

یہاں پہنچ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے رب کے ہاں رفعتِ مقام کا پتہ چلتا ہے۔ اسلام کی تمام اقسامِ عبادات (نماز' روزہ' حج وغیرہ) نبی علیہ السلام کی سنتِ مبارکہ ہیں نہ کہ اللہ کی کیونکہ اللہ نماز نہیں پڑھتا' نہ ہی وہ روزہ رکھتا ہے اور نہ ہی حج کرتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنا اُس کی سنتِ مبارکہ ہے اور اسی لئے درودِ پاک کو سب عبادات سے زیادہ معزز' شاندار' ترجیحی اور ارفع عمل سمجھا گیا ہے۔

مختلف طریقہ ہائے عبادات سے متعلق احکاماتِ الٰہیہ کچھ اصول و ضوابط کے ماتحت ہیں مثلاً پنجگانہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جاتی ہے اور اس کی قبولیت سنتِ رسول کے مطابق ادا ہونے کے ساتھ مشروط ہے۔ اسی طرح روزوں میں بھی کچھ اصولوں کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے یعنی سنتِ رسول کے تمام طریقہ ہائے عبادت کے اپنے اپنے تقاضے

Marfat.com

ہیں۔ لیکن چونکہ صلوٰۃ وسلام چونکہ خالق کائنات کا طریقہ ہے اس لئے وہ وقت اور دوسرے ذیلی واجبات کا پابند نہیں۔

''آیت مذکورہ کا سادہ سا گرائمری تجزیہ اس نکتے کو مزید واضح کرنے میں مددگار ثابت ہوگا۔ عربی گرامر میں جملے کی دو قسمیں ہوتی ہیں: جملہ فعلیہ جس میں فعل ظاہر ہوتا ہے اور جملہ اسمیہ جو محض نام کا جملہ ہوتا ہے۔ جملہ فعلیہ کسی خاص وقت (ماضی، حال یا مستقبل) سے متعلق ہوتا ہے اور وہ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔ وقت بھی غیر مستقل اور عارضی چیز ہے۔ اگر یہ زمانہ حال میں ہے تو اُسے بہرحال جانا ہے اور اگر زمانہ مستقبل سے متعلق ہے تو اُسے ابھی آنا ہے۔''

''تاہم جملہ اسمیہ تمام اوقات کو اپنے اندر لئے ہوتا ہے۔ یہ دائمی اور مستقل ہوتا ہے۔ ایک نام سے منسلک ہونے کے بعد اس کا تعلق تمام اوقات سے ہو جاتا ہے۔ آیت مذکورہ ۵۶ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جملہ اسمیہ سے بات شروع کی ہے۔ زمانہ ماضی کا صیغہ کہ ''اللہ اور اس کے فرشتوں نے درود بھیجا'' کی بجائے یا زمانہ مستقبل کا صیغہ کہ ''اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجیں گے'' استعمال کرنے کی بجائے زمانہ حال میں بات کی ہے کہ ''اللہ اور اُس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں''۔ یہ کوئی حکم یا ہدایت نہیں بلکہ ایک حقیقت کا اعلان ہے جو ہمیشہ جاری رہے گا۔ اس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود وسلام کا عمل ایک غیر منقطع اور دائمی عمل ہے۔''

''صلوٰۃ'' اور ''سلام'' میں فرق: جیسا کہ آیت مذکورہ ۵۶ سے معلوم ہوا کہ زور سلام پر ہے، صلوٰۃ پر نہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ مانوسیت اور پہچان سلام سے ہوتی ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام فوراً اپنے اُس اُمتی کو پہچان لیتے ہیں جو بڑے خلوص، محبت اور تعظیم کے ساتھ آپ پر بکثرت سلام بھیجتا ہے۔ اس طرح حکمِ الٰہی نبوت کی رفعت مقامی کا مظہر ہونے کے ساتھ ساتھ مؤمنوں کے لئے اُس کی لامحدود رحمت کا مظہر بھی ہے۔

''مؤمنوں کو درود وسلام پڑھنے پر ثواب دیئے جانے کی قسم میں بھی امتیاز روا رکھا گیا ہے اور وہ امتیاز درجے اور مرتبے میں ہے۔ نبی علیہ السلام پر درود بھیجنے والوں کو اپنے اس عمل کی روحانی اجرت دی جاتی ہے۔ جس طرح ایک مزدور کو اپنی محنت کی اجرت رقم کی شکل میں دی جاتی ہے، اسی طرح درود بھیجنے والے کو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اُس کی طرف سے برکات کی شکل میں روحانی طور پر نوازا جاتا ہے۔ پیغمبر کریم ﷺ نے اپنے اُن اُمتیوں کے لئے شفاعت کی ضمانت دی ہے جو آپ پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔ عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اُنہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللّٰهُ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَأَرْجُوا أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ (صحیح مسلم: کتاب الصلوٰۃ، سنن ابی

Marfat.com

داؤد: کتاب الصلوٰۃ' جامع ترمذی: کتاب المناقب' سنن نسائی: کتاب الاذان' مسند احمد بن حنبل' صحیح ابن خزیمہ' مشکوٰۃ المصابیح لخطیب تبریزی: کتاب الصلوٰۃ' شرح السنۃ لحسین بن مسعود بغوی' کنزالعمال لعلاء الدین علی ۷:۰۰۷' بحوالہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

''جب تم مؤذن کو اذان کہتا سنو تو اُس کے کہے ہوئے الفاظ دُہرا دو' پھر مجھ پر درود بھیجو' اس لئے کہ جو کوئی مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے' اللہ تعالیٰ اُس پر اُس کی وجہ سے دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر تم اللہ سے میرے لئے مقامِ وسیلہ کی درخواست کرو جو جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ کے ایک (خاص) بندے کو عطا کیا جائے گا اور مجھے اُمید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ اور جو کوئی میرے لئے مقامِ وسیلہ مانگے گا' تو اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔''

**درود و سلام معرفتِ مصطفیٰ ﷺ کا باعث**: اعمالِ صالحہ' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' صدقات وخیرات سے بھی بڑھ کر ایک اور عمل دوست کی حیثیت سے قبر میں ہمارا محافظ بنے گا اور وہ عمل حضور ﷺ پر کثرت سے درود و سلام بھیجنا ہے۔ بقیہ اعمال نے تو فرشتوں کو قریب آنے سے روکنا ہے اور اس عمل نے اس سوال مَا تَقُوْلُ فِيْ حَقِّ هٰذَا الرَّجُل (اس شخصیت کے بارے میں تو کیا کہا کرتا تھا؟) کا جواب ہمیں عطا کرتا ہے یعنی معرفت مصطفیٰ ﷺ ہمیں عطا کرنی ہے کہ جب حضور ﷺ ہمارے سامنے ہوں گے تو یہ عمل ہمیں آپ علیہ السلام کو پہچاننے میں معاونت کرے گا۔ ذرا سوچئے! اُس شخص کا کیا حال ہوگا کہ جس کے پاس اس عملِ درود و سلام کی قلت ہوگی' عشق ومحبتِ مصطفیٰ کی کمی ہوگی اور وہ قبر میں حضور ﷺ کی پہچان نہ کر سکے گا۔

**نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کی اہمیت پر چند احادیث مبارکہ**

(۱) عَنْ طَلْحَةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ جَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ وَالْبِشْرُ يُرٰى فِيْ وَجْهِهٖ فَقَالَ: إِنَّهُ جَاءَنِيْ جِبْرِيْلُ فَقَالَ: أَمَا يُرْضِيْكَ يَا مُحَمَّدُ! أَنْ لَّا يُصَلِّيْ عَلَيْكَ أَحَدٌ'' مِّنْ أُمَّتِكَ إِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ أَحَدٌ'' مِّنْ أُمَّتِكَ إِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا (سنن نسائی: باب السھو)

''حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اُنہوں نے کہا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ چمکتے دمکتے اور ہشاش بشاش چہرے کے ساتھ تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے پاس جبریل یہ پیغام لے کر آئے کہ اے قابلِ صد ستائش! (آپ کا رب فرماتا ہے کہ) کیا آپ کو یہ بات پسند نہیں کہ جب آپ کا کوئی اُمتی آپ پر ایک مرتبہ درود بھیجے تو میں اُس پر دس مرتبہ رحمت بھیجوں اور آپ کا کوئی اُمتی آپ کو ایک مرتبہ سلام کہے تو میں اُس پر دس مرتبہ سلامتی بھیجوں!''

(۲) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلْيُصَلِّ عَلَيَّ

Marfat.com

وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَاۃً وَّاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحَطَّ عَنْہُ عَشْرَ سَیِّآتٍ وَّ رَفَعَہٗ بِہَا عَشْرَ دَرَجٰتٍ (مسند احمد، متدرک للحاکم، سنن نسائی، صحیح ابن حبان)

''انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کسی کے پاس میرا ذکر کیا جائے' اُسے چاہیے کہ مجھ پر درود بھیجے اور جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا' اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجے گا اور اُس کے دس گناہ مٹا دے گا اور اس کے دس درجے بلند فرمائے گا۔''

(۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ سَلَّمَ عَلَیَّ عَشْرًا فَکَاَنَّمَا أَعْتَقَ رَقَبَۃً (الشفا لقاضی عیاض)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے مجھ پر دس مرتبہ درود بھیجا تو گویا اُس نے ایک غلام آزاد کیا۔''

(۴) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ أَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ أَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً (ترمذی، ابن حبان، شرح السنۃ للبغوی، مشکوٰۃ المصابیح لخطیب تبریزی، میزان الاعتدال للذھبی)

''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میرے قریب ترین وہ شخص ہوگا جو مجھ پر بکثرت درود پڑھتا ہوگا۔''

(۵) عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ حِیْنَ یُصْبِحُ عَشْرًا وَّحِیْنَ یُمْسِیْ عَشْرًا أَدْرَکَتْہُ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (طبرانی)

''حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھ پر صبح دس مرتبہ اور شام دس مرتبہ درود بھیجے گا' اُس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔''

(۶) عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: أَکْثِرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَاِنَّہٗ یَوْمٌ مَّشْھُوْدٌ تَشْھَدُہُ الْمَلَائِکَۃُ وَاِنَّ أَحَدًا لَنْ یُّصَلِّیَ عَلَیَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلٰوتُہٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْہَا قَالَ قُلْتُ: وَبَعْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَ: اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ أَنْ تَأْکُلَ أَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ (ابن ماجہ، السخاوی، ملا علی قاری)

''حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر بہ کثرت درود پڑھا کرو اس لئے کہ جمعہ کا دن برکت کا دن ہے جس میں فرشتے بہ کثرت حاضر ہوتے ہیں اور جو کوئی بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے تو جب تک بھیجنے والا فارغ نہیں ہو جاتا' وہ درود مجھ پر برابر پیش کیا جاتا رہتا ہے۔ ابوالدرداء کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: کیا آپ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی ہوگا؟ اس پر آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے۔''

Marfat.com

(۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلصَّلٰوةُ عَلَيَّ نُوْر" عَلَى الصِّرَاطِ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثَمَانِيْنَ مَرَّةً غُفِرَتْ لَهٗ ذُنُوْبُ ثَمَانِيْنَ عَامًا (شرح شفا للعلی قاری)

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر درود کا بھیجا جانا پل صراط پر نور ہوگا اور جو کوئی جمعہ کے دن مجھ پر اسّی مرتبہ درود بھیجے گا' اُس کے اسّی برس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

(۸) عَنِ الْحَسَنِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَخَطِئَ الصَّلَاةَ عَلَيَّ خَطِئَ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ (منذری ۲ : ۲۳۱)

''امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا' وہ جنت کا راستہ بھول جائے گا۔''

شیخ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ ایک شخص اپنی تحریروں میں صرف صَلَّی اللّٰہُ کے الفاظ لکھتا تھا اور وَ سَلَّم نہیں لکھتا تھا۔ اُس نے نبی علیہ السلام کو خواب میں یہ فرماتے سنا کہ تم وَ سَلَّم نہ لکھ کر چالیس ثواب کیوں ضائع کرتے ہو؟'' (''فضائل درود شریف''۔۔۔مولانا محمد زکریا' صفحہ ۹۲) تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی۔

نوٹ: وَ سَلَّم میں چار حروف ہیں اور ہر حرف کے دس ثواب ہیں' اس طرح ۱۰x۴ = ۴۰ ثواب ہوئے۔

## اُن لوگوں کی مذمت میں احادیث جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود وسلام نہیں بھیجتے

(۱) إِنَّ أَبْخَلَ النَّاسِ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ (کنز العمال لعلاء الدین علی ۱: ۴۸۹)

''لوگوں میں بخیل ترین وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''

(۲) رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ (الجامع الصحیح ترمذی' کتاب الدعوات)

''اُس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''

(۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا جَلَسَ قَوْم" مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ تَعَالٰى فِيْهِ وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلٰى نَبِيِّهِمْ ﷺ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَلَهُمْ (احمد وابوداؤد وغیرھا)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر لوگ ایسی مجلس میں بیٹھیں جس میں نہ تو وہ اللہ کا ذکر کریں اور نہ ہی اس کے رسول ﷺ پر درود بھیجیں تو وہ مجلس اُن

Marfat.com

کے لئے قیامت کے دن حسرت وندامت کا باعث بن جائے گی۔ اللہ چاہے تو اُنہیں عذاب دے اور چاہے تو اُنہیں معاف کردے۔''

(۴) عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : أُحْضُرُوا الْمِنْبَرَ فَحَضَرْنَا فَلَمَّا ارْتَقَى دَرَجَةً قَالَ : آمِيْن ثُمَّ ارْتَقَى الثَّانِيَةَ فَقَالَ: آمِيْن ثُمَّ ارْتَقَى الثَّالِثَةَ فَقَالَ: آمِيْن فَلَمَّا نَزَلَ قُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَدْ سَمِعْنَا مِنْكَ الْيَوْمَ شَيْئًا مَا كُنَّا نَسْمَعُهُ، فَقَالَ : إِنَّ جِبْرِيْلَ عَرَضَ لِيْ فَقَالَ: بَعُدَ مَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْلَهُ، فَقُلْتُ : آمِيْن- فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّانِيَةَ قَالَ : بَعُدَ مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ، فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ فَقُلْتُ : آمِيْن فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّالِثَةَ قَالَ : بَعُدَ مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ الْكِبَرَ عِنْدَهُ، أَوْ أَحَدَهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ قُلْتُ آمِيْن (صحیح بخاری فی برّ الوالدین، مستدرک لحاکم، صحیح ابن حبان، السخاوی)

''حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ منبر لاؤ۔ ہم نے منبر پیش کیا۔ جب آپ پہلی سیڑھی پر چڑھے تو آپ نے آمین فرمایا۔ جب آپ دوسری سیڑھی پر چڑھے تو آپ نے آمین فرمایا۔ پھر آپ تیسری سیڑھی پر چڑھے تو آپ نے آمین فرمایا۔ جب آپ نیچے اترے تو ہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہم نے آج آپ سے وہ چیز سنی ہے جو پہلے نہیں سنی تھی۔ آپ نے فرمایا: جبریل میرے پاس آئے اور کہا کہ وہ شخص اللہ کی رحمت سے دُور ہو جس نے ماہِ رمضان پایا لیکن (اُس کا احترام نہ کرنے کی وجہ سے) اُس کی بخشش نہ ہو سکی تو میں نے آمین کہا۔ جب میں دوسری سیڑھی پر چڑھا تو جبریل نے کہا: وہ شخص رحمتِ الٰہی سے دُور ہو جس کے سامنے آپ کا نام لیا گیا اور اُس نے آپ پر درود نہ پڑھا تو میں نے آمین کہا۔ جب میں تیسری سیڑھی پر چڑھا تو جبریل نے کہا: وہ شخص رحمتِ الٰہی سے دُور ہو جس نے اپنے بوڑھے والدین یا اُن میں سے ایک کو پایا اور وہ اُسے جنت میں لے جانے کا سبب نہ بن سکے۔ تو (اس پر) میں نے کہا آمین۔

**فرشتوں کا درود وسلام** : منصبِ نبوت کی عظمت و رفعت کا یہ ایک اور بیّن اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف مؤمنوں کو درود وسلام بھیجنے کا حکم دیتا ہے بلکہ وہ آسمانی مخلوق کو بھی جو کہ معصوم عن الخطا، نیک و پاک اور نوری ہیں، اسی قسم کا حکم دیتا ہے۔ فرشتے بھی صبح سے لے کر شام تک مؤمنوں کے پُر خلوص محبت بھرے درود وسلام پہنچاتے رہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام اپنی اُمت کے اِن تحائف کو پسند فرماتے ہیں اور ان بھیجنے والوں پر برکات و رحمتِ الٰہی کے نزول کی دعا کرتے ہیں جیسا کہ آپ نے فرمایا :

(۱) إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَة'' سَيَّاحِيْنَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُوْنَنِي مِنْ أُمَّتِيَ السَّلَامَ (سنن نسائی، المعجم الکبیر لطبرانی، شعب الایمان لاحمد بن حسین البیہقی)

''روئے زمین پر اللہ کے چلنے پھرنے والے فرشتوں کے دستے مجھ تک میری اُمت کے بھیجے گئے سلام پہنچا دیتے ہیں۔''

Marfat.com

(۲) صَلُّوا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلاَتَکُم تَبلُغُنِیْ حَیثُ کُنتُمْ (سنن ابی داؤد، مجمع الزوائد للہیثمی)
''مجھ پر درود بھیجا کرو اس لئے کہ تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے جہاں کہیں بھی تم ہو۔''
(۳) مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِندَ قَبرِیْ سَمِعْتُہ، وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُہ، (شعب الایمان للبیہقی، کنز العمال لعلاء الدین علی)
''جو شخص میرے مزارِ مبارک کے قریب مجھ پر درود بھیجے، میں اُسے سنتا ہوں اور جو شخص مجھ پر دُور سے درود بھیجے، تو وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔'' (پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری، صفحات ۴۱، ۴۲)

''صلوٰۃ وسلام کا قبول ہونا: صلوٰۃ وسلام کو اللہ تعالیٰ ہر وقت قبول فرماتا ہے اور ہمیشہ اس ہدیے کو تسلیم کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی معصیت پیشہ اور فاسق و فاجر شخص بھی صلوٰۃ وسلام کا تحفہ پیش کرے تو اُسے بھی بہر حال قبول کر لیا جاتا ہے۔''

''سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک معصیت پیشہ اور فاسق و فاجر کی طرف سے پیش کیا گیا درود وسلام آخر کیوں قبول کیا جاتا ہے اور اس کے پس پردہ حکمت کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ صلوٰۃ اور سلام کے معانی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت و برکات، قربِ الٰہی اور نبی علیہ السلام کے نام نامی کی بلندی اور رفعت کے لئے دعائیہ کلمات ہیں۔ نبی ﷺ پر نوازشات و عنایاتِ ربانی پہلے ہی سے ہیں (بحوالہ سورۃ النجم: آیات ۸، ۹ اور سورۃ الانشراح: آیت چہارم)۔ جب بندہ اللہ سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر رحمتیں بھیجنے کی درخواست کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں تو پہلے ہی اپنے نبی پر رحمتیں اور عنایتوں کی برکھا کر رہا ہوں اور اُنہیں اپنا قرب عطا کر رہا ہوں۔ تاہم اے میرے پرستار بندے! چونکہ تو نے اپنی ذات کے لئے مجھ سے کچھ نہیں مانگا بلکہ بے غرضی اور کمال خلوص سے میرے نبی پر درود وسلام کا تحفہ بھیجا ہے، اس لئے تمہارے عریضے کو پذیرائی بخشتے ہوئے اُسے قبول کیا جاتا ہے، قطع نظر اس بات کے کہ تو گنہگار ہے یا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صلوٰۃ وسلام کو بہر حال قبول کر لیا جاتا ہے۔''

سلام اور دوسری عبادتوں کی قبولیت: جیسا کہ پہلے بیان ہوا کسی بھی عبادت (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وخیرات وغیرہ یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں گردن کٹوانے تک) کی عند اللہ قبولیت کی ضمانت کسی کے پاس نہیں کہ شاید اُن میں کسی قسم کا سقم یا خامی رہ گئے ہوں اور اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں قبول کرے یا نہ کرے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تبارک وتعالیٰ کو اُس کی تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ پیارے اور محبوب ہیں اور جو شخص اللہ کے اِس محبوبِ مکرّم پر درود وسلام کا تحفہ ارسال کرتا ہے، رب تعالیٰ اُس سے خوش ہو کر اُس کے اس عمل کو یقیناً شرف قبولیت عطا فرماتا ہے کیونکہ یہ عمل خود رب تعالیٰ کا اپنا عمل بھی تو ہے۔

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابی اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی کہ وہ اپنے نبی (یعنی مجھ)

Marfat.com

پر بہ کثرت اور بالعموم درود وسلام بھیجا کریں۔ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

قُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! اِنِّیْ اُكْثِرُ الصَّلٰوةَ عَلَيْكَ فَكَمْ أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلٰوتِیْ ؟ فَقَالَ: مَاشِئْتَ قُلْتُ : اَلرُّبُعُ قَالَ: مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَهُوَخَيْرٌ لَّكَ ۔ قُلْتُ: اَلنِّصْفُ قَالَ: مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَهُوَخَيْرٌ لَّكَ ۔ قُلْتُ: فَالثُّلُثَيْنِ؟ قَالَ: مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَهُوَخَيْرٌ لَّكَ ۔ قُلْتُ: اَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِیْ كُلَّهَا؟ قَالَ : اِذًا تُكْفٰى هَمَّكَ وَيُغْفَرُلَكَ ذَنْبُكَ (ترمذی ومستدرک للحاکم)

''میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ! میں آپ پر بہ کثرت درود بھیجتا ہوں تو میں اس عمل پر اپنا کتنا وقت آپ کے لئے مخصوص کر دوں؟ آپ نے فرمایا: اس قدر کہ جتنا تم چاہو۔ میں نے عرض کیا: کیا یہ چوتھائی وقت ہو جائے؟ آپ نے فرمایا : جیسے تمہاری مرضی، لیکن اگر تم اس میں کچھ اور اضافہ کر دو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ میں نے عرض کیا: تو کیا یہ آدھا وقت ہو جائے؟ آپ نے فرمایا : جیسے تمہارے مرضی، لیکن اگر تم اس میں کچھ اور اضافہ کر دو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ میں نے پھر عرض کیا: تو کیا وہ دو تہائی ہو جائے؟ آپ نے فرمایا : جیسے تمہاری مرضی، لیکن اگر تم اس میں کچھ اور اضافہ کر دو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ میں نے عرض کیا: تو کیا میں اپنا سارا وقت آپ پر درود پڑھنے کے لئے وقف نہ کر دوں؟ اس پر آپ نے فرمایا: تب تو یہ بات تمہیں فکر وغم سے محفوظ رکھے گی اور تمہارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔''

یہاں ایک حیات آفرین سوال پیدا ہوتا ہے کہ عبادت صرف اللہ ہی کی ہے لیکن اُس عبادت یعنی نماز میں مسلمانوں کو اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ پر درود بھیجے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔ عجیب بات ہے کہ عبادت صرف اللہ کی ہے جبکہ تعظیم محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہو رہی ہے۔ کیوں؟ جواب اس کا ظاہر ہے کہ نماز کے دوران جو شیطانی خیالات اور وسوسے دل میں آتے ہیں، رب تعالیٰ درود پاک کی وجہ سے اُن وسوسوں کو نظر انداز کرتے ہوئے نماز اپنے فضل وکرم سے قبول فرما لیتا ہے۔

صلوٰۃ وسلام کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قبول فرمانا: اس سوال پر کہ آیا نبی علیہ السلام اپنی اُمّت کی طرف سے بھیجے گئے درود وسلام کو قبول فرماتے ہیں کہ نہیں، عموماً بحث سننے میں آتی ہے۔ لیکن سچے اور مخلص مسلمان ایسی بحثوں میں نہیں پڑتے کیونکہ درود وسلام بھیجنے کے الٰہی حکم پر اُن کا غیر متزلزل اور پختہ ایمان ہوتا ہے۔ مسلمان اس بات پر مطمئن ہوتا ہے کہ اگر درود وسلام آپ تک فرشتوں کی وساطت سے پہنچایا جاتا ہے تو فرشتے بھی تو اسے حکمِ الٰہی کے تحت ہی پہنچاتے ہیں اور اگر درود وسلام آپ تک براہِ راست پہنچتا ہے تو یہ آپ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا خاص انعام و احسان ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ہی سے وابستہ ایک معجزہ بھی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر درود وسلام آپ تک بالواسطہ یا بلاواسطہ نہیں پہنچتا تو پھر اس حکمِ الٰہی میں کیا معنی باقی رہ جاتا ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ کا کوئی فرمان (معاذ اللہ) مبہم اور بے معنی ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ خود اپنے نبی کی زبان پر بولتا ہے (بحوالہ سورۃ النّجم : آیات ۳، ۴)

Marfat.com

نبی ﷺ کو نام "محمّد" دے کر اُنہیں معصوم اور ہر خطا سے مبرّا ثابت کرنا ہے: یہ حقیقت ہے کہ کسی شخص کی تعریف و ستائش اُس کے حسنِ کردار، حسنِ اخلاق اور اُس کی لیاقت و مہارت کی بنیاد پر کی جاتی ہے نہ کہ اُس کے نقائص اور کوتاہیوں کی بناء پر۔ ممتاز و مشہور شاعرِ دربارِ رسول حضرت حسّان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور یوں فرماتے ہیں:

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنٌ — وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ — كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

"(یارسول اللہ!) آپ سے زیادہ خوبصورت کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ حسین و جمیل کسی عورت نے جنا ہی نہیں۔ آپ ہر عیب و خطا سے مبرّا و منزّہ پیدا کیے گئے، یوں لگتا ہے آپ کی پیدائش آپ کی منشا کے مطابق ہوئی ہے۔"

جہاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک طرف ظاہری حسن و جمال کا نمونہ تھے تو دوسری طرف آپ باطنی حسن و جمال کی معجزاتی علامت تھے۔ آپ اکثر اوقات یہ دعا کیا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ خُلُقِي كَمَا اَحْسَنْتَ خَلْقِي (مسند احمد بن حنبل ۶: ۶۸، ۱۵۵؛ مسند طیالسی ۱: ۴۹، رقم ۳۷۴؛ مسند ابی یعلی ۹: ۱۱۲؛ شعب الایمان للبیہقی ۶: ۳۶۴ رقم: ۸۵۴۳؛ مجمع الزوائد للہیثمی)

"اے اللہ! تو میرے کردار کو اسی طرح خوبصورت بنا دے جس طرح تو نے میری ظاہری شکل و صورت کو عمدہ اور خوبصورت بنایا ہے۔"

آپ ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ کے خوش نصیب زائرین آپ کے بے مثال حسن و جمال کو یاد کر کے اکثر مضطرب اور پریشان ہو جاتے تھے۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کو گئے اور جس کیف و وجد کی کیفیت میں اُنہوں نے اپنے آپ کو پایا، وہ اُسے یوں بیان کرتے ہیں:

فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاِلَى الْقَمَرِ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ "حَمْرَاءُ فَاِذَا هُوَ عِنْدِيْ اَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ (الجامع الترمذی: کتاب الادب، باب فی رخصۃ فی لبس الحمرۃ للرجال، رقم: ۲۸۱۱؛ سنن دارمی ۱: ۴۴، رقم: ۵۷؛ المستدرک للحاکم ۴: ۲۰۷، رقم: ۷۳۸۳)

"میں کبھی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرۂ انور کی طرف اور کبھی آسمان پر چمکتے ہوئے چاند کی طرف دیکھتا تھا جبکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سرخ رنگ کے لباس میں ملبوس تھے تو نبی علیہ السلام مجھے چاند سے زیادہ حسین و جمیل معلوم ہوئے۔"

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نبی اکرم ﷺ کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں:

Marfat.com

مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیْکٍ فِیْ مَحَاسِنِہٖ     فَجَوْھَرُ الْحُسْنِ فِیْہِ غَیْرُ مُنْقَسِمٖ
''عمدگیٔ صفات میں آپ ﷺ کا کوئی ثانی نہیں، پس آپ میں حسن کا جوہر نا قابلِ تقسیم ہے۔''

فَاقَ النَّبِیِّیْنَ فِیْ خَلْقٍ وَّفِیْ خُلُقٍ     وَلَمْ یُدَانُوْہُ فِیْ عِلْمٍ وَّ لَا کَرَمٖ
''اپنی پیدائش اور کردار میں آپ تمام انبیاء علیہم السلام پر فائق ہیں اور وہ نہ تو آپ کے (خداداد) علم میں اور نہ ہی آپ کی فوقیت میں آپ کے برابر ہیں۔''

ایک اور فارسی شاعر نے انتہائی بلیغ اور جامع پیرایہ میں آپ ﷺ کی مدح اس طرح کی ہے :

حُسنِ یوسف، دَمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری     آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

لمحہ فکریہ : جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ لفظ محمّد کا معنیٰ وہ شخص ہے جس کی مبالغہ کی حد تک بے انتہا بار بار تعریف کی جائے۔ اس مفہوم میں خالقِ ارض وسماء اللہ تبارک وتعالیٰ ہی تمام تر حمد وثنا کا مستحق اور سزاوار ہے جیسا کہ سورۃ الفاتحہ کی اوّل آیت میں بیان ہوا۔ اس لحاظ سے تو رسول اللہ ﷺ کی بجائے اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام محمّد ہونا چاہیے تھا۔ رسول اللہ ﷺ تو اپنے خالق ومالک کے ثنا خواں یعنی حامد ہیں۔ یہ لمحہ فکریہ ہے اور حل طلب معمّہ ہے۔

اس کا جواب ظاہر ہے۔ کوئی شک نہیں کہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۴۴ کی رُو سے کائنات کا ذرّہ ذرّہ اپنے خالق کی حمد وثنا کر رہا ہے۔ لیکن جب رب تعالیٰ خود اپنی مقرب مخلوق کے ہمراہ اپنے محبوب علیہ السلام کی تعریف وتوصیف میں مصروف ہے (بحوالہ سورۃ الاحزاب: ۵۶) تو محمد نام کا آپ سے زیادہ اور کون مستحق ہوگا؟

''اگرچہ نبی اکرم ﷺ کے خاصی تعداد میں اسمائے حسنیٰ ہیں لیکن چونکہ محمّد کا نام آپ کے خالق کو بہت محبوب ہے اس لئے اس نام کا تعلق عقیدے اور ایمان کے ساتھ بہت مضبوط ہے۔ اس کی نمایاں اور ممتاز اہمیت اس حقیقت سے لگائی جا سکتی ہے کہ ایک غیر مسلم جب تک ''مُحمّد'' رّسول اللہ کا جملہ کہہ نہیں دیتا' اُس وقت تک وہ سچا مسلمان ہو نہیں سکتا اور اُس کا ایمان ناقص رہتا ہے۔ مسلمان ہونے کے لئے اُس کا ''احمد رسول اللہ'' بھی کہنا کافی نہیں ہوگا۔ اس کے پسِ پردہ حکمت یہی ہے کہ اسلام قبول کرتے ہی آدمی کو یہ احساس ہو جانا چاہیے کہ اللہ کا رسول محمد ہی تعریف وستائش کا مستحق ہے۔'' (''میلاد النبی ﷺ''۔۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری' صفحات ۲۳۱ تا ۲۴۳) مطبوعہ لاہور' مارچ ۲۰۰۵ء)

یہاں ایک اور اہم قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ کسی لفظ میں تشدید (ّ) کا ہونا اُس لفظ میں دو حروف ہونے کا

Marfat.com

ثبوت ہوتا ہے جیسا کہ لفظ ''جَنّتُ'' (دونونوں کے ساتھ) ہے جو اصل میں جَنۡنَتُ ہے۔ دوسرا نون اپنے سابق نون کے ساتھ مل کر پھر اس سے اگلے حرف ''ت'' کے ساتھ اُسے ملا رہا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوہرے حرف کا کام اپنے سابق حرف کو اپنے سے اگلے حرف کے ساتھ جوڑنا ہوتا ہے۔ اِسی طرح لفظ مُحَمّد (= مُحَـمۡـمَد) میں دوسرا ''م'' اپنے سے پہلے حرف ''ح'' کو اپنے مابعد کے حرف ''د'' سے جوڑ رہا ہے۔ جس طرح کلمہ طیبہ لَاۤ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ میں لفظ مُحَمّد نے اللہ کو اس سے ماقبل کے لفظ رسول سے جوڑ دیا ہے اور جملہ بن گیا ہے : رَسُوۡلُ اللّٰهِ یعنی اللہ کا بھیجا ہوا۔ کس کی طرف؟ اُس کی مخلوقات کی طرف۔ بہ الفاظِ دیگر مُحَمّد نے لوگوں کو اللہ سے ملا دیا۔ جس طرح لفظ محمّد میں پہلا حرف ''م'' اُس سے متصل حرف ''ح'' کو اپنے مابعد کے حرف ''د'' سے مشدّد د (ڈبل) میم کے بغیر نہیں ملا سکتا' اسی طرح لوگ بھی محمد ﷺ کے وسیلہ کے بغیر اللہ سے نہیں مل سکتے۔ اِسی لئے آپ کا مقام حرفِ مشدّد کا سا ہے۔

اُدھر خالق سے واصل' اِدھر مخلوق میں شامل

<u>مدح النبی فی القرآن الکریم</u> : اس عنوان پر لاکھوں جلدیں تیار کی جاسکتی ہیں لیکن جگہ کی تنگی کے باعث یہ ناچیز قرآن مجید کی چند آیات کے حوالے دینے پر اکتفا کرے گا جس سے معلوم ہوگا کہ آپ کے خالق کی نظروں میں آپ کو کتنا عظیم مقام حاصل ہے۔

(1) جیسا کہ مضمون کے آغاز میں بیان ہوا کہ قرآن مجید میں کسی بھی جگہ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو آپ کے نامِ نامی (مُـحَـمّـد) سے خطاب نہیں فرمایا بلکہ ہر جگہ آپ کے اعزاز و اکرام کی خاطر آپ کو مختلف القاب سے خطاب فرمایا گیا۔ کہیں یَـا اَیُّھَا الرَّسُوۡلُ تو کہیں یَـا اَیُّھَا النَّبِیُّ' کہیں یَـا اَیُّھَا الۡمُزَّمِّلُ اور کہیں یَااَیُّھَا الۡمُدَّثِّرُ کہیں یٰسٓ اور کہیں طٰہٰ جیسے پیارے القاب سے خطاب کیا۔ جبکہ آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کو اُن کے اسمائے گرامی سے خطاب کیا گیا جیسے یَـا آدَمُ (۳۵:۲) 'یَـانُوۡحُ (۴۶:۱۱)' یَا اِبۡرٰهِیۡمُ (۷۶:۱۱) ' یَا دَاوٗدُ (۳۸:۲۶)' یَازَکَرِیَّا (۷:۱۹)' یَا یَحۡیٰی (۱۲:۱۹)' یَامُوۡسٰی (۱۷' ۱۹:۲۰)' یَا عِیۡسٰی (۵۵:۳)۔

(2) سورۃ البقرۃ کی آیت ۳۴ میں مذکور آدم علیہ السلام اور ابلیس کے قصہ میں یہودِ مدینہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ جس طرح شیطان آدم علیہ السلام کی خلافتِ ارضی کو قائم کرنے کی کوشش میں بری طرح ناکام ہوا' اُسی طرح تمہیں بھی اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے میں کفِ افسوس ملنے کے سوا کچھ نہیں ملے گا اور میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوّت بہرحال قائم ہو کر رہے گی۔ یہ اسلام کی بالآخر فتح کی پیش گوئی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے راحت و مسرت کا پیغام تھی۔

(3) روزِ ازل میں اللہ رب العزت کی طرف سے تمام نیک اور بد' مطیع و نافرمان روحوں سے اپنی

Marfat.com

ربوبیت کے بارے میں عہد (میثاق) صرف دولفظوں اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (سورۃ الاعراف:۱۷۲) (کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟) میں لیا گیا۔ لیکن خاتم الانبیاء ﷺ کی رسالت کا اقرار کرانے کو خاصا دورانیہ دیا گیا۔ شہادتیں قائم کی گئیں اور اُن پر رب تعالیٰ کی توثیقِ مزید (Countersignature) کی گئی (سورہ آلِ عمران:۸۱) تاکہ محبوب علیہ السلام کی عظمت وتوقیراور شانِ ارفع وبے مثال پوری طرح اجاگر ہوجائے۔ نیز اس میثاق میں صرف انبیاء ورُسُل علیہم السلام کی حاضری تھی۔ مقدس ہستیوں کا یہ اجتماع محبوبِ ربّ العالمین کے اعزاز وتوقیر میں تھا۔ یہاں پلیدوں اورنافرمانوں کا کیا کام!

(4) وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ

''اورآپ پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے اُسے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم (پرکھ کر) ظاہر کردیں کہ کون (ہمارے) رسول ﷺ کی پیروی کرتا ہے (اور) کون اپنے اُلٹے پاؤں پھرجاتا ہے۔'' (۲:۱۴۳)

مذکورہ بالا آیت میں رسالت کے منصب ارفع واعلیٰ کو سمجھایا جارہا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو یروشلم (بیت المقدس) کے قبلہ کو حبیب علیہ السلام کی مدینہ کو ہجرت کے ساڑھے سولہ مہینے بعد تک بھی قبلہ رکھتے لیکن ہم پرکھنا چاہتے تھے کہ کون کعبۃ اللہ کی طرف رُخ کرتا ہے اورکون رُخِ مصطفیٰ کی طرف پھرتا ہے۔ کون اپنی نسبتِ ایمان کوآپ ﷺ کی نسبت سے قائم رکھتا ہے اور کون پیچھے پھر کر اُدھر منہ کرتا ہے۔ دیکھنا یہ چاہتے تھے کہ لوگوں نے ایمان کا مرکز آیا فقط کعبے کو بنایا ہوا ہے یا آپ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ کو بنایا ہوا ہے۔ اگر مرکز ومحورِ ایمان ذاتِ مصطفیٰ ہوتو کعبہ بھی اس میں آگیا اور ایمان بچ گیا لیکن اگر مرکز ومحورِ ایمان ذاتِ مصطفیٰ کی بجائے کعبہ ہوتو کعبہ کی طرف رخ کرنے کے باوجود بھی ایمان گنوادیا۔ اگر نسبتِ ایمان غلامیٔ مصطفیٰ ہوتو کعبہ سے منہ پھیر کر بھی ایمان باقی رہا اور اگر نسبتِ ایمان کی شناخت کعبۃ اللہ ہو، رسول نہ ہوتو کعبے کی طرف منہ کرکے بھی بے ایمان رہے۔ ایمان کی پہچان کرائی جارہی ہے کہ بے شک کعبہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھیں مگر کعبے کو اس لئے قبول کریں کہ رُخِ مصطفیٰ اُدھر ہے۔ ایک ہے رسول کو اس لئے قبول کرنا کہ وہ اس کعبے کا رسول ہے کہ اُس کا طواف کرتا ہے اور بوقتِ نماز اُدھر کو رُخ کرتا ہے۔ دوم یہ کہ کعبے کو اس لئے قبول کرنا کہ رسول اُس کا اشارہ کرتا ہے۔ دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ پہلی صورت میں کعبے کی وجہ سے رسول کو ماننے سے کوئی بھی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ وہ کلمہ گو ہو کے بھی کافر ہی رہا اور جو یہ کہے کہ میں کعبہ کو اس لئے مانتا ہوں کہ مصطفیٰ نے یہ کعبہ دکھایا' وہ سچا سُچا اور پکا مسلمان ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مکتوبات'' میں ذکر فرمایا کہ میں رب کو ربِّ محمد کی وجہ سے مانتا ہوں اور اُسے اس لئے رب مانتا ہوں کہ رسول ﷺ نے اُس کی پہچان کرائی ہے۔ چنانچہ آیتِ مذکورہ میں بھی یہی نکتہ سمجھایا جارہا ہے کہ حبیب! جس نے آپ کو کعبے کی وجہ سے مان رکھا ہے' اُس کی مسلمانی ہمیں منظور نہیں ہے۔ مسلمان وہ ہے جو کعبہ کو آپ کی وجہ سے مانتا ہے۔ چنانچہ کعبہ کی نسبت بھی نسبتِ مصطفیٰ کے بغیر قبول

Marfat.com

نہ کی تو باقی نسبتیں کیا رہیں؟ کعبے کا تعین بھی رضائے رسول سے ہوا۔ تعیینِ کعبہ سے بڑھ کر اسلام میں کوئی اور آزمائش کا رکن نہیں تو گویا سارا دین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا پر استوار ہو گیا۔

رکوع کے آغاز میں فرمایا کہ بے وقوف وہ جو عملِ پیغمبر پر اعتراض کرے، خواہ وہ کتنا پڑھا لکھا اور دانشور کیوں نہ ہو اور عقلمند وہ جو درِ مصطفیٰ پر اپنی عقل کو جھکا دے!

اِس مقام کی خاص بات جو قرآنِ حکیم میں کسی اور جگہ نظر نہیں آتی' یہ ہے کہ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اللہ کو کتنی محبت ہے اور اُس کا کتنا اِکرام ہے۔ تحویلِ قبلہ کی آرزو میں حضور علیہ السلام کے رُخِ انور کا بار بار آسمان کو پلٹنے کا ذکر فرمایا تو ایک دفعہ ہی اُس کا ذکر کرنا کافی ہو جاتا کہ محبوب! ہم نے قبلہ کو کعبہ سے بدل دیا مگر ایک نہیں، پورے آٹھ مرتبہ ایک ہی رکوع میں قبلہ بدلنے کا ذکر فرمایا کہ جتنی بار ذکر کروں، میرا حبیب خوش ہو گا اور اُس کے سینے میں ٹھنڈک محسوس ہو گی کہ میرا خالق و مالک میرا کتنا اِکرام فرما رہا ہے۔ اُدھر مسلمانوں سے فرمایا جا رہا ہے: وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (یعنی اے میرے حبیب کے غلامو! جہاں کہیں بھی تم ہو، میرے محبوب علیہ السلام کی رضا کی خاطر اپنی نمازوں میں رُخ اُدھر پھیر لیا کرو)۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم　　　خدا چاہتا ہے رضائے محمد

معلوم ہوا کہ سارا اسلام، سارا ایمان، مسلمانی کا کمال اور ساری عبادات کی قبولیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا میں ہے۔ اور یہ نکتہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ کعبہ یا قبلہ سے حضور علیہ السلام کی عظمت نہیں بلکہ حضور علیہ السلام سے قبلہ و کعبہ کی عزت بنی۔ مرضیِ مولا یہی تھی کہ دونوں قبلوں کو اپنے حبیب کے سجدوں سے عزت دی جائے۔ یہ بھی نکتہ ہے کہ رضائے مصطفیٰ ﷺ نے کعبہ کو پورے عالم کا مسجود الیہ بنا دیا۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنجناب ﷺ کی آخری علالت کے ایام میں إِنَّ أَبَا بَكْرٍ كَانَ يُصَلِّي یعنی جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز کی امامت کراتے تھے۔ ایک دن آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کے حضور غلاموں کا اجتماع دیکھنا چاہا۔ مشتاقانِ دید تین دن سے دیدارِ مصطفیٰ کو ترس گئے تھے۔ حتمی مرتبت آقا نے حجرۂ مبارکہ کا پردہ اٹھایا تو نگاہیں بہ حالتِ نماز بے ساختہ رُخِ انور کی طرف اٹھ گئیں۔ اس موقع پر عقل نے کہا ہو گا کہ نگاہیں اُدھر نہ کرنا۔ عشق نے کہا ہو گا اِدھر کعبہ ہے تو اُدھر کعبے کا بھی کعبہ ہے۔ عقل نے کہا ہو گا کہ اگر چہرے پھر گئے تو نمازیں قضا ہو جائیں گی۔ عشق نے کہا ہو گا۔

نمازیں جو قضا ہوں پھر ادا ہوں　　　نگاہوں کی قضائیں کب ادا ہوں

نمازیں بھول گئیں، کعبے کی سمتیں بھول گئیں۔ یہ وہی صحابہ تھے جن کے سامنے وحیِ الٰہی کا نزول ہوا تھا: قَدْ نَرٰی

Marfat.com

تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ (ہم نے آپ کے رخِ انور کا آسمان کی طرف بار بار پلٹنا دیکھ لیا ہے) کعبے تو بنتے ہی مصطفیٰ کی اَدا سے ہیں۔ اُن کی رضا مل گئی تو کعبہ بھی مل گیا اور کعبے والا بھی مل گیا اور اگر وہ رضا نہ ملی تو کچھ بھی نہ ملا' چاہے کعبہ کے غلاف کے نیچے اُس سے چمٹ کر اپنے رب کو کیوں نہ منا رہے ہوں۔ تو دیدارِ مصطفیٰ سے کئی صحابہ کرام وجد میں آ گئے۔ یہ تو مقتدیوں کا حال تھا۔ سیّدنا صدّیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصلّے چھوڑ دیا اور پچھلی صف میں آنا چاہا۔ عبادت کبریاء کی ہو رہی ہے' ادب مصطفیٰ کا ہو رہا ہے۔ وہ مصطفیٰ جن پر عبادتِ الٰہی کے دوران سلام نہ بھیجیں تو نماز نہ ہو اور کئی عارفین آگے چلتے جب ہیں جب درِ مصطفیٰ سے سلام کا جواب پا لیتے ہیں۔

عظمتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اور ثبوت سنن ابن ماجہ کی بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وہ حدیث ہے کہ آقا ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر کعبہ کا طواف کرنے کے دوران کعبہ کو مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

يَا بَيتَ اللهِ! مَا أَطْيَبَكَ وَ أَطْيَبُ رِيحُكَ! مَا أَعْظَمَكَ وَ أَعْظَمُ حُرْمَتُكَ! وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَحُرْمَةُ الْمُؤمِنِ أَعْظَمُ عِنْدَاللهِ حُرْمَةً مِّنْكَ مَالُه' وَ دَمُه' وَ اِنْ نَّظُنُّ بِهٖ اِلاَّ خَيْرًا

(سنن ابن ماجة: ابواب الفتن' حديث: ۳۹۳۲)

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' اُنہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کعبہ کا طواف کرتے اور یہ فرماتے دیکھا: ''اے بیت اللہ! تم کس قدر خالص اور عمدہ ہو اور تمہاری بُو کس قدر خوش آئند اور فرحت بخش ہے! تمہاری عظمتوں اور تمہارے تقدّس کا کیا کہنا! لیکن میں اُس ذات کی قسم کھاتے ہوئے کہتا ہوں جس کے قبضہِ قدرت میں میری جان ہے کہ اللہ کے نزدیک مؤمن کی حرمت' اُس کے مال و اسباب کی حرمت اور اُس کے خون کی حرمت تیری حرمت سے کہیں زیادہ ہے۔''

ظاہر ہے کہ قلبِ عبدِ مؤمن اُس سراجِ منیر (سورۃ الاحزاب: آیت ۴۵) سے منوّر ہوتا ہے جسے خاتم الانبیاء کہتے ہیں تو وہ قلبِ عبدِ مؤمن اللہ کے نزدیک کعبہ سے بھی زیادہ معزّز ہے تو اُس ہستی کا کیا کہنا جو اپنی ہمہ وقتی درخشانی و تابانی سے دلوں کو منوّر کر رہی ہے!!

(5) فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ

(آل عمران: ۱۵۹)

''(اے حبیبِ والا صفات!) اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ اُن کے لئے نرم طبع ہیں اور اگر آپ تند خو سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے۔'' (۱۵۹ : ۳)

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں آپ علیہ السلام کے رحیمانہ کردار کا کیسا روح پرور تجزیہ کیا ہے!

فَالرُّسُلُ خُلِقُوْا لِلرَّحْمَةِ وَهُوَ خُلِقَ بِنَفْسِهٖ رَحْمَةً فَلِذٰلِكَ صَارَ أَمَانًا لِلْخَلْقِ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ:

Marfat.com

أَنَا رَحْمَةٌ" مُهْدَاةٌ" (الجامع لاحکام القرآن المعروف بہ تفسیر قرطبی، ج ۶، ص ۳۵۰)
"تمام پیغمبروں کو رحمت کے لئے پیدا کیا گیا لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بذاتِ خود رحمت ہیں، تو آپ مخلوقات کے لئے ملجا و ماویٰ بن گئے۔ اسی لئے نبی علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ رب العزت کی طرف سے تحفۂ رحمت ہوں۔"

اور اب کچھ اُن مستشرقین کے بیانات کا بھی مطالعہ کر لیجئے جنہوں نے آپ کی ذاتِ مقدس کو گلدستہ ہائے خراجِ تحسین پیش کئے ہیں:

(۱) "پیغمبر (علیہ السلام) ہمیشہ حلم اور نرم دلی کی طرف مائل تھے۔" (Historians' History of the World, Vol. VIII, p. 121, quoted in Tafsir Majidi, Note : 67-B/296)

(۲) "آپ نے زندگی بھر کسی کو نقصان نہیں پہنچایا۔ آپ نے کبھی بھی اپنا ہاتھ دوسرے کی ہتھیلی سے کھینچنے میں پہل نہیں کی جب تک دوسرے نے اس بارے میں پہل نہ کی ہو۔ جن لوگوں کی آپ نے حفاظت کی، آپ اُن کے لئے انتہائی وفادار، معتمد علیہ محافظ تھے، شیریں مقال اور اپنی گفتگو میں انتہائی پسندیدہ تھے۔ جو بھی آپ کو دیکھتا، فی الفور عزت و تعظیم سے اُس کا دل بھر جاتا۔ جو لوگ آپ کے قریب ہوتے، آپ سے محبت کرنے لگتے۔" ("Muhammad and Muhammadanism".. Bosworth Smith, p.131)

(۳) "ظلم و تشدد محمد (ﷺ) کی فطرت کا حصہ نہیں تھا۔" (Lane and Lane-Poole's Selections from the Kuran).

(۴) "آپ اپنے رفقاء کے لئے رحم دل اور بُردبار تھے۔ وقت کی مصلحت کے تحت آپ بخوبی جانتے تھے کہ دشمن کا دل کیسے جیتا جاتا ہے اور اُسے اپنی خدمت پر کیسے مامور کیا جا سکتا ہے۔ اپنے دشمن کو وقتی پناہ دینے کے بعد آپ نے شاذ و نادر ہی اُس سے مؤاخذہ کیا ہو۔ آپ کی حکیمانہ وضع قطع ایک اجنبی میں ناقابلِ بیان رعب ڈال دیتی تھی لیکن قریبی یگانگت (Close Intimacy) پر خدشہ اور خوف کی جگہ اعتماد اور محبت اپنی جگہ بنا لیتے۔" ("The Life of Mahomet".. Sir William Muir, p. 27)

(6) وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَٱسْتَغْفَرُوا ٱللَّهَ وَٱسْتَغْفَرَ لَهُمُ ٱلرَّسُولُ لَوَجَدُوا ٱللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ○ (النساء: ۶۴)

Marfat.com

''اور اگر یہ لوگ جس وقت اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں' (اے حبیب!) آپ کے پاس آجائیں اور اللہ سے بخشش مانگیں اور پیغمبر اُن کے لئے بخشش مانگے تو وہ اللہ تعالیٰ کو یقیناً معاف کرنے والا مہربان پائیں گے۔''

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے حصول کے لئے توبہ کے مختلف طریقوں میں سب سے مؤثر طریقہ رسول اللہ ﷺ کو وسیلہ بنانا ہے۔ آپ ﷺ کا توسّل دعا کی فوری قبولیت کی ضمانت ہے۔

''یہ کہنا کہ اس آیت کا حکم آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے ساتھ مختص ہے' غلط ہے۔ کیونکہ یہ اصولی قاعدہ ہے کہ عمومِ الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ موردِ خاص کا۔ صحابہ کرام اور تابعین عمومِ الفاظِ قرآنی سے حجت پکڑتے رہے ہیں باوجودیکہ وہ آیتیں خاص خاص موقعوں پر نازل ہوئیں (اِتقان: للسیوطی)۔ اسی طرح زیرِ نظر آیت اگرچہ ایک خاص قوم کے حق میں نازل ہوئی لیکن جہاں یہ وصف (عاصیانِ اُمّت کا حضور سید الابرار کی بارگاہ میں گناہوں کی معافی کے لئے حاضر ہونا) پایا جائے گا' عمومِ حالت کے موافق اس کا حکم بھی عام اور ہر دو حالتِ حیات و بعد الوفات کو شامل ہوگا۔ چنانچہ علمائے کرام نے عموم سے ہر دو حالتیں سمجھی ہیں اور جو شخص آپ کے مزارِ اقدس پر حاضر ہو' اُس کے لئے مستحب خیال کیا ہے کہ وہ اس آیت کو پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے۔ مذاہبِ اربعہ کے علماء نے اسے اپنے مناسک میں نقل کیا ہے اور اسے مستحسن سمجھ کر آدابِ زیارت میں شامل کیا ہے۔''

''صحابہ کرام کے زمانہ سے لے کر آج تک اہلِ اسلام حضورِ اقدس ﷺ کے روضہ شریف کی زیارت اور حضور علیہ السلام سے توسّل و استغفار کرتے رہے ہیں۔ حافظ ابو عبداللہ محمد بن موسیٰ بن نعمان اپنی کتاب ''مصباح الظلام'' میں لکھتے ہیں کہ حافظ ابوسعید سمعانی نے بروایت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے:

قَدِمَ عَلَيْنَا اَعْرَابِیٌّ' بَعْدَمَا دَفَنَّا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ بِثَلَاثَۃِ اَیَّامٍ فَرَمٰی بِنَفْسِہٖ عَلٰی قَبْرِہٖ وَحَثَا عَلٰی رَاْسِہٖ مِنْ تُرَابِہٖ وَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَقَدْ جِئْتُکَ تَسْتَغْفِرُلِیْ ذُنُوْبِیْ مِنَ الْقَبْرِ قَدْ غُفِرَلَکَ (شواھد الحق' ص ۸۷)

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تدفین کے تین دن بعد ایک بدّو قبرِ مبارک پر حاضر ہوا' اُس نے اپنے آپ کو آپ کی قبرِ انور پر گرا دیا' قبر مبارک کی مٹی اپنے سر پر ڈالی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے' اب آپ کے حضور حاضر ہوا ہوں کہ آپ میری بخشش کرا دیں۔ اس پر قبرِ انور سے آواز آئی: تجھے بخش دیا گیا۔'' (وفاء الوفاء للسمہودی؛ شِفاء السقام للسبکی بحوالہ ''سیرتِ رسولِ عربی ﷺ''۔ علامہ نور بخش توکلی' ص ص ۵۲۹' ۵۳۰)

''مسند امام ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ میں بروایتِ امام منقول ہے کہ حضرت ایوب سختیانی تابعی آئے۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے مزارِ انور کے نزدیک پہنچے تو اپنی پیٹھ قبلہ کی طرف اور منہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرہ انور

Marfat.com

کی طرف کرلیا اور آپ کی ذاتِ اقدس سے توسّل کیا۔'' (وفاء الوفاء ص ۴۱۲ بحوالہ ''سیرتِ رسولِ عربی ﷺ'')

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عباسی خلیفہ منصور کو اسی بات کی ترغیب دی کہ روضہء رسول علیہ السلام پر درود وسلام پیش کرنے کے بعد کعبہ کی طرف پشت کر کے اور مواجہہ شریف کی طرف رخ کر کے رب تعالیٰ سے دعا کے لئے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا توسّل کرے۔

بعض صاحبان حصولِ دعا کے لئے اولیائے کرام کی خدمت میں حاضری کو بھی اسی ضمن میں شمار کرتے ہیں اور حاضر ہونے والوں پر بڑی بے رحمی سے شرک کا الزام لگاتے ہیں۔ وہ خود ہی انصاف فرمادیں کہ جب کوئی مسلمان کسی ولی یا بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور دعا کے لئے عرض کرتا ہے تو کیا (العیاذ باللہ) وہ اُن کی عبادت کر رہا ہوتا ہے؟ اگر صرف طلبِ دعا کے لئے بھی کسی کے پاس جانا عبادت اور شرک ہے تو اِن صاحبان کا صحابہ کرام کے متعلق کیا فتویٰ ہے جو حضور سرورِ عالم، رحمتِ مجسّم ﷺ کی خدمتِ اقدس واطہر میں کبھی بارش کے نزول کے لئے، کبھی بارش کے رکنے کے لئے، کبھی بیماری سے شفایاب ہونے کے لئے اور کبھی دیگر مقاصد کے لئے حاضر ہوتے اور دعا کے لئے عرض کرتے اور آپ ﷺ دعا کے لئے دستِ مبارک بارگاہِ الٰہی میں اٹھاتے تو مشکلیں آسان ہو جاتیں۔ لاعلاج مریض شفایاب ہو جاتے، طویل خشک سالی کے بعد آنِ واحد میں گھنگھور گھٹائیں برسنے لگتیں اور برستی ہی چلی جاتیں۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اس بات پر محکم یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کفر اور گمراہی ہے اور ابدی عذاب کا موجب ہے اور ان بے رحم مفتیوں سے بھی مؤدبانہ التماس ہے کہ وہ شمعِ توحید کے پروانوں پر شرک کی جھوٹی تہمت لگانے کا شغل ترک کر دیں اور کوئی مفید مشغلہ اختیار فرمائیں جس سے انہیں بھی فائدہ ہو اور اُن کی قوم کا بھی بھلا ہو۔'' (ضیاء القرآن، جلد چہارم، ص ۲۵۹)

مولانا محمد قاسم نانوتوی رقمطراز ہیں :

''یہ قرآنی آیت کسی خاص زمانہ کے لئے مخصوص نہیں ہے خواہ لوگ نبی علیہ السلام کے ہم عصر ہوں یا آپ کے بعد آنے والے ہوں۔ اور پھر اس آیت کو کسی خاص وقت کے لئے محدود کرنا کیونکر ہو جبکہ نبی علیہ السلام اپنی تمام اُمّت کے لئے برابر طور پر رحمت ہیں اور آپ کی رحمت کو آپ کے پاس آنے والے لوگوں کے لئے کہ آپ اُن کے لئے اللہ سے بخشش کی دعا کریں، اسی صورت میں معقول اور جائز سمجھا جائے گا جب آپ کو اپنی قبر مبارک میں حیات سمجھا جائے۔'' (''حیات النبی ﷺ'' -- پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری، ص ۱۲۵)

ابنِ حجر مکّی شافعی لکھتے ہیں :

دَلَّتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ عَلٰى حَثِّ الْاُمَّةِ عَلَى الْمَجِيْءِ اِلَيْهِ ﷺ وَالْاِسْتِغْفَارِ عِنْدَهٗ وَاسْتِغْفَارِهٖ لَهُمْ وَ هٰذَا لَا يَنْقَطِعُ بِمَوْتِهٖ وَ الْاٰيَةُ الْكَرِيْمَةُ وَ اِنْ وَرَدَتْ فِيْ قَوْمٍ مُّعَيَّنٍ فِيْ حَالِ الْحَيٰوةِ نَعَمْ بِعُمُوْمِ الْعِلَّةِ كُلُّ مَنْ وُجِدَ فِيْهِ ذٰلِكَ الْوَصْفُ فِي الْحَيٰوةِ وَ بَعْدَ الْمَمَاتِ وَ لِذٰلِكَ فَهِمَ الْعُلَمَاءُ مِنْهَا الْعُمُوْمَ لِجَانِبَيْنِ (شفاء السقام، ص ص ۸۱، ۸۲؛ الجواهر المعظم، ص ۶؛ شواهد الحق، ص ۶۱)

Marfat.com

''قرآن کی یہ آیت اُمّتِ مسلمہ کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور حاضر ہونے کی تحریک دلاتی ہے کہ وہ آپ ﷺ کے سامنے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کریں اور حضور علیہ السلام بھی اُن کی بخشش کی دعا کریں اور یہ چیز آپ کی وفات سے منقطع نہیں ہوئی۔ اگرچہ آیت کچھ مخصوص لوگوں کے لئے نازل ہوئی لیکن عمومیت کے لحاظ سے اس کا اطلاق اُن تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو آپ کے پاس (خواہ پیغمبر علیہ السلام کی حیات میں یا آپ کی وفات کے بعد) اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے اسلام نے اُن سب لوگوں کے لئے ایک عمومی نقطہ بنالیا ہے جو آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو آپ اللہ تعالیٰ کے حضور اُن کی بخشش کی ضرور سفارش فرمائیں گے۔''

(7) فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًاO (النساء : ۶۵)

''پس (اے حبیب!) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ مسلمان نہیں ہوسکتے جب تک وہ اپنے درمیان ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حکم نہ بنالیں پھر اُس فیصلہ سے جو آپ صادر فرمادیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں۔'' (۶۵ : ۴)

بارگاہِ رسالت کی عدالت کی کوئی مثیل ونظیر نہیں ہے جن کے فیصلے کو رب تعالیٰ نے جزوِ ایمان قرار دیا اور اُس پر تنگی محسوس کرنے کو خارج از ایمان ہونے کا فیصلہ سنایا گیا۔ ذرا غور تو کیجئے کہ اس دنیا کی عدالت سے کسی مجرم کے خلاف صادر شدہ فیصلہ پر مجرم خوشی کا اظہار تو نہیں کرتا بلکہ فیصلہ کرنے والے کے خلاف وہ سراپا کینہ اور بغض ہوتا ہے۔ اس بغض رکھنے پر دنیا کا کوئی ضابطہِ اخلاق یا عدالت اُسے سزا دینے کے مجاز نہیں۔ لیکن سورۃ النّساء کی محولہ بالا آیت ۶۵ کے مدِّ نظر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُس اعلیٰ وارفع مقام کا اندازہ لگایئے جو اُن کے خالقِ و مالک نے اُنہیں عطا فرمایا ہے۔ دربارِ نبوی سے صادر شدہ فیصلہ کو مجرم کا بہ صدقِ دل بخوشی تسلیم کرلینا ہی صحیح ایمان کا تقاضا ہے' کیونکہ قرآن مجید کی رُو سے دربارِ نبوی کے کسی فیصلے کو نارضامندی سے قبول کرنا کفر کی علامت ہے اور اس صورت میں وہ ''توہینِ عدالت'' کا مرتکب ہونے کے ساتھ ساتھ ایمان کی دولت سے بھی محروم رہے گا اور غضبِ الٰہی کا بھی مورد بنے گا۔

پیغمبر کے حکم کو نہ ماننے والوں اور صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر شیطانی اور اپنی نفسانی راہوں پر چلنے والوں کا انجام بالآخر نارِ جہنم ہے جیسا کہ سورۃ النساء کی اِس آیت میں تنبیہ کی گئی:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًاO (اَلنِّسَآء : ۱۱۵).

''اور جو شخص رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اُس پر راہِ ہدایت واضح ہوچکی ہو اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ کی پیروی کرے تو ہم اُسے اُسی (گمراہی) کی طرف پھیرے رکھیں گے جدھر وہ (خود) پھر گیا ہے اور (بالآخر) اُسے دوزخ میں ڈالیں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔'' (۴:۱۱۵)

Marfat.com

## ۴۲۱۱ ( محمد ﷺ Mohammad)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اعلیٰ اور فائق قیادت کی وضاحت ابن العربی نے اس طرح کی ہے:
''محمد (ﷺ) کی ہستی دو مشمولات کو شامل ہے: ایک روحِ محمد (ﷺ) اور دوسری محمد (ﷺ) بطورِ انسان اور یہ دونوں مشمولات دنیاوی اور اخروی زندگی کے ساتھ مربوط ہیں۔ جب محمد (ﷺ) بطورِ انسان پیدا ہوئے تو اُسی وقت آپ (رشد و ہدایت کے لئے) مائل بہ عمل تھے اور تا دمِ آخر اسی طرح رہے لیکن آپ کی روح دائمیت (ہمیشگی) کے ساتھ قائم و دائم ہے۔'' ("Revelation and Reason in Islam"... A. J. Arberry)

<u>نبی اکرم ﷺ کے اختیارات بطور قانون ساز</u>: اللہ قادرِ مطلق شہنشاہِ کل ہے اور مختار کاری کا مکمل مالک ہونے کے حوالہ سے وہ قانون کا واضع اور اُس کا عطا کرنے والا ہے۔ وہ اپنے احکامات بذریعہ وحی اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچاتا ہے۔ یہ احکامات یا تو براہِ راست ہوتے ہیں جو اصل خدائی الفاظ میں ہوتے ہیں اور اگر وہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں ہوں تو وہ بالواسطہ (پیغمبر) ہوتے ہیں۔ سورۃ التوبہ (۹) کی درجِ ذیل آیت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام کو بطور قانون عطا کرنے والے کے اجاگر کرتی ہے:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ O (التوبة : ۶۲)

''اللہ اور اُس کا رسول زیادہ حقدار ہے کہ اُسے راضی کیا جائے اگر یہ لوگ ایمان والے ہوتے۔''

یعنی رسول اللہ ﷺ کے راضی ہونے سے ہی اللہ راضی ہو جاتا ہے کیونکہ دونوں کی رضا ایک ہی ہے۔ کاش کہ وہ اس روشن حقیقت کو جان لیتے!

یہ بات دلچسپی کی حامل ہے کہ آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے لئے تثنیہ کی ضمیر هُمَا کی بجائے ہٗ کی واحد ضمیر لائی گئی ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ اگرچہ مختار کاری (Authority) صرف خدائے واحد کی ہے لیکن اس کا اظہار دُہرا ہے اور یہ کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے مابین قانون سازی کے اختیار میں بمشکل ہی کوئی فرق ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کے وضع کردہ قوانین وضوابط وحیِ الٰہی کا نتیجہ ہوتے ہیں' اس لئے اُنہیں بھی قانون دانی کی ویسی ہی قوت حاصل ہے جیسی قرآنی قانون دانی کو حاصل ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قانون سازی کی مختار کاری کو قرآنِ مجید کے کثیر التعداد مقامات پر اجاگر کیا گیا ہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

(۱) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (النساء : ۵۹)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔'' (۴: ۵۹)

(۲) مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء : ۸۰)

''جس نے رسول ﷺ کا حکم مانا' بے شک اُس نے اللہ ہی کا حکم مانا۔'' (۴:۸۰)

Marfat.com

(۳) يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف : ۱۵۷)

''(رسول) اُنہیں اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے اور اُنہیں بُری باتوں سے روکتا ہے' اُن کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے اور اُن پر پلید چیزوں کو حرام کرتا ہے اور اُن سے اُن کے بارِگراں اور طوقِ (قیود) جو اُن پر (نافرمانیوں کے باعث مسلّط) تھے' ساقط فرماتا ہے (اور اُنہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ ور فرماتا ہے۔'' (۷ : ۱۵۷)

(۴) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (الانفال : ۲۴)

''مومنو! جب (بھی) رسول ﷺ تمہیں کسی کام کے لئے بلائیں جو تمہیں (جاودانی) زندگی عطا فرماتا ہے تو اللہ اور رسول ﷺ کو فرمانبرداری کے ساتھ جواب دیتے ہوئے (فوراً) حاضر ہو جایا کرو۔'' (۸:۲۴)

آیت مذکورہ میں اللہ اور رسول ﷺ دو کا ذکر ہے تو اس لحاظ سے دَعَا کا صیغہ واحد کی بجائے دَعَوَا صیغہ تثنیہ کا ہونا چاہئے تھا جیسا کہ سورۃ التوبۃ کی آیت ۶۲ میں ہے۔ تو یہاں بھی بتانا یہی مقصود ہے کہ اگرچہ اللہ رب العزت کی ذات حکم دینے میں مستقل بالذات ہے اور اس کے حکم کی تعمیل بہر حال مقدم ہے لیکن یاد رکھو کہ رسول کا بلانا بھی دراصل اللہ ہی کا بلانا ہے اور اُن کی پکار کا انکار دراصل اللہ کی پکار کا انکار ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح بخاری میں روایت کیا ہے کہ حضرت سعید بن المعلی فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یاد فرمایا۔ نماز ختم کرنے کے بعد میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اے حبیبِ الٰہ! جب آپ نے اِس غلام کو یاد فرمایا تو میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اب فارغ ہو کر حاضرِ بارگاہ ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اے ابا سعید! کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نہیں پڑھا کہ جس وقت تمہیں اللہ اور اُس کا رسول بلائے تو فوراً حاضر ہو جایا کرو؟ فقہائے کرام نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور حضور علیہ السلام اُسے بلائیں تو وہ حاضرِ خدمت ہو جائے' اُس کی نماز نہیں ٹوٹے گی۔ (تفسیر مظہری بحوالہ ضیاء القرآن' ج ۲' ص ۱۴۱)

آیت مذکورہ اس بات پر زور دے رہی ہے کہ سنتِ رسول ﷺ ہماری زندگی کا سرچشمہ ہے اور اس کی پیروی ہی میں ہماری بقا اور اقوامِ عالم پر ہمارے غلبہ کا راز پوشیدہ ہے۔ لیکن اُمّت کے اُن نام نہاد ''خیر خواہوں'' کا کیا کہئے جو اُمّت کو پٹڑی سے اتار کر اُنہیں جہالت کی دلدل میں اس استدلال کے ساتھ گھسیٹ کے لئے جا رہے ہیں کہ (معاذ اللہ) رسول کی تابعداری ایسی زنجیر ہے جس نے اُمت کی آزادی کو پابہ جولاں کر دیا ہے اور یہ کہ یہ ایسی افیون ہے جس نے اُمّت کی تفکراتی قوّتوں کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اُن کے اس بے وزن پروپیگنڈے کو مسترد کرتے ہوئے اپنی تفسیر مظہری میں فرمایا ہے :

اِنَّ اِطَاعَةَ الرَّسُوْلِ فِيْ كُلِّ اَمْرٍ يُحْيِي الْقَلْبَ وَعِصْيَانُهٗ' يُمِيْتُهٗ'

''بے شک ہر معاملے میں رسول کی تابعداری دل کو زندہ رکھتی ہے اور اُن کی نافرمانی دل کو مردہ کر دیتی ہے۔''

Marfat.com

(۵) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا O (الاحزاب : ۳۶)

''نہ کسی مؤمن مرد کو (یہ) حق حاصل ہے اور نہ کسی مؤمن عورت کو کہ جب اللہ اور اُس کا رسول کسی کام کا فیصلہ (یا حکم) فرما دیں تو اُن کے لئے اپنے (اُس) کام میں (کرنے یا نہ کرنے کا) کوئی اختیار حاصل ہو اور جو شخص اور اُس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے تو وہ یقیناً کھلی گمراہی میں بھٹک گیا۔(۳۳:۳۶)

آیت کے شانِ نزول کے بارہ میں حضرات قتادہ' مجاہد' ابن عباس اور دیگر ائمہ تفسیر کا یہ قول ہے کہ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی جب رحمت عالم ﷺ نے اپنے جدّ امجد حضرت عبدالمطلب کی نواسی' خاندانِ بنی ہاشم کی معزّز خاتون حضرت زینب بنتِ جَحش رضی اللہ عنہا کو اپنے آزاد کردہ غلام زید کے لئے شادی کا پیغام بھیجا تو اُنہوں نے اور اُن کے بھائی عبداللہ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جبریل یہ آیتِ طیّبہ لے کر حاضر ہوئے کہ کسی مؤمن مرد اور عورت کو اس بات کی اجازت نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا رسولِ مکرّم اُسے کوئی حکم دے تو وہ انکار کر دے۔ جب یہ ارشادِ خداوندی حضرت زینب اور اُن کے بھائی عبداللہ نے سنا تو فوراً زید سے نکاح کرنے پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اُن کا نکاح حضرت زید سے پڑھا دیا۔

اگرچہ یہ آیت اُس خاص موقع پر نازل ہوئی لیکن اپنے الفاظ کے اعتبار سے یہ عام ہے اور حضور علیہ السلام کے قانون ساز ہونے اور مختار کاری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ بالغ' ذی ہوش لڑکی کو اسلام نے نکاح کے معاملہ میں خیارِ بلوغ کا حق دیا ہے کہ وہ جس سے چاہے نکاح کے لئے رضامندی کا اظہار کر دے اور جس کو چاہے ناپسند کر دے اور اس میں اُس کے والد تک کو اُس پر جبر کرنے کا کوئی حق اسلام نہیں دیتا۔ لیکن پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قانون ساز ہونے کے حوالہ سے معاملہ کچھ اور ہے کہ ''خیارِ بلوغ'' کا حق ملنے کے باوجود اُسے آقا علیہ السلام کے فیصلہ پر سرِ تسلیم خم کرنا پڑے گا اور یہی سچے ایمان کا تقاضا ہے۔ ☆

---

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تشریعی اختیارات کا ایک اور مستحکم ثبوت یہ بھی ہے کہ پورے قرآن مجید میں 36 مقامات پر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا ذکر اکٹھا آیا ہے اور 20 مقامات پر صرف رسول ﷺ کی اطاعت کا ذکر ہوا ہے جیسے:

(۱) مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ (النسآء : ۸۰)

''جس نے رسول کا حکم مانا' اُس نے بالیقین اللہ کا حکم مانا۔'' (۴:۸۰)

(۲) وَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ O (النور: ۵۶)

''نماز کو قائم رکھو' زکوٰۃ دیتے رہو' رسول کا حکام مانتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔'' (۲۴:۵۶)

(۳) وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا O (الفرقان : ۲۷)

''اور اُس دن ہر ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کھائے گا اور کہے گا کاش میں نے رسول کی ہمراہی میں راستہ اختیار کر لیا ہوتا۔'' (۲۵:۲۷)

لیکن پورے قرآن پاک میں کہیں بھی صرف اطاعتِ الٰہی کا ذکر نہیں ہے۔ وجہ یہی ہے کہ کہیں لوگ یہ سمجھ نہ بیٹھیں کہ اعلیٰ و ارفع ذات یعنی اللہ کا دامن ہم نے تھام لیا ہے تو اب اُس سے کم تر ذات یعنی رسول کا دامن تھامنے کی کیا ضرورت ہے؟

Marfat.com

(۶) مَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (الحشر : ۷)
''رسول تمہیں جو کچھ دے دیں' لے لیا کرو اور جس سے روک دیں' رُک جایا کرو۔'' (۷ : ۵۹)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قانون ساز ہونے کا ایک اور ثبوت یہ ہے کہ آپ نے جناب علی کرّم اللہ وجہہ' سے فرمایا کہ جب تک تمہاری بیوی فاطمہ حیات ہے تم دوسرا نکاح نہیں کر سکتے۔ حالانکہ اُنھیں ازروئے قرآن چار بیویوں سے نکاح کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ جنابِ علی کرم اللہ وجہہ' نے حکم پیغمبر کے آگے سر جھکا دیا' سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حینِ حیات میں اُنہوں نے دوسرا نکاح نہیں کیا اور نہ نبی علیہ السلام کے سامنے قرآنی اجازت نامے کا حوالہ دیا۔

Wensinck نامی ایک مستشرق لکھتا ہے :
''سنتِ نبوی ایسا آئینہ ہے جس میں مسلم سماج کی امنگیں اور آرزوئیں منعکس ہوتی ہیں۔'' ("Muslim Creed"... Wensinck, p. 1)

الکاشانی کا بیان ہے کہ سنتِ نبوی کے بغیر نہ تو قرآن پر ایمان لانا ممکن ہے اور نہ ہی احکام اسلام پر عمل پیرا ہونا ممکن ہے۔ ("The Relationship between Qur'an and Sunnah" ... Tanzil-ur-Rahman, p. 136)

سنتِ نبوی کی اہمیت کو بڑی جامعیت کے ساتھ امام اوزاعی نے یوں بیان کر دیا ہے :
''قرآنِ حکیم کو سنت کی اس سے کہیں زیادہ ضرورت ہے کہ سنت کو قرآن کی ضرورت ہو۔'' (''جامع بیان العلم'' ۔۔۔ امام اوزاعی' جلد ۲' صفحہ ۱۹۱)

## نبی اکرم ﷺ بطور قانون ساز مستشرقین کی نظر میں

(۱) ''آپ ﷺ نے حکومت کی' سزائیں دیں اور قانون سازی کی۔'' ("An Introduction to the Study of Anglo-Mohammadan Law"... R.K. Wensinck, p. 15)

(۲) ''خصوصی مسائل کے حل کے لئے جب بھی وہ پیدا ہوں' آپ ﷺ منصفِ اعلیٰ تھے اور وحیِ قرآن کی تفسیر و تاویل کرنے کے آپ ذمّہ دار تھے۔'' ("A History of Islamic Law" ... N.J. Coulson, p. 3) Edinburgh Edition, 1964.

(۳) ''جب آپ دل میں انتہائی گڑ جانے والے احکام صادر فرماتے تو یوں لگتا تھا کہ آپ فی الواقع اللہ کی طرف سے بول رہے ہیں۔'' ("Muhammadanische Studien"...Goldziher) 1990

Marfat.com

(۴) ''قانونِ اسلامی کو مغربی نظریات کی کسوٹی پر پرکھنے میں مستشرقین نے ٹھوکر کھائی ہے۔ مغرب میں قانون انسانی خواہشات کی پیداوار ہے جو اکثر اوقات اعلیٰ اخلاقی اقدار سے عاری ہوتا ہے اور جہاں قانون سازی کے اختیارات میں کوئی حد اور پابندی نہیں ہے جس سے انسان انسان کا غلام ہو کے رہ گیا ہے۔ وہ یہ بات بھول گئے ہیں کہ اسلام میں قانون سازی ہمیشہ رضائے الٰہی کی حدود میں رہتی ہے جس کے حکومت اور افراد پابند رہنے اور جوابدہ ہونے کے ذمہ دار ہیں۔'' ("Islamic Legal Theory and the Orientalists"
... Syed Abul Hasan Najmee, p. 41)Lahore, 1969.

(8) يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَاتَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ أَلِيْمٌ O
''مومنو! رَاعِنَا مت کہا کرو اور اُنْظُرْنَا کہا کرو اور توجہ سے سنا کرو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔'' (۲ : ۱۰۴)

''رَاعِنَا ذو معنی لفظ ہے جس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ ہماری رعایت فرمایئے لیکن رَاعِنَا کے ''ع'' کو ذرا کھینچ کر پڑھنے سے اس کے معنی میں ایک گستاخانہ مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ مسلمان اس شرارت سے غافل، بے خبر، خالی الذہن خود بھی یہ الفاظ بولنے لگتے اور حضور کریم ﷺ کے کسی ارشادِ گرامی کو اچھی طرح سمجھ نہ پاتے تو عرض کرتے رَاعِنَا اے حبیب اللہ! ہم پوری طرح سمجھ نہیں سکے، ہماری رعایت فرماتے ہوئے دوبارہ سمجھا دیجئے۔ یہاں اُنہی کو یہ ممانعت ہو رہی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے محبوب علیہ السلام کی عزت و تعظیم کا یہاں تک پاس ہے کہ ایسے لفظ کا استعمال بھی ممنوع فرما دیا جس میں گستاخی کا شائبہ تک بھی ہو۔ چنانچہ فرمایا کہ رَاعِنَا کی جگہ اُنْظُرْنَا کہا کرو (یعنی ہماری طرف نگاہِ لطف فرمایئے) کیونکہ یہ لفظ ہر طرح کے احتمالاتِ فاسدہ سے پاک ہے۔ وَاسْمَعُوْا کا حکم دے کر یہ تنبیہ فرما دی کہ جب میرا رسول تمہیں کچھ سنا رہا ہو تو ہمہ تن گوش ہو کر سنا کرو تا کہ اُنْظُرْنَا کہنے کی نوبت ہی نہ آئے کیونکہ یہ بھی تو شانِ نبوّت کے مناسب نہیں کہ ایک ایک بات تم بار بار پوچھتے رہو۔ نبی مکرّم ﷺ کا ادب واحترام اس بات میں ہے کہ آپ کے ارشاداتِ عالیہ کو ہمہ تن گوش ہو کر سنو، نہ کہ اس بات میں کہ آپ کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرتے رہو یا اُنْظُرْنَا کہتے رہو۔

حال کے بعض گمراہ فرقوں نے رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے بالکل قطع نظر کر کے ایمان واسلام کے لئے محض قرآن کی اتباع کو کافی سمجھ لیا ہے۔ اُن کی گمراہی آیت کے لفظ وَاسْمَعُوْا سے ظاہر ہے۔

آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مرتبہ رسالت کا ادب صرف معنوی حیثیت ہی سے نہیں، لفظی حیثیت سے بھی ضروری ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جن الفاظ سے اہانت کا احتمال بھی نکلتا ہو، اُن سے احتیاط لازم ہے۔ بلکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تو ایسے الفاظ پر حد واجب ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بے ادبی اور گستاخی کے ارادہ تک سے بالکل بَری تھے تو جو ممانعت کی گئی، وہ یہود کی نیت پر حکم کر کے کی گئی۔

Marfat.com

علامہ شوکانی ''فتح القدیر'' کی جلد اوّل (ص۱۲۴) میں رَاعِنَا کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''رَاعِنَـــا اور ایسے تمام الفاظ جن سے توہینِ رسالت کا احتمال ہو' اُن کا استعمال قطعی طور پر ممنوع قرار دیا گیا۔'' اس لئے اہلِ ایمان کو براہِ راست مخاطب کر کے یہ حکم دیا گیا کہ وہ ایسے ذو معنی الفاظ سے قطعاً پرہیز کریں تاکہ شانِ رسالتمآب ﷺ میں کسی قسم کی پنہاں اور پوشیدہ گستاخی کا احتمال بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔''

آیت کے آخری حصّہ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں ادنیٰ سی گستاخی بھی کفر ہے اور کفر کا مقدّر دردناک عذاب ہے۔ بعض صاحبانِ نظر نے اِس آیت کے اسلوبِ بیان سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا ہے کہ حق تعالیٰ کو یہودیوں کے اس فتنہ پرور گروہ کا یہ گستاخانہ اندازِ تخاطب اتنا ناگوار گزرا کہ اُس نے ایسے بدطینت یہودیوں سے خطاب کرنا بھی پسند نہیں فرمایا حالانکہ قرآنِ حکیم میں یہود و نصاریٰ سے جا بجا براہِ راست خطاب کیا گیا ہے۔

آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مرتبہ رسالت کا ادب صرف معنوی حیثیت ہی سے نہیں' لفظی حیثیت سے بھی ضروری ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جن الفاظ سے اہانت کا احتمال بھی نکلتا ہو' اُن سے احتیاط لازم ہے۔ بلکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تو ایسے الفاظ پر حد واجب ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بے ادبی اور گستاخی کے ارادہ تک سے بالکل بَری تھے تو جو ممانعت کی گئی' وہ یہود کی نیت پر حکم کر کے کی گئی۔

ہر نازک موقع پر منافقین مسلمانوں میں افتراق' ڈر اور خوف پیدا کر کے مسلمانوں کی اذیت کا سامان پیدا کرتے رہتے تھے۔ لہٰذا الٰہی حکمت اور مصلحت نے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ مسلمانوں اور منافقوں کے دونوں گروہ بلا امتیاز آپس میں گڈ مڈ رہیں اور اسی لئے اُن کو جدا جدا رکھنا ضروری تھا۔ ان گروہوں کی باہمی علیحدگی کا انتظام چند طرح سے کیا گیا: (۱) نیک اور صالح لوگوں کی آزمائش اُنہیں لگاتار مصائب میں مبتلا کرنے سے اور بدلوگوں کو دنیاوی لذات کی عیش کوشی میں کھلی چھٹی دینے سے (۲) اسلام کو فتح یاب کرنے اور کفر کو شکست دینے سے (۳) اپنے پیغمبر ﷺ کو اس بات کا علم دینے سے کہ کون سچا مسلمان ہے اور کون نہیں۔ منافقوں نے یہی کہا تھا کہ اگر محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں' تو اُنہیں ہمیں بتانا چاہئے کہ ہم میں سے کون ایمان والا ہے اور کون نہیں۔ اس سلسلہ میں امام بیضاوی علیہ الرحمۃ نے درج ذیل حدیث کا حوالہ دیا ہے:

إِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: عُرِضَتْ عَلَيَّ أُمَّتِيْ وَأُعْلِمْتُ مَنْ يُّؤْمِنُ بِيْ وَمَنْ يَّكْفُرُ فَقَالَ الْمُنٰفِقُوْنَ: إِنَّهٗ يَزْعَمُ أَنَّهٗ يَعْرِفُ مَنْ يُّؤْمِنُ وَمَنْ يَّكْفُرُ وَنَحْنُ مَعَهٗ وَلَا يَعْرِفُنَا فَنَزَلَتْ (تفسیر بیضاوی)

''نبی علیہ السلام نے فرمایا: میری امت مجھ پر پیش کی گئی اور میں نے جان لیا کہ کون مجھ پر ایمان لایا ہے اور کون مجھ پر ایمان نہیں لایا۔ اِس پر منافقین کہنے لگے: آپ کا دعویٰ ہے کہ کون آپ پر ایمان لایا ہے اور کون آپ پر ایمان نہیں لایا۔ ہم تو آپ کے ہم نشیں ہیں اور آپ کو ہماری حقیقت کا پتہ تک نہیں۔ تو اس موقع پر سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۷۹ نازل ہوئی۔'' (جو حسبِ ذیل ہے):۔

Marfat.com

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (آل عمران : ۱۷۹)

''جس حال پر ایمان والے ہیں' اللہ اُنہیں اُس حال پر چھوڑے رکھنے کا نہیں جب تک کہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کرلے اور نہ اللہ تمہیں غیب پر مطلع کرنے والا ہے' البتہ اللہ جسے چاہتا ہے' اپنے رسولوں میں سے انتخاب کرلیتا ہے۔'' (۳ : ۱۷۹)

درجِ بالا آیت سے دو نکات حاصل ہوئے: اوّل تو یہ کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بخوبی علم تھا کہ منافق کون کون لوگ ہیں اور دوم یہ کہ کسی بات کا اظہار نہ کرنا اُس بات کی لاعلمی کو مستلزم نہیں۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین محبوبِ کبریاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لامحدود وسعتِ علمی پر ہمیشہ شاداں وفرحاں رہتے جبکہ یہ بات منافقوں کے لئے ناقابلِ تسلیم تھی اور آپ کی خداداد وسعتِ علمی سے چڑتے ہوئے اور خشک مزاج ہوتے ہوئے انہوں نے ہمیشہ اسے اپنے رسواکن شر کا ہدف (نشانہ) بنایا۔

(9) وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (النّساء : ۱۱۳)

''(اے نبی!) اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت اتاری ہے اور آپ کو وہ سکھایا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا ہی فضل وکرم ہے۔'' (۴ : ۱۱۳)

اللہ تبارک وتعالیٰ کے آخری رسول ﷺ پر اُس ذاتِ کردگار کی بے پناہ نوازشات وانعامات ہوتے ہوئے آپ میں کسی نقص یا غلطی کا پایا جانا محال بالذات ہے اور آپ پر اِن نوازشات وعطیات کے ہوتے ہوئے یہ ناممکن تھا کہ کوئی آپ کو (معاذ اللہ) صراطِ مستقیم کی پٹڑی سے اُتار دے۔اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے دشمنوں کی بدخواہیوں کے باوجود اپنے رسول کی حفاظت فرمائی ہے تاکہ آپ کی ذاتِ مقدسہ تمام عالم کے تمام انسانوں کے لئے تاابد مشعلِ راہ بنی رہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں درجِ بالا آیت کتنی ہی پیاری ہے! آیت میں لفظ ''فضل'' کو پڑھ کر ہم مسلمانوں کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ رحمتِ الٰہی کا بحرِ ذخّار اپنی پوری طغیانی کے ساتھ موجزن ہے۔غرض کہ آپ ﷺ عطیات ونوازشاتِ الٰہی کا مرکز ہیں' وہ عطیات ونوازشات جو کسی طرح بھی کم اور محدود نہیں ہیں بلکہ ''عظیم'' ہیں اور ''عظیم'' بھی اللہ کی نظر میں جس کے نزدیک کُل متاعِ دنیا قلیل وحقیر ہے (بحوالہ سورۃ النساء : ۷۷)

لفظ ''فضل'' کا موازنہ ذیل کی آیات کے لفظ ''منّ'' سے کیجئے جو موسیٰ اور اُن کے بھائی ہارون علیہما السلام کے بارے میں آیا ہے:

(۱) وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرٰى ۝ (طٰهٰ : ۳۷)

Marfat.com

''اور (اے موسیٰ!) ہم نے تم پر ایک اور بار (اس سے پہلے بھی) احسان فرمایا تھا۔'' (۲۰:۳۷)

(۲) وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوسٰی وَهٰرُوْنَ O (اَلصَّافَّات : ۱۱۴)

''اور بے شک ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) پر بھی احسان کئے۔'' (۱۱۴ : ۳۷)

''فَضل'' کے مراتب بنانے میں کچھ اہلِ لغت کا کہنا ہے کہ درج بالا آیات میں لفظ مَنّ (بمعنیٰ احسان) کی حیثیت فضل سے کہیں کم ہوتی ہے۔ اس لئے یہاں فضل صرف ہمارے نبی اکرم ﷺ کے لئے خاص ہے اگرچہ سورۃ الانعام کی آیت ۸۶ سورہ سبا کی آیت ۱۰ اور سورۃ الجاثیۃ کی آیت میں ۱۶ میں یہ لفظ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔

(10) تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (البقرۃ : ۲۵۳)

''یہ سب رسول (جو ہم نے مبعوث فرمائے) ہم نے اُن میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے، اُن میں سے کسی سے اللہ نے (براہِ راست) کلام فرمایا اور کسی کو درجات میں (سب پر) فوقیت دی۔''

مفسرین قرآن نے وضاحت کی ہے کہ رب تعالیٰ کے فرمان رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (کسی کو درجات میں سب پر فوقیت دی) میں صاف اشارہ آخر الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی طرف ہے لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ کسی نبی کو دوسرے نبی پر یوں فضیلت نہ دو کہ اس سے دوسرے نبی کی معاذ اللہ تحقیر ہو۔ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۱۷۵)

قَالَ النُّحَاسُ بَعْضَهُمْ هُنَا عَلٰی قَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَالشَّعْبِیِّ وَمُجَاهِدٍ مُحَمَّدٌ ﷺ (قرطبی)

''النحاس کا کہنا ہے کہ حضرت ابن عباس کی روایت کے مطابق یہاں بَعْضَهُمْ سے مراد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس ہے۔''

(11) (i) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا O (اَلنِّسَاء : ۶۱)

''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اُس حکم کی طرف آؤ جسے اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف آؤ تو (اے نبی مکرّم!) آپ دیکھیں گے کہ منافقین آپ کی طرف سے بڑی پہلو تہی کر رہے ہیں۔'' (۴:۶۱)

(ii) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ O (السنافقون : ۵)

''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لئے استغفار کر دیں تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور

Marfat.com

(اے نبی مکرّم!) آپ اُنہیں دیکھیں گے کہ تکبّر کرتے ہوئے بے رخی کر رہے ہیں۔'' (۵ : ۶۳)

علامہ قرطبی علیہ الرحمۃ نے یہاں ایک بڑی بصیرت افروز بات لکھی ہے کہ جب رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے قبیلہ والوں نے اُسے سمجھایا کہ اب بھی حاضرِ خدمت ہوکر معافی مانگ لو۔ نبی مکرّم ﷺ تیری بخشش کے لئے دعا فرمائیں گے تو تیری بدبختی، نیک بختی سے بدل جائے گی تو اُس نے ازراہِ نخوت وتکبّر نفی میں سر ہلایا اور کہنے لگا:

أَمَرْتُمُونِي أَنْ أُؤْمِنَ فَقَدْ آمَنْتُ وَأَنْ أُعْطِي زَكٰوةَ مَالِي فَقَدْ أَعْطَيْتُ فَمَا بَقِيَ إِلَّا أَنْ أَسْجُدَ لِمُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم)

''تم نے مجھے ایمان لانے کا حکم دیا تو میں ایمان لے آیا، تم نے مجھے اپنے مال کی زکوٰۃ دینے کا کہا تو میں نے زکوٰۃ بھی ادا کردی۔ اب ایک ہی بات باقی ہے کہ میں محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو سجدہ کروں، یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔''

''اِس روایت میں غور کیجئے گا کہ منافق کا ذہن کس طرح غلط راہ پر چلتا ہے اور اُس کی سوچ میں کس قدر بگاڑ پیدا ہوتا ہے، بارگاہِ نبوّت میں حاضری اور محبوبِ کبریاء علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنی بخشش کی دعا کرانے میں اُسے صریح شرک نظر آتا ہے۔ وہ اپنے اعمال، نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ پر ہی نازاں رہتا ہے اور یہ ضرورت محسوس نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب کے درِکرم پر حاضر ہوکر اُس کی رحمتوں سے اپنے دامن کو لبریز کرے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۵، ص ۲۵۳)

دربارِ نبی سے روکنے والے آج کے اُن نام نہاد ''مسلمانوں'' کے لئے بھی اس میں لمحۂ فکریہ ہے کہ کیا اُن کا یہ عمل رسول اللہ ﷺ کے ہم عصر منافقین جیسا تو نہیں ہے جن کی بابت قرآن میں سخت وعید آئی ہے؟

(12) وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (النسآء : ۱۱۳)

''اور (اے حبیب!) اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو اِن (دغابازوں) میں سے ایک گروہ ارادہ کرچکا تھا کہ آپ کو بہکا دیں جبکہ وہ محض اپنے آپ کو ہی گمراہ کر رہے ہیں اور آپ کا تو وہ کچھ بگاڑ ہی نہیں سکتے، اور اللہ نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے اور اُس نے آپ کو وہ سب علم عطا کردیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے۔'' (۴ : ۱۱۳)

یہ رب تعالیٰ کی دائمی اور مستقل عنایت ونوازش ہی تھی جس نے رسول اللہ ﷺ کو اُن بدباطنوں کی راہ پر چلنے سے روک دیا جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل میں بیان ہوا:

وَلَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل : ۷۴، ۷۵)

Marfat.com

''اور اگر ہم نے آپ کو (پہلے ہی سے عصمتِ نبوت کے ذریعہ) ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو تب بھی آپ اُن کی طرف بہت ہی معمولی سے جھکاؤ کے قریب جاتے۔ (اگر بالفرض آپ مائل ہو جاتے تو) اُس وقت ہم آپ کو دوگنا مزہ زندگی میں اور دوگنا مزہ موت میں چکھاتے' پھر آپ اپنے لئے (بھی) ہم پر کوئی مددگار نہ پاتے۔'' (۱۷ : ۷۴'۷۵)

لیکن نبی معصوم کو ثابت قدم کیسے نہ رکھا ہوتا۔ یہ ثابت قدمی تو فرع ہے معصومیت کی اور معصومیت لازمہ نبوت ہے۔ بعض نے لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ کو قادحِ عصمت سمجھا ہے حالانکہ آیت کے الفاظ اس کے الٹ پر دلالت کر رہے ہیں۔ آپ کا جھکاؤ اوّل تو ہوا نہیں' صرف قربِ جھکاؤ ہوا ہے اور پھر وہ بھی ہونے کہاں پایا۔ لَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ کی زنجیرِ عصمت نے اتنا بھی ہونے کا موقع کب دیا؟ غرض یہ کہ یہ ارشادِ الٰہی بطورِ الزام نہیں بلکہ یہ تو آپ کی صرف کمال حرص ایمانی کا مظہر ہے اور بہ قولِ مفسّر تھانوی ''یہ ارشاد عتاب نہیں بلکہ اظہارِ محبوبیت ہے کہ آپ ایسے محبوب ہیں کہ ہم نے قلیل جھکاؤ کے قرب سے بھی آپ کو بچا لیا۔'' (ماجدی اردو' صفحہ ۵۹۳' نوٹ: ۱۰۷)

لَوْ لَآ اِمتناعیہ ہے اور اپنے اندر اسی مفہوم کا حامل ہے۔ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ کی عبارت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمتِ شان کا پتہ چلتا ہے کیونکہ جتنا کوئی زیادہ عزیز ہوتا ہے' اُتنا ہی اُس کی معمولی سے معمولی لغزش ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔

ع    موئے در دیدہ بود کوہِ عظیم

قائدِ مفسرینِ قرآن علامہ ابن جریر نے اس آیت کی وضاحت اپنی تفسیر میں اس طرح کی ہے:

وَمِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْكَ يَامُحَمَّدُ مَعَ سَائِرِمَاتُفَضَّلُ بِهٖ عَلَيْكَ مِنْ نِّعَمِهٖ اَنَّهٗ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ هُوَ الْقُرْاٰنُ الَّذِىْ فِيْهِ بَيَانُ كُلِّ شَىْءٍ وَّ هُدًى وَّ مَوْعِظَةً وَّ الْحِكْمَةُ يَعْنِىْ وَ اَنْزَلَ عَلَيْكَ مَعَ الْكِتٰبِ الْحِكْمَةِ وَهِىَ مَا كَانَ فِى الْكِتٰبِ مُجْمَلاً ذِكْرُهٗ مِنْ حَلَالِهٖ وَحَرَامِهٖ وَنَهْيِهٖ وَاَحْكَامِهٖ وَ وَعْدِهٖ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ مِنْ خَبَرِالْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَمَا كَانَ وَمَاهُوَ كَائِنٌ''

''اے محمد ﷺ! آپ پر اللہ تعالیٰ کے لامحدود انعامات میں سے ایک خاص انعام یہ ہے کہ اُس نے آپ کو قرآن جیسی عظیم کتاب عطا فرمائی ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔ اس میں رشد و ہدایت کی روشنی بھی ہے اور تنبیہات بھی۔ اُس نے اس کتاب میں حکمت بھی نازل کی ہے یعنی کتاب میں مجملاً بیان شدہ حلال و حرام' منہیات و احکام کی تفصیل ہے۔ علاوہ ازیں اُس نے آپ کو وہ کچھ سکھا دیا جو آپ (اس سے پہلے) نہیں جانتے تھے یعنی گزشتہ اقوام اور جو کچھ ماضی میں وقوع پذیر ہوا اور جو کچھ مستقبل میں ہونے والا ہے۔'' (تفسیر ابن جریر)

علامہ ابن جریر کے الفاظ کہ رب تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو ماضی اور مستقبل کا علم (علم ما کان و ما یکون)

Marfat.com

عطا کیا' کی تائید میں امام مسلم نے اپنی صحیح میں بہ سند حضرت ابو زید عمرو ابن الاخطب رضی اللہ عنہ اِسی مضمون کو یوں بیان کیا ہے :

حَدَّثَنِی اَبُوْ زَیْدٍ قَالَ : صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ الْفَجْرَ وَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی حَضَرَتِ الظُّھْرُ فَنَزَلَ فَصَلّٰی ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی حَضَرَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰی ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَاَخْبَرَنَا بِمَا کَانَ وَ بِمَا ھُوَ کَائِنٌ'' فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا (صحیح مسلم' جلد ۲)

'' مجھے ابو زید نے بیان کیا اور کہا: ہمیں نبی اکرم ﷺ نے نمازِ فجر پڑھائی' پھر آپ نے منبر پر چڑھ کر ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا یہاں تک کہ نمازِ ظہر کا وقت آ گیا' آپ منبر سے اترے' نماز پڑھائی' پھر آپ منبر پر چڑھے' ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا یہاں تک کہ نمازِ عصر کا وقت آ گیا' آپ منبر سے اترے' نماز پڑھائی پھر آپ منبر پر چڑھے' ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ اپنے اس طول طویل خطبہ میں جو صبح سے شام تک جاری رہا' آپ ﷺ نے ہمیں زمانہِ ماضی میں واقع شدہ احوال اور مستقبل میں ہونے والے واقعات کے متعلق بتایا۔ ہم میں بڑا عالم وہ ہے جسے اس خطبہ کا زیادہ سے زیادہ حصہ یاد ہے۔''

یوں سمجھئے کہ (۱) '' امام الاوّلین والآخرین ﷺ کا علمِ مبارک ربِّ ذوالجلال والاکرام کے علم کی طرح قدیم نہیں بلکہ حادث ہے یعنی پہلے نہیں تھا بلکہ بعد میں اللہ تعالیٰ کے تعلیم کرنے سے حاصل ہوا۔ (۲) رب تعالیٰ کے علم کی طرح ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے حاصل ہوا۔ (۳) نبی علیہ السلام کا علم اللہ کے علم کی طرح غیر متناہی اور غیر محدود نہیں بلکہ متناہی اور محدود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط کے ساتھ فخرِ موجودات ﷺ کے علم کی نسبت اتنی بھی نہیں جتنی پانی کے ایک قطرے کو دنیا بھر کے سمندروں سے ہے۔''

'' ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ حضور رحمتِ عالم ﷺ کا یہ حادث' عطائی اور محدود علم اتنا محدود نہیں جتنا بعض حضرات نے سمجھ رکھا ہے۔ اُس کی وسعتوں کو یا دینے والا جانتا ہے یا لینے والا۔ جبریلِ امین بھی وہاں دم مارنے کی مجال نہیں رکھتا۔ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی (اُس نے وحی فرمائی اپنے بندے کی طرف جو وحی فرمائی)۔ علم و معرفت کی وہ وسعتیں اور بے کرانیاں جن پر بیان کا جامہ تنگ ہے' اُن کی حد بر آری ہم کرنے لگیں گے تو ٹھوکریں نہیں کھائیں گے تو اور کیا ہو گا۔''

'' اس تلمیذِ رحمٰن نے اپنی زبانِ حق ترجمان سے ہمیں خود جو کچھ بتایا ہے' ہم اُس کو تسلیم کرتے ہیں اور اسی پر ہمارا ایمان ہے۔ اُسی کی زبانِ پاک سے نکلا ہوا یہ قولِ طیب ہم نے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں:

رَاَیْتُ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ قَالَ : فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الْاَعْلٰی ؟ قُلْتُ : اَنْتَ اَعْلَمُ قَالَ : فَوَضَعَ کَفَّہٗ بَیْنَ کَتِفَیَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَہٗ بَیْنَ ثَدَیَّ فَعَلِمْتُ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

Marfat.com

''آج میں نے اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی بڑی حسین اور پیاری صورت میں زیارت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا: (اے حبیب!) جانتے ہو کہ ملاءِ اعلیٰ کس بات پر باہم جھگڑ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا آپ ہی بہتر جانتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی ہتھیلی میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھی جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی۔ پھر میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں تھا۔''

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ کی شرح ''اشعۃ اللمعات'' میں اس حدیثِ پاک کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس ارشادِ نبوی کا مقصد یہ ہے کہ تمام علوم جزوی اور کلّی مجھے حاصل ہو گئے اور اُن کا میں نے احاطہ کر لیا۔''

شارحِ بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تمام کائنات جو آسمانوں میں تھی بلکہ اُن کے اوپر بھی جو کچھ تھا اور جو کائنات سات زمینوں میں تھی بلکہ اُن کے نیچے بھی جو کچھ تھا وہ میں نے جان لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو تو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھائی تھی اور اُسے آپ پر منکشف کیا تھا اور مجھ پر اللہ تعالیٰ نے غیب کے دروازے کھول دیئے ہیں۔'' (ضیاء القرآن، جلد ۳، صفحات ۴۵۸، ۴۵۹)

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شہرہ آفاق قصیدہ میں درج بالا حقیقت کی یوں نقاب کشائی کی ہے:

وَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا     وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

''(اے حبیبِ خدا!) دنیا اور آخرت کی تمام نوازشات وعنایات آپ کی (خداداد) سخاوت کی وجہ سے ہیں اور لوحِ محفوظ میں مرقوم علم آپ کے علم کا محض ایک جزء ہے۔''

امام موصوف کے جذبات واحساسات کسی دیوانے کی بڑ نہیں۔ جو کچھ اُنہوں نے کہا، وہ بنی اسرائیل کی ذیل کی آیت کا ترجمان ہے:

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ○ (بنی اسراءیل:۲۰)

''ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں ان (طالبانِ دنیا) کی بھی اور اُن (طالبانِ آخرت) کی بھی، (اے حبیبِ مکرّم! یہ سب کچھ) آپ کے رب ☆ کی عطا سے ہے اور آپ کے رب کی عطا (کسی کے لئے) بند نہیں ہے۔'' (۱۷:۲۰)

☆ رَبِّكَ (آپ کا رب) کے لفظ کو ذہن میں رکھتے ہوئے غور کیجئے کہ باری تعالیٰ نہ صرف اپنے محبوب کا رب ہے بلکہ تمام عالمین کا رب ہے۔ کوئی شک نہیں کہ جہاں میں صدیق اکبر کا رب ہوں، وہاں ابوجہل کا بھی رب ہوں اور جہاں میں بلال حبشی کا رب ہوں وہاں امیہ بن خلف کا بھی رب ہوں۔ محبوب! تیرا بھی رب ہوں۔ لیکن پیارے! جو لطف ومزا مجھے تیرا رب ہونے میں ہے، کسی اور کے رب ہونے میں نہیں۔ یاد رہے کہ مؤلف کی تحقیق کے مطابق پورے قرآن پاک میں 209 مقامات پر رب تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کو رَبُّكَ فرما کر اپنے محبوب علیہ السلام کی طرف نسبت دی ہے۔ دیکھئے آئندہ صفحات ۴۲۲۳ تا ۴۲۲۹۔

۱۲۷۹۷۵

Marfat.com

(13)(i) يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ (آلِ عمران: ۱۶۴؛ الجُمُعۃ: ۲)

''وہ (یعنی میرا رسول) اُن پر اللہ کی آیتیں پڑھتا ہے۔'' (۱۶۴ : ۳ : ۲ : ۶۲)

(ii) تِلْكَ آيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ (البقرۃ: ۲۵۲؛ آلِ عمران: ۱۰۸)

''یہ اللہ کی آیتیں ہیں، ہم اُنہیں (اے حبیب!) آپ پر سچائی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔'' (۲:۲۵۲)

محولہ بالا دونوں آیتوں کو اکٹھا پڑھنے کے بعد یہ نتیجہ نکالنا کچھ مشکل نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مقدسہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے بندوں کے درمیان نا قابلِ جدا وسیلہ ہے۔ یہ رابطہ کوئی معمولی رابطہ نہیں بلکہ ایسا مضبوط ہے کہ جب وہ کسی پر اپنی نوازشات کی برکھا کرنا چاہتا ہے تو اپنے محبوب علیہ السلام کو فرماتا ہے کہ ''ذرا اُن کے حق میں دعا تو کر لیجئے کہ آپ کی دعا اُن کے لئے باعث سکون واطمینان ہے'' (بحوالہ سورۃ التوبۃ: آیت ۱۰۳) اور جب اُس کی رحمتِ بے پایاں کا بحرِ مواج اپنے پورے جوبن میں ہوتا ہے تو وہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے ساتھیوں کی کوتاہیوں کو نظر انداز کرنے کی ترغیب دیتا ہے (بحوالہ سورہ آلِ عمران: ۱۵۹) جبکہ وہ اپنی مخلوق کا مالک ہوتے ہوئے نبی علیہ السلام کے وسیلہ کے بغیر خود بھی اُنہیں معاف کر سکتا ہے۔ یہ سب کچھ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُس اعلیٰ وارفع مقام کو اجاگر کرنے کے لئے کیا گیا جو اُنہیں اپنے خالق کی نظروں میں حاصل ہے۔

**(14) قرآن پاک کے 209 مقامات پر رب تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کو اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف نسبت دی ہے۔** ملاحظہ ہو:

(۱) وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (البقرۃ: ۳۰)

(۲) اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ o (البقرۃ: ۱۴۷)

(۳) وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ o (البقرۃ: ۱۴۹)

(۴) اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ o (آلِ عمران: ۶۰)

(۵) فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ (النساء: ۶۵)

(۶) وَلَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْیَانًا وَّكُفْرًا (المائدۃ: ۶۴)

(۷) یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ (المائدۃ: ۶۷)

(۸) وَلَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْیَانًا وَّكُفْرًا (المائدۃ: ۶۸)

(۹) نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ o (الانعام: ۸۳)

(۱۰) اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (الانعام: ۱۰۶)

(۱۱) وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ o (الانعام: ۱۱۲)

(۱۲) وَالَّذِیْنَ آتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ (الانعام: ۱۱۴)

(۱۳) وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (الانعام: ۱۱۵)

Marfat.com

(۱۴) إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ o (الانعام : ۱۱۷)

(۱۵) إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ o (الانعام : ۱۱۹)

(۱۶) وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا قَدْ فَصَّلْنَا الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ o (الانعام : ۱۲۶)

(۱۷) اَلنَّارُ مَثْوٰكُمْ خٰلِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ o (الانعام : ۱۲۸)

(۱۸) ذٰلِكَ أَنْ لَمْ يَكُنْ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا غٰفِلُونَ o (الانعام : ۱۳۱)

(۱۹) وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِمَّا عَمِلُوا وَمَا رَبُّكَ بِغٰفِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ o (الانعام : ۱۳۲)

(۲۰) وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ (الانعام : ۱۳۳)

(۲۱) فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ o (الانعام : ۱۴۵)

(۲۲) هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلٰئِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ (الانعام : ۱۵۸)

(۲۳) أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيٰتِ رَبِّكَ (الانعام : ۱۵۸)

(۲۴) يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا (الانعام : ۱۵۸)

(۲۵) إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ o (الانعام : ۱۶۵)

(۲۶) وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِي إِسْرَاءِيلَ بِمَا صَبَرُوا (الاعراف : ۱۳۷)

(۲۷) إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ o (الاعراف : ۱۵۳)

(۲۸) وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ (الاعراف : ۱۶۷)

(۲۹) إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ o (الاعراف : ۱۶۷)

(۳۰) وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ (الاعراف : ۱۷۲)

(۳۱) وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ (الاعراف : ۲۰۵)

(۳۲) إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ (الاعراف : ۲۰۶)

(۳۳) كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكٰرِهُونَ o (الانفال : ۵)

(۳۴) إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلٰئِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا (الانفال : ۱۲)

(۳۵) وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ o (يونس : ۱۹)

(۳۶) كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ o (يونس : ۳۳)

(۳۷) وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ o (يونس : ۴۰)

(۳۸) وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (يونس : ۶۱)

(۳۹) إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ o (يونس : ۹۳)

(۴۰) لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ o (يونس : ۹۴)

(۴۱) إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ o (يونس : ۹۶)

(۴۲) وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا (يونس : ۹۹)

(۴۳) إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ o (هود : ۱۷)

(۴۴) إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ o (هود : ۶۶)

(۴۵) وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِنْ سِجِّيلٍ مَنْضُودٍ مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ (هود : ۸۳)

Marfat.com

(۴۶) فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ آلِهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ أَمْرُ رَبِّكَ (هود : ۱۰۱)

(۴۷) وَكَذٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ (هود : ۱۰۲)

(۴۸) خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ (هود : ۱۰۷)

(۴۹) إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُo (هود : ۱۰۷)

(۵۰) خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍo (هود : ۱۰۸)

(۵۱) وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍo (هود : ۱۱۰)

(۵۲) وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ إِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌo (هود : ۱۱۱)

(۵۳) وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ أَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَo (هود : ۱۱۷)

(۵۴) وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَo (هود : ۱۱۸)

(۵۵) إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (هود : ۱۱۹)

(۵۶) وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَo (هود : ۱۱۹)

(۵۷) فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَo (هود : ۱۲۳)

(۵۸) وَالَّذِيْ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ (الرّعد : ۱)

(۵۹) وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ (الرّعد : ۶)

(۶۰) وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِo (الرّعد : ۶)

(۶۱) أَفَمَنْ يَّعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمٰى (الرّعد : ۱۹)

(۶۲) وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ إِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌo (الحجر : ۲۵)

(۶۳) وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّيْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُوْنٍo (الحجر:۲۸)

(۶۴) إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُo (الحجر : ۸۶)

(۶۵) فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَo (الحجر : ۹۲)

(۶۶) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَo (الحجر : ۹۸)

(۶۷) وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُo (الحجر : ۹۹)

(۶۸) هَلْ يَنْظُرُوْنَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ أَوْيَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ (النّحل : ۳۳)

(۶۹) وَأَوْحٰى رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا (النّحل : ۶۸)

(۷۰) قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ (النّحل : ۱۰۲)

(۷۱) ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا (النّحل : ۱۱۰)

(۷۲) ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌo (النّحل : ۱۱۰)

(۷۳) ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ (النّحل : ۱۱۹)

(۷۴) وَأَصْلَحُوْا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌo (النّحل : ۱۱۹)

(۷۵) وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَo (النّحل : ۱۲۴)

(۷۶) أُدْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (النّحل : ۱۲۵)

(۷۷) إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَo (النّحل : ۱۲۵)

Marfat.com

(۷۸) وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًاo (بنی اسراء یل : ۱۷)

(۷۹) كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ (بنی اسراء یل : ۲۰)

(۸۰) وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًاo (بنی اسراء یل : ۲۰)

(۸۱) وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (بنی اسراء یل : ۲۳)

(۸۲) وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًاo (بنی اسراء یل : ۲۸)

(۸۳) اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ (بنی اسراء یل : ۳۰)

(۸۴) كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًاo (بنی اسراء یل : ۳۸)

(۸۵) ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ( (بنی اسراء یل : ۳۹)

(۸۶) وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًاo (بنی اسراء یل : ۴۶)

(۸۷) وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ( (بنی اسراء یل : ۵۵)

(۸۸) اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًاo (بنی اسراء یل : ۵۷)

(۸۹) وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ (بنی اسراء یل : ۶۰)

(۹۰) وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًاo (بنی اسراء یل : ۶۵)

(۹۱) عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًاo (بنی اسراء یل : ۷۹)

(۹۲) اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًاo (بنی اسراء یل : ۸۷)

(۹۳) وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ (الکھف : ۲۴)

(۹۴) وَاتْلُ مَآ اُوْحِىَ مِنْ كِتٰبِ رَبِّكَ (الکھف : ۲۷)

(۹۵) وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًاo (الکھف : ۴۶)

(۹۶) وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا (الکھف : ۴۸)

(۹۷) وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًاo (الکھف : ۴۹)

(۹۸) وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ (الکھف : ۵۸)

(۹۹) ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّاo (مریم : ۲)

(۱۰۰) وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ (مریم : ۶۴)

(۱۰۱) وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّاo (مریم : ۶۴)

(۱۰۲) فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ (مریم : ۶۸)

(۱۰۳) وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّاo (مریم : ۷۱)

(۱۰۴) وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّاo (مریم : ۷۶)

(۱۰۵) وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّىo (طٰهٰ : ۱۲۹)

(۱۰۶) وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا (طٰهٰ : ۱۳۰)

(۱۰۷) وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰىo (طٰهٰ : ۱۳۱)

(۱۰۸) وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَo (الانبیاء : ۴۶)

(۱۰۹) وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَo (الحج : ۴۷)

(۱۱۰) وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ (الحج : ۵۴)

Marfat.com

(۱۱۱) وَادْعُ اِلٰی رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰی هُدًی مُّسْتَقِيْمٍo (الحج : ۶۷)

(۱۱۲) أَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ‘‘ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَo (المؤمنون : ۷۲)

(۱۱۳) لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ كَانَ عَلٰی رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًاo (الفرقان : ۱۶)

(۱۱۴) وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُوْنَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًاo (الفرقان : ۲۰)

(۱۱۵) وَكَفٰی بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ نَصِيْرًاo (الفرقان : ۳۱)

(۱۱۶) أَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا (الفرقان : ۴۵)

(۱۱۷) فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًاo (الفرقان : ۵۴)

(۱۱۸) وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُo (الشعراء : ۹)

(۱۱۹) وَ اِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰی أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَo (الشعراء : ۱۰)

(۱۲۰) وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُo وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ اِبْرٰهِيْمَ o (الشعراء : ۶۹، ۷۰)

(۱۲۱) وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُo كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ نِ الْمُرْسَلِيْنَo (الشعراء : ۱۰۴، ۱۰۵)

(۱۲۲) وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُo كَذَّبَتْ عَادُ نِ الْمُرْسَلِيْنَo (الشعراء : ۱۲۲، ۱۲۳)

(۱۲۳) وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُo كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَo (الشعراء : ۱۴۰، ۱۴۱)

(۱۲۴) وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُo كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ نِ الْمُرْسَلِيْنَo (الشعراء : ۱۵۹، ۱۶۰)

(۱۲۵) وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُo كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَo (الشعراء : ۱۷۵، ۱۷۶)

(۱۲۶) وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُo وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَo (الشعراء : ۱۹۱، ۱۹۲)

(۱۲۷) وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَo (النمل : ۷۳)

(۱۲۸) وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَo (النمل : ۷۴)

(۱۲۹) اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ (النمل : ۷۸)

(۱۳۰) سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَo (النمل : ۹۳)

(۱۳۱) وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (القصص : ۴۶)

(۱۳۲) وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰی حَتّٰی يَبْعَثَ فِيْ أُمِّهَا رَسُوْلًا (القصص : ۵۹)

(۱۳۳) وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ (القصص : ۶۸)

(۱۳۴) وَ رَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَo (القصص : ۶۹)

(۱۳۵) وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْا أَنْ يُّلْقٰی اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (القصص : ۸۶)

(۱۳۶) وَادْعُ اِلٰی رَبِّكَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَo (القصص : ۸۷)

(۱۳۷) وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ ‘‘ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ (العنكبوت : ۱۰)

(۱۳۸) بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا أَتٰهُمْ نَذِيْرٌ ‘‘ مِّنْ قَبْلِكَ (الٓمّٓ السجدة : ۳)

(۱۳۹) اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَo (الٓمّٓ السجدة : ۲۵)

(۱۴۰) وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰی اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (الاحزاب : ۲)

(۱۴۱) وَيَرَی الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْ أُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ (سبا : ۶)

(۱۴۲) وَرَبُّكَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ‘‘o (سبا : ۲۱)

(۱۴۳) فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَo (الصّٰفّٰت : ۱۴۹)

(۱۴۴) سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَo (الصّٰفّٰت : ۱۸۰)

(۱۴۵) أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِo (صٓ : ۹)

(۱۴۶) اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌ ‘‘ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍo (صٓ : ۷۱)

Marfat.com

(۱۴۷) وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَنَّهُمْ أَصْحٰبُ النَّارِo (غافر : ۶)

(۱۴۸) وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ (غافر : ۵۵)

(۱۴۹) فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ (فُصِّلَت :۳۸)

(۱۵۰) اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّ ذُوْ عِقَابٍ أَلِيْمٍo (فُصِّلَت : ۴۳)

(۱۵۱) وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ (فُصِّلَت : ۴۵)

(۱۵۲) وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِo (فُصِّلَت : ۴۶)

(۱۵۳) أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌo (فُصِّلَت : ۵۳)

(۱۵۴) وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ (اَلشُّورٰى : ۱۴)

(۱۵۵) أَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ (أَلزُّخرُف : ۳۲)

(۱۵۶) وَرَحْمَةُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَo (أَلزُّخرُف : ۳۲)

(۱۵۷) وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَo (أَلزُّخرُف : ۳۵)

(۱۵۸) اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَo رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (أَلدُّخان : ۵، ۶)

(۱۵۹) وَ وَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِo فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ (أَلدُّخان : ۵۷)

(۱۶۰) اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَo (أَلجاثِية : ۱۷)

(۱۶۱) وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِo (قٓ : ۳۹)

(۱۶۲) مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ o (أَلذّاريات : ۳۴)

(۱۶۳) اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ o (أَلطُّور : ۷)

(۱۶۴) فَذَكِّرْ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّ لَا مَجْنُوْنٍo (أَلطُّور : ۲۹)

(۱۶۵) أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَo (أَلطُّور :: ۳۷)

(۱۶۶) وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا (أَلطُّور : ۴۸)

(۱۶۷) وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُo (أَلطُّور : ۴۸)

(۱۶۸) اِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِه (أَلنَّجم : ۳۰)

(۱۶۹) اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ (أَلنَّجم : ۳۲)

(۱۷۰) وَ أَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى o (أَلنَّجم : ۴۲)

(۱۷۱) فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰىo (أَلنَّجم : ۵۵)

(۱۷۲) وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِo (أَلرَّحْمٰن : ۲۷)

(۱۷۳) تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ o (أَلرَّحْمٰن : ۷۸)

(۱۷۴) نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَo فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِo (ألواقعة : ۷۳، ۷۴)

(۱۷۵) اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِo فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِo (ألواقعة : ۹۵، ۹۶)

(۱۷۶) مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍo (أَلقلم : ۲)

(۱۷۷) اِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِه وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَo (أَلقلم : ۷)

Marfat.com

(۱۷۸) فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَ هُمْ نَآئِمُوْنَo (اَلقلم : ۱۹)

(۱۷۹) فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ (اَلقلم : ۴۸)

(۱۸۰) وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌo (اَلحآقّة : ۱۷)

(۱۸۱) فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِo (اَلحآقّة : ۵۲)

(۱۸۲) وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًاo (اَلمُزَّمِّل : ۸)

(۱۸۳) اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ (اَلمُزَّمِّل : ۲۰)

(۱۸۴) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْo (اَلمُدَّثِّر : ۳) (۱۸۵) وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْo (اَلمُدَّثِّر : ۷)

(۱۸۶) وَ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (اَلمُدَّثِّر : ۳۱)

(۱۸۷) اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ نِ الْمُسْتَقَرُّ o (اَلقِيٰمة : ۱۲)

(۱۸۸) اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُo (اَلقِيٰمة : ۳۰)

(۱۸۹) فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ لَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا اَوْ كَفُوْرًاo (اَلانسان : ۲۴)

(۱۹۰) وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًاo (اَلانسان : ۲۵)

(۱۹۱) جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًاo (اَلنَّبا : ۳۶)

(۱۹۲) اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَاo (اَلنّٰزعات : ۴۴) (۱۹۳) اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌo (اَلبُرُوج : ۱۲)

(۱۹۴) سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰىo (اَلاَعلیٰ : ۱)

(۱۹۵) اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍo (اَلفَجر : ۶)

(۱۹۶) فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍo (اَلفَجر : ۱۳)

(۱۹۷) اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِo (اَلفَجر : ۱۴)

(۱۹۸) وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّاo (اَلفَجر : ۲۲)

(۱۹۹) مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰىo (اَلضُّحیٰ : ۳)

(۲۰۰) وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰي o (اَلضُّحیٰ : ۵)

(۲۰۱) وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْo (اَلضُّحیٰ : ۱۱)

(۲۰۲) وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْo (الانشراح : ۸)

(۲۰۳) اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَo (اَلعَلَق : ۱)

(۲۰۴) اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُo (اَلعَلَق : ۳)

(۲۰۵) اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى o (اَلعَلَق : ۸)

(۲۰۶) يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَاo بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَاo (اَلزَّلزَلة : ۴، ۵)

(۲۰۷) اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِo (اَلفِيل : ۱)

(۲۰۸) فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْo (اَلكوثر : ۲)

(۲۰۹) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًاo (اَلنَّصر : ۳)

Marfat.com

(15) لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ O (سورة التوبة : ۱۲۸)

" بے شک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (ﷺ) تشریف لائے' تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا اُن پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لئے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزومند رہتے ہیں (اور) مؤمنوں کے لئے نہایت ہی شفیق' بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔" (۹ : ۱۲۸)

بالعموم انسانیت کی لگن اور دیکھ بھال اور بالخصوص مؤمنوں کے لئے محبت و شفقت' ملخصاً یہ تھا پیغمبر کا کردار! فرمایا جا رہا ہے کہ اے اولادِ آدم! ہر وہ چیز جس سے تمہیں تکلیف پہنچتی ہو وہ حضور علیہ السلام کے قلبِ رحیم پر بھی گراں گزرتی ہے اور ہر وہ چیز جس سے تمہارا بھلا ہو' اُس کے حضور بہت خواہشمند ہیں۔ امّت کے ساتھ اُس کے آقا کا جو رشتہ محبت و الفت ہے' اُس کا بیان ان پاکیزہ الفاظ سے زیادہ بلیغ پیرایہ میں ادا کرنا ممکن نہیں۔

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ اَنْ تَدْخُلُوا النَّارَ وَحَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ اَنْ تَدْخُلُواالْجَنَّةَ

" تمہارا جہنمی ہونا اُن پر گراں گزرتا ہے اور تمہارے جنت میں جانے کے بہت آرزومند ہیں۔"

یہاں یہ بات بھی اہمیت کی حامل ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دو صفاتی ناموں (رؤوف' رحیم) کو محمد ﷺ کے سوا کسی نبی میں جمع نہیں فرمایا۔ اس سے اگلی آیت ۱۲۹ میں فرمایا گیا کہ اے حبیب! جو لوگ آپ کو رؤوف اور رحیم تسلیم نہیں کرتے' اُنہیں فرما دیجئے کہ اللہ ہی مجھے کافی ہے۔

(16) قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِىْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ O (الانعام : ۳۳)

" (اے حبیب!) بے شک ہم جانتے ہیں کہ وہ (بات) یقیناً آپ کو رنجیدہ کر رہی ہے جو یہ لوگ کہتے ہیں' پس یہ آپ کو نہیں جھٹلا رہے لیکن (دراصل) ظالم لوگ اللہ کی آیتوں ہی سے انکار کر رہے ہیں۔"

یہاں ربّ ذوالجلال والاکرام کفار کے مقابلہ میں کیسے اپنے آپ کو ڈھال بنا کر اپنے پیغمبر کی تسلی و تشفی کر رہا ہے۔ کفار کے قائد ابوجہل نے صاف طور پر پیغمبر علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم آپ کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ اُس پیغام کی تکذیب کرتے ہیں جس کے متعلق آپ کہتے ہیں کہ میں اُسے اللہ کی طرف سے لایا ہوں۔

(17) (i) قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف : ۱۵۸)

(ii) تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا O (الفرقان : ۱)

(iii) وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (سبا:۲۸)

Marfat.com

(۱) ''اے حبیب! فرما دیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا فرستادہ ہوں۔'' (۱۵۸:۷)
(۲) ''بڑی برکت والا ہے وہ اللہ جس نے (حق و باطل میں فرق اور) فیصلہ کرنے والا (قرآن) اپنے (محبوب و مقرب) بندے پر نازل فرمایا تا کہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈر سنانے والا ہو جائے۔'' (۱ : ۲۵)
(۳) ''اور (اے حبیبِ مکرّم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر اس طرح کہ (آپ) پوری انسانیت کے لئے خوشخبری سنانے والے اور ڈر سنانے والے ہیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' (۲۸:۳۴)

محولہ بالا تینوں آیتوں کے مدِّ نظر نبی علیہ السلام کی رسالت کی ہمہ گیر آفاقیت ملاحظہ ہو۔ قرآن یہاں صرف اہلِ عرب سے مخاطب نہیں ہے بلکہ تمام دنیا کے لوگوں سے مخاطب ہے کیونکہ آپ کا پیغام تمام دنیا تک وسیع ہے اور کسی خاص نسل تک کے لئے محدود نہیں۔ اس بات کی توثیق غیر مسلمین نے بھی کی ہے مثلاً ڈریپر لکھتا ہے:

''قرآن نے لوگوں کی قسمتوں کو بہت کنٹرول کیا ہے اور اب تک ہماری نسل کا ایک خاصی تعداد کے لئے وہ اصولِ زندگی کا کام دے رہا ہے۔'' ("Intellectual Development of Europe", Vol. 1, p. 340)

بہت سے یہودی اور عیسائی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کا رسول نہیں مانتے اور اگر وہ آپ کو پیغمبر مانتے بھی ہیں تو آپ کی رسالت کو صرف ملکِ عرب تک محدود مانتے ہیں نہ کہ تمام دنیا کے لئے۔ وہ اپنے مفروضے کی بنیاد قرآن کی اس آیت کو قرار دیتے ہیں:

وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (الانعام: ۹۲)
''تا کہ آپ مکہ کے لوگوں کو اور اُس کے گرد والوں کو ڈرائیں۔'' (۹۲ : ۶)

أُمَّ الْقُرٰى (جس کے لفظی معنی بستیوں کے مرکز کے ہیں) کا یہ نام کیوں پڑا؟ بعض نے کہا کہ قدیم جغرافیہ کے لحاظ سے یہ زمین کے عین وسط میں واقع تھا۔ کسی نے کہا کہ اُس وقت حجاز خصوصاً اُس کا یہ شہر دنیا کی تہذیبوں کا سنگم تھا یعنی اُس کے ایک بازو میں مصری، رومی، یونانی تہذیب تھی اور دوسرے بازو میں کلدانی، ایرانی اور ہندی تمدن۔ کسی نے کہا اس لئے کہ آج بھی دنیا کے تین بڑے بڑے اعظموں ایشیا، افریقہ، یورپ کا سرِ راہ عین ساحلِ حجاز ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ سب اسباب صحیح ہوں۔ وَمَنْ حَوْلَهَا جب مکہ معظمہ نافِ زمین یا مرکز بلاد قرار پایا تو اُس کے ہر طرف آبادی جہاں تک بھی پھیلی ہوگی، سب مَنْ حَوْلَهَا ہی کے تحت میں آئے گی یعنی جمیع الآفاق اس میں شامل ہیں (مدارک و بیضاوی)۔ اور نبی علیہ السلام کی رسالت کل کائنات و جمیع آفاق کے لئے ثابت ہوئی۔

اُن کا یہ اِصرار اس لحاظ سے بھی غیر معقول، بے وزن اور پُھس پُھسا (Untenable) ہے کہ جب یہ لوگ

Marfat.com

آپ علیہ السلام کو پیغمبر مانتے ہیں خواہ اہل عرب کے لئے سہی' تو ظاہر ہے کہ یہ لوگ آپ کے آفاقی رسالت کے دعوئی کو بھی اور آپ کے آخری پیغمبر ہونے میں بھی اپنے آپ کی تردید کر رہے ہیں کیونکہ ایک سچا پیغمبر کسی چیز کے بارے میں اور بالخصوص اپنے الٰہی مشن کے بارے میں جھوٹ نہیں بول سکتا کہ جھوٹ بولنا پیغمبر کی شان اور منصب کے خلاف ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ آخرالانبیاء ﷺ کو تمام مخلوقات کے لئے بھیجا گیا۔''

تاریخ شاہد ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایوان ہائے خسرو' قیصر اور دیگر غیر عرب ممالک کے حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے اپنے قاصد مقرر کئے۔ اگر آپ کی رسالت کا مشن صرف ملکِ عرب تک محدود ہوتا تو آپ کبھی بھی اِن غیر ممالک کے سربراہوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے نامہ ہائے مبارک نہ بھیجتے۔ اُن کے انکار کا نتیجہ ''جنگِ مقدس'' یعنی اُن سے جہاد پر ہوا' آپ نے میدانِ کارزار میں اُن پر فتح پائی اور اُنہیں بطور غلام اپنا اسیر بنا لیا اور ماتحتی میں آ جانے کے بعد اُن پر ''جزیہ'' نامی ٹیکس لگا دیا۔ کیا یہ بات عجیب نہیں کہ ایک آدمی آپ کو رسول بھی مانے اور پھر آپ کے دعوائے رسالتِ آفاقی کا انکار بھی کرے۔ تصدیق اور انکار کا یکجا کرنا گویا دو متضاد چیزوں کا اکٹھا کرنا ہوتا ہے۔''

''بہت سے عیسائی فرقے بھی محمد ﷺ کے دعوائے رسالت کو بالکل نہیں مانتے۔ مسلمانوں نے اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے یہ مناسب سوال کیا کہ تم لوگ ابراہیم' اسحاق' یعقوب' یوسف' داؤد' موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو اللہ کے رسول اور اُس کے معتبر پیغام مانتے ہو تو اُن کے رسول یا پیغمبر ہونے کی تائید میں تمہارے پاس کیا ثبوت ہے؟ کسی بھی پیغمبر کی رسالت کے لئے تم کوئی بھی معیار مقرر کرو تو اُسی معیار اور اصول کا اطلاق برابر طور پر محمد ﷺ کی رسالت پر بھی ہوگا۔ اگر وہ لوگ مذکورہ بالا کسی بھی پیغمبر کی نبوت کے لئے کوئی دلیل لائیں تو ہم اپنے پیغمبر علیہ السلام کی رسالت پر کم از کم دس ایسے دلائل لا سکتے ہیں۔ مثلاً :

(i) ''اگر تورات کے نزول کو موسیٰ علیہ السلام' زبور کو داؤد علیہ السلام اور انجیل کو عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کے ثبوت کے لئے بطور ثبوت پیش کیا جائے تو ہم یہ کہیں گے کہ قرآن کے نزول کو جو ہر لحاظ سے اپنی عمدگی میں تورات اور انجیل پر فائق ہے اور جو ہر طرح مکمل' فصیح اور ہر چیز کو محیط اپنی اصلی شکل میں موجود ہے اور جس میں کوئی بھی خارجی چیز شامل نہیں ہوئی' محمد ﷺ کی رسالت و نبوت کے ثبوت کے لئے ایک مُسکت دلیل کیوں نہ مانا جائے؟''

(ii) ''اگر انبیائے سابقہ کے معجزات اُن کے منصب نبوّت کا ثبوت تھے تو ہمارے نبی اکرم ﷺ کے معجزات بہ حیثیتِ مجموعی بہ لحاظ مقدار اور خصوصیت دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ یہود اور نصاریٰ کے پاس کسی بھی ایسے معجزے کا ثبوت نہیں جس کا وہ ذکر کرتے ہیں۔ اس کے برعکس کوئی بھی شخص ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمودات کتبِ حدیث اور وقائع نگاروں کی روئدادوں میں مستند راویوں سے تصدیق شدہ حالت میں پاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہود و نصاریٰ کو اپنے متعلقہ رسول کا کوئی ایک ایسا فرمان مہیا کرنے کی دعوت دی جاتی ہے جسے مستند راویوں نے روایت کیا ہو۔''

Marfat.com

(iii) ''کتبِ حدیث کی طرف ذرا دیکھئے' نبی علیہ السلام کی کتاب زندگی کے ہر صفحے کا ہر لحہ اور ثانیہ بڑے واضح اور نمایاں طور پر محفوظ کر لیا گیا ہے جسے سینکڑوں سلسلہ ہائے شہادت کی تائید حاصل ہے۔ احادیثِ نبویہ کے ایسے مستند ثبوت دوسرے مذاہب بہ شمول یہودیت اور عیسائیت میں نہیں پائے جاتے۔ یہ روایتی بیان اور استناد صرف قرآنِ حکیم' ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے پیروکاروں کے ساتھ خاص ہے۔''

(iv) ''اگر کوئی شخص موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے قانونِ شریعت کا مقابلہ و موازنہ ہمارے نبی علیہ السلام کی شریعت سے کرنا چاہے تو وہ مؤخر الذکر کو اول الذکر سے کہیں زیادہ جامع اور فائق تر پائے گا کیونکہ آپ کی شریعت انفرادی اخلاقیات' دعا و مناجات' حیات بعد الممات' سماجی اخلاقیات' سیاسیات' اقتصادیات' تہذیب و ثقافت غرضیکہ ہر چیز کو شامل ہے۔''

(v) ''ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی استاد سے نہیں پڑھا یا سیکھا' نہ ہی کتب آپ کے زیر مطالعہ رہیں' نہ ہی آپ نے حصولِ علم کے لئے کسی غیر ملک کا سفر کیا' پھر بھی آپ نے دنیا کو جامع اور مکمل قانون عطا کیا جس کی باریکیوں کو سمجھنے کے لئے بڑے بڑے علماء وفضلاء نے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ اور یہ حقیقت اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ یہ معجزانہ علم سب من جانب اللہ تھا۔''

(vi) ''اور اگر کوئی شخص ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کا موازنہ دوسرے پیغمبروں کے اصحاب سے کرنا چاہے تو یہ کام بھی بڑی کامیابی کے ساتھ ہمارے نبی کے صحابہ کے حق میں ہو سکتا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے جہاد کی تیاری کے لئے کہا تو انہوں نے بہ بانگ دہل اس کا انکار کرتے ہوئے کہا:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ O (المائدۃ: ۲۴)

''سو آپ خود اور آپ کا خداوند چلے جائیں اور آپ دونوں لڑ بھڑ لیں' ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔'' (۲۴ : ۵)

''اور عیسائی روایات کے مطابق یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کیا تو آپ کے تمام حواری بھاگ گئے اور کوئی بھی آپ کے ساتھ نہ رہا اور عیسائی عقیدے کے مطابق یہودا نے اپنے آقا سے تیس حقیر سکوں کے عوض بے وفائی کی اور اپنے آقا کو گرفتار کرا لیا۔''

''اس کے برعکس ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کی غیر متزلزل وفاداری اور بہادری چار دانگ عالم میں مشہور ہے۔ اِن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے پیغمبر کی خاطر ایسی مالی اور جسمانی قربانیاں دیں جس کی مثال انبیائے سابقہ کی کسی بھی قوم میں نہیں ملتی۔ پھر آپ کے خلفائے راشدین کی طرف نظر پھیریئے جنہوں نے مختصر سے عرصہ میں دنیا میں اسلامی قانون کا نفاذ و استحکام کر دیا۔''

Marfat.com

(18) ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت ورسالت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ تمام انبیائے سابقہ آپ ﷺ کی آمد کا مژدہ اپنی اپنی قوم کو سناتے آئے ہیں، ایسی اعلیٰ وارفع عظمت وتوقیر والا پیغمبر جو از روئے قرآن ذیل کی خوبیوں کا حامل ہوگا:

(i) اَلرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ (الاعراف:۱۵۷)
''وہ نبی اُمی جسے وہ اپنے ہاں لکھا ہوا پاتے ہیں توراۃ اور انجیل میں۔'' (۷ : ۱۵۷)

(ii) اَوَلَمْ یَکُنْ لَّھُمْ اٰیَۃً اَنْ یَّعْلَمَہٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ O (الشّعراء : ۱۹۷)
''کیا ان لوگوں کے لئے یہ (کافی) دلیل نہیں کہ اُسے علمائے بنی اسرئیل جانتے ہیں؟'' (۲۶:۱۹۷)

قرآن حکیم میں بہت سی آیات ایسی ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام نے نبی علیہ السلام کی آمد کی پیش گوئی کردی تھی۔ اہلِ کتاب یعنی یہود ونصاریٰ بھی اس بات کو جانتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ آپ کی حیات ہی میں آپ کے دشمن ہو گئے جبکہ آپ کی آمد سے پہلے وہ ایسی باتوں کا ذکر کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اہلِ مکہ میں سے آخرالانبیاء ﷺ کی آمد کا وقت آپہنچا ہے۔''

''علمائے یہود ونصاریٰ نبی اکرم ﷺ کی آمد کے منتظر تھے۔ اُن میں پڑھے لکھے اور معقول لوگ جو مخلص سلیم الفطرت اور حسن نیت کے مالک تھے، فوراً آپ کی رسالت پر ایمان لے آئے جیسے یہود کے بہت بڑے عالم عبداللہ بن سلام اور ان جیسے دیگر لوگ۔ جبکہ دوسرے لوگوں نے یہ اچھی طرح جانتے ہوئے کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں، از راہِ حسد وعناد آپ کو جھٹلانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیات ۸۹، ۹۰، ۱۴۶ میں بیان ہوا۔

''تورات اور انجیل ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد سے متعلق واضح پیش گوئیوں سے پُر تھیں لیکن یہود ونصاریٰ نے تقریباً اُن سب میں تحریف کر کے اُن کی اصلیت کو مسخ کر دیا اور جن میں وہ تغیر وتبدل نہ کر سکے، اُس کی تعبیر وتاویل اُنہوں نے غلط رنگ میں کی۔ جس طرح بے قدرے یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق پیش گوئیوں کو بگاڑا اور اُن کی غلط تاویل کی، اسی طرح دنیائے عیسائیت نے ہمارے محمد ﷺ کی آمد سے متعلق پیش گوئیوں کے ساتھ کیا۔''

''اس طرح دنیائے عیسائیت کا یہ انکار کہ انجیل میں نبی آخرالزماں ﷺ کی آمد یا پیش گوئی کا کوئی ذکر نہیں، معقولیت اور اعتدال سے متجاوز اور اصل حقائق سے اُسی طرح بے جوڑ ہے جس طرح یہود کا رویہ عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے۔ جہاں دنیائے عیسائیت کے علماء وفضلاء کی طرف سے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ انبیائے سابقہ نے عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے متعلق بہت سی پیش گوئیاں کی ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ تورات وانجیل (Gospel)☆ دونوں میں ہمارے

☆(Gospel) کا معنیٰ خوشخبری کا ہے اور یہ نام اس لئے ہے کہ اس میں آخرالانبیاء ﷺ کی آمد کی خوشخبری ہے۔ ایسی خوشخبریاں عیسیٰ علیہ السلام کی تمثیلی زبان میں متعدد ہیں۔

Marfat.com

محمد ﷺ کی آمد کی نہایت واضح الفاظ میں پیش گوئیاں ہیں۔'' (''بشائر النبیہ'' از مولانا محمد ادریس کاندھلوی انگریزی ترجمہ' صفحات iv تا ix)

سورۃ الصّف کی آیت ۵ میں بھی عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی آخرالانبیاء احمد ﷺ نامی رسول کی آمد کی پیش گوئی کی گئی ہے۔

ورقہ بن نوفل ☆ وہ شخص تھے جو قبل از اسلام کے عرب دور میں بت پرستی سے دستبردار ہو گئے تھے۔ وہ ابراہیم علیہ السلام کے دینِ حنیف کی تلاش میں تھے اور اُنہیں کتب وصحائفِ آسمانی کا مطالعہ حاصل تھا۔ بعد میں اُنہوں نے عیسائیت قبول کر لی اور اُنہوں نے اپنے ذاتی استعمال کے لئے بائبل کے کچھ اجزاء کو نقل کر کے اُن کا ترجمہ کیا۔ حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے آغاز میں ورقہ عمر رسیدہ اور نابینا ہو گئے تھے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پہلی نزولِ وحی کے وقت سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے اس کا ذکر کیا جنہوں نے محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس میں رسولِ موعود کو پہچان لیا۔'' (سیرت ابن ہشام طبع مصر ۱۳۵۵/۱۹۳۷؛ صحیح بخاری: باب التعبیر؛ الاصابہ لابن حجر عسقلانی' جلد ششم (طبع قاہرہ ۱۳۲۵)؛ طبقات ابن سعد' جلد اوّل (طبع لیڈن ۱۹۰۵)؛ کتاب الاغانی لابی الفرج اصفہانی' جلد سوم ؛ اسد الغابہ لابن الاثیر' جلد پنجم بحوالہ ''محمد دی اُمّی نبی'' از ڈاکٹر یوسف عباس ہاشمی' صفحہ ۱۶۲)

''جب مغرب کے مسلمانوں نے احادیث اور سیرت لٹریچر میں ان حقائق کا مطالعہ کیا تو اُنہیں ایک انتہائی اُلجھے ہوئے مسئلہ کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر تو وہ احادیث اور سیرت کے بیانات کو خود اختراعی نہ سمجھتے تو یہ بات محمد ﷺ کے مشن کی صداقت کی دلیل تھی اور اگر وہ اُنہیں خود اختراعی سمجھتے تو یہ بات بیچارے ورقہ کو ''مذہبی مفکر''۔ ''حق کا متلاشی'' اور ''محمد ﷺ کا محسن'' ہونے کے اعزاز سے محروم کر دیتی اور وہ ایسے خطرے کو مول لینے کے لئے تیار نہ تھے۔''

''اُن کی پریشانی قابلِ فہم ہے۔ ورقہ جیسے حنیف اور حقیقت پسند شخص کی طرف سے محمد ﷺ کو رسول اللہ تسلیم کرنا اُن کے لئے موجب پریشانی تھا کیونکہ ایسی صورت میں ورقہ کی گواہی کی روشنی میں مسلمانوں کو رسالت کے ثبوت کی تائید حاصل ہو گئی۔ اس کے برعکس اگر انہوں نے ورقہ کے واقعہ کو خالصتاً افسانہ اور من گھڑت قصہ قرار دیا (جیسا کہ سپرینگر نے اپنی کتاب کی پہلی جلد میں ۱۸ صفحات پر مشتمل بیان میں کیا ہے) تو یہ اُن کی طرف سے اپنے ہم مذہب بھائی کو رسوا کرنا تھا۔ ورقہ بن نوفل کی وفات اسلام پر ہوئی۔'' ("Muhammad the Ummi Nabi"
... Prof. Dr. Yusuf Abbas Hashmi, pp. 155-156)

---

☆ سر ولیم میور ورقہ بن نوفل کے بارے میں رقمطراز ہے: ''معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کا محمد (ﷺ) کی ذہنی تسلی و تشفی کرانے میں بڑا حصّہ تھا کہ اُن کا مشن منجانب اللہ ہے۔'' (لائف آف محمد' صفحہ ۳۶) اور ''جس نے (یعنی ورقہ بن نوفل نے) اُن کی تعلیمات کو اپنے خیالات کے مثیل اور جزوِ لازم (Counterpart) پایا۔''

Marfat.com

''ہمارے نبی ﷺ کی پیش گوئی کئی طریق سے کی گئی۔ اپنی آمد پر آپ نے اپنی رسالت کے متعدد واضح نشانات دکھائے کیونکہ آپ کی حیاتِ طیّبہ اوّل سے آخر تک تمام کی تمام ایک کھلا معجزہ ہے۔ آپ باطل کے خلاف برسرِ پیکار ہوئے اور مشکلات پر فتح پائی۔ باوجود اس کے کہ آپ اُمّی تھے اور کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا' آپ نے انتہائی اعلیٰ وارفع حکمت کی تعلیم دی۔ آپ نے پتھر دلوں کو موم کر دیا اور نرم دلوں کو جنہیں نصرت وامداد کی ضرورت تھی' قوّت بخشی۔ آپ کے تمام اقوال وافعال میں اصحابِ بصیرت دستِ الٰہی کی کارفرمائی کو دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے باوجود جاہل ونادان کافروں نے اسے جادوگری کہا اور اُس حقیقت کو غیر حقیقت کا نام دیا جو تاریخِ انسانی کا ایک ٹھوس حقیقت بن گئی۔'' (عبداللہ یوسف علی' نوٹ: ۵۴۳۹)

(19) یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًاO وَ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیۡرًاO (الاحزاب: ۴۵' ۴۶)

''اے نبیِ مکرّم! بے شک ہم نے آپ کو (حق اور خَلق کا) مشاہدہ کرنے والا اور (حُسنِ آخرت کی) خوشخبری دینے والا اور (عذابِ آخرت کا) ڈرسنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور اُس کے اِذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور روشن کر دینے والا آفتاب (بنا کر) بھیجا ہے۔'' (۴۵'۴۶ : ۳۳)

شاھد کا معنیٰ گواہ ہے اور گواہ کے لئے ضروری ہے کہ جس واقعہ کی وہ گواہی دے رہا ہے' وہ وہاں موجود بھی ہو اور اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ چنانچہ علّامہ راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں لکھا ہے:

''شہادت وہ ہوتی ہے کہ انسان وہاں موجود بھی ہو اور وہ اُسے دیکھے بھی خواہ آنکھوں کی بینائی سے یا بصیرت کے نور سے۔''

علّامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شَاهِدًا عَلٰی اُمَّتِكَ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اُمت پر گواہی دیں گے۔ اپنی اس تفسیر کی تائید میں انہوں نے یہ حدیث پیش کی ہے:

اَخۡرَجَ اِبۡنُ الۡمُبَارَكُ عَنۡ سَعِیۡدِ بۡنِ الۡمُسَیَّبِ قَالَ: لَیۡسَ مِنۡ یَوۡمٍ اِلَّا وَیُعۡرَضُ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ اُمَّتَهٗ' غُدۡوَةً وَّعَشِیَّةً فَیَعۡرِفُهُمۡ بِسِیۡمَا هُمۡ وَلِذٰلِكَ یَشۡهَدُ عَلَیۡهِمۡ (تفسیر مظہری)

''حضرت عبداللہ بن مبارک نے حضرت سعید بن مسیّب سے روایت کی ہے کہ ہر روز صبح وشام حضور کی اُمّت حضور علیہ السلام پر پیش کی جاتی ہے اور حضور ﷺ ہر فرد کو اُس کے چہرے سے پہچانتے ہیں' اِسی لئے حضور علیہ السلام (بروزِ قیامت) اُن پر گواہی دیں گے۔''

علّامہ ابن کثیر اسی آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

Marfat.com

''حضور علیہ السلام اللہ کی توحید کے گواہ ہیں کہ اُس کے بغیر کوئی معبود نہیں اور قیامت کے دن لوگوں کے اعمال پر آپ گواہی دیں گے۔''

علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
''حضور علیہ السلام اپنی اُمّت پر گواہی دیں گے کیونکہ آپ اُن کے احوال و اعمال کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور روزِ قیامت اُن کے حق میں یا اُن کے خلاف آپ گواہی دیں گے۔''

آگے چل کر علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ صوفیائے کرام نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بندوں کے اعمال پر آگاہ فرما دیا ہے اور حضور نے اُنہیں دیکھا ہے، اس لئے آپ ﷺ کو شاہد کہا گیا۔

اس قول کی تائید میں علامہ آلوسی نے مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر نقل کیا ہے:
در نظر بودش مقامات العباد — زاں سبب نامش خدا شاہد نہاد
یعنی بندوں کے مقامات حضور علیہ السلام کی نگاہ میں تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسمِ پاک شاہد رکھا۔

مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس مقام پر جو حاشیہ لکھا ہے، اُس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں:

''آپ محشر میں بھی اُمّت کی نسبت گواہی دیں گے کہ اللہ کے پیغام کو کس نے کس قدر قبول کیا۔''

مُبشّر (خوشخبری دینے والا): یہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دوسرا لقب ہے۔ جو اس دین پر ایمان لائے گا، اس کے اَرشادات پر عمل کرے گا وہ دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہوگا۔

علامہ اسماعیل حقّی فرماتے ہیں: ''اہلِ ایمان اور اہلِ طاعت کو جنّت کی خوشخبری دیتے ہیں اور اہلِ محبت کو دیدارِ محبوب کی۔''

آپ کا تیسرا لقب نذیر ہے۔ اس کا معنیٰ ہے کسی شخص کو نافرمانی کے نتائج سے بروقت آگاہ کر دینا۔ یہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ اقدس ہے۔

آپ کا چوتھا لقب داعیًا الی اللہ باذنہ کہ آپ اللہ پاک کی مخلوق کو اللہ کی طرف دعوت دینے والے ہیں اور یہ کام چونکہ بہت ہی کٹھن اور دشوار ہے، کوئی آدمی اپنے عقیدہ کو چھوڑنے کے لئے بہ آسانی تیار نہیں ہوتا،

Marfat.com

اس لئے ساتھ ہی بِاِذْنِہٖ کا کلمہ بڑھا دیا۔ یعنی اے محبوب! ہم نے اس دشوار کام کو آپ کے لئے آسان بنا دیا ہے۔ اس کی ایک صورت یہی تھی کہ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو اُن گونا گوں خوبیوں اور دلفریبیوں سے ممتاز فرمایا تھا کہ دل خود بخود اُس طلعتِ زیبا کی طرف کھچے چلے جاتے تھے۔ وہ لوگ جن میں حق پذیری کا ادنیٰ سا بھی ملکہ موجود تھا' وہ اس شمعِ جمال پر پروانہ وار نثار ہوتے تھے اور دنیا نے دیکھا کہ عرب کے اُجڈ اور سخت مزاج لوگ کس طرح اپنے بچوں' اپنے آباد گھروں' قیمتی مال ومتاع اور وطنِ عزیز کو چھوڑ کر درِ مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء کی طرف کشاں کشاں جا رہے ہیں۔ ابھی چند دن پہلے خالد بن ولید نے میدانِ اُحد میں مسلمانوں کی فتح کو شکست میں تبدیل کر دیا لیکن وہی فاتح' خالد مکّہ کو الوداع کہہ رہا ہے اور اپنے گلے میں غلامی کا قلادہ ڈال کر سرکارِ مدینہ کی حاضری کے لئے کوہ ودمن' دشت وصحرا کو عبور کرتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ یہی دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ کی شان کا ایک ظہور ہے۔'' (ضیاء القرآن' جلد چہارم' صفحات ۸۱' ۸۲)

سراج منیر (منور کر دینے والا آفتاب): یہ آپ کا پانچواں لقب ہے یعنی آفتاب بھی اور آفتاب عالمتاب بھی۔ روشن اور اتنا روشن کہ دوسروں کو بھی نور وضیاء کا منبع ومصدر بنا دینے والا۔ حضرت عارف باللہ مولانا ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں: حضور علیہ السلام زبانِ فیض ترجمان سے تو داعی تھے اور اپنے قلبِ مبارک اور قالب منور کی وجہ سے سراج منیر تھے۔ اہلِ ایمان اس آفتاب کے رنگوں میں رنگے جاتے ہیں اور اس کے انوار سے درخشاں وتاباں ہوتے ہیں۔

عظمتِ رسول کی دل پذیر اور ایمان افروز لڑی میں سنن ابن ماجہ کی اُس حدیثِ مبارکہ کو بھی شامل کر لیجئے جس کا حوالہ گزشتہ صفحہ ۴۲۰۶ میں دیا گیا ہے۔

(20) يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدة: ۶۷)

''اے رسول! جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر اتارا گیا اُس کی تبلیغ کرتے رہیے' اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام پہنچایا ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ تمام لوگوں (کے شر) سے آپ کو محفوظ رکھے گا۔'' (۵ : ۶۷)

ایسے مفروضات' محالاتِ عادی ہی نہیں' محالاتِ عقلی بھی ہیں۔ پیغمبر کی شانِ ارفع سے یہ بات بہت ہی بعید اور محال بالذات ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے میں ذرّہ بھر بھی کوتاہی کرے۔

اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ کیا حضور ﷺ تبلیغ میں کوتاہی کرتے تھے کہ بَلِّغْ کے لفظ میں اُنہیں تبلیغ کا حکم دیا

Marfat.com

گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قسم کے خطاب حضور علیہ السلام کی تائید کے لئے ہوتے ہیں یعنی معنی یہ ہوگا کہ ''یوں ہی تبلیغ جاری رکھئے۔'' جیسا کہ سورۃ التحریم کی اوّل آیت (۱:۶۶) میں فرمایا: یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ یعنی ''اللہ سے اسی طرح ڈرتے رہیئے''۔ (اور یہ ترجمہ صحیح نہیں ہوگا کہ اے نبی! اللہ سے ڈریئے۔ حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا نہ کوئی ہوا اور نہ ہوگا)۔ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ (اگر آپ نے یہ نہ کیا) کے الفاظ میں بھی حضورِ والا کی شانِ ارفع کو اجاگر کرنا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی بعثت اور نزولِ قرآن سے پہلے بھی عملی مبلّغ تھے اگرچہ قولی تبلیغ اعلانِ نبوّت کے بعد شروع کی لیکن آپ کی عملی تبلیغ ولادت ہوتے ہی شروع ہوگئی تھی: وہ اس طرح کہ (۱) کیا بی بی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا بایاں پستان نہ چوسنے اور اُسے اپنے رضاعی بھائی کے لئے چھوڑ دینے میں آپ کی طرف سے عدل کی تبلیغ نہ تھی؟ (۲) نماز کا حکم ملنے سے پہلے آپ نے جو نمازیں خود پڑھیں' کیا یہ تبلیغ نہیں تھی؟ اور کیا (۳) حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ سے زائد صحابہ کے مجمع سے کیا آپ نے اپنی تبلیغ کی بابت گواہی نہیں لی اور سب کے گواہی دینے پر آپ نے تین بار آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر اُن کی گواہی پر کیا اللہ کو گواہ نہیں بنایا؟

اصل میں بات یہ ہے کہ زیرِ نظر آیت میں ناممکن کو ناممکن پر معلق کیا ہے۔ جس طرح سورۃ الحآقّۃ کی آیات ۴۴ تا ۴۷ میں فرمایا کہ ''اگر یہ رسول بعض باتیں خود گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دیتا تو ہم اُس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے' پھر ہم اُس کی رگِ دل کاٹ ڈالتے' پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔'' یہاں مقامِ نبوّت کی نازک اور گراں ذمّہ داریوں کو اُجاگر کیا جا رہا ہے اور سوال کیا جا رہا ہے کہ اے میرے رسول کے دشمنو! ذرا یہ تو بتاؤ کہ اگر میرے اس رسولِ مکرّم نے اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر میری طرف منسوب کی ہوتی تو کیا میرا جوشِ غضب اُسے معاف کرتا؟ ہرگز نہیں' میں تو اُس کی رگِ جاں کاٹ کر اُسے ہلاک کر کے رکھ دیتا۔ جب میں نے رگِ جاں کاٹی نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر وحی میں نہیں ملاتا' پس سمجھ لو کہ وہ میرا سچا رسول ہے اور میری جو وحی اُس پر نازل ہوتی ہے' اُسے مِن وعَن بلا کسی کمی بیشی کے تم تک پہنچا دیتا ہے۔ چنانچہ یہ بظاہر سخت بیان دراصل شانِ نبوّت کی رفعت اور عظمتِ مصطفی ﷺ کی عطر بیز خوشبو میں رسا بسا ہوا ہے۔

اِسی آیت کی روشنی میں سورۃ المآئدۃ کی مذکورہ آیت ۶۷ کو سمجھا جا سکتا ہے کہ چونکہ آپ نے احکامِ الٰہی میں سے کوئی بات نہ چھپا کر تبلیغ کا فریضہِ نبوّت ادا کر دیا ہے اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں کہ آپ نے اللہ کا پیغام اُس کے بندوں تک نہیں پہنچایا۔ یہ کہنا تو تب صحیح ہوتا جب آپ سے فریضہِ نبوّت کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی ہوئی ہوتی۔

''اعلانِ نبوّت سے پہلے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم کی آنکھوں کا تارا تھے۔ اُن کی زبانیں حضور ﷺ کو ''الصادق'' اور ''الامین'' کہنے سے نہیں تھکتی تھیں۔ لیکن جس روز نبی رؤف ورحیم نے دینِ توحید کی تبلیغ کا آغاز کیا تو حالات یکسر بدل گئے۔ جو لوگ آپ ﷺ کے قدموں میں آنکھیں بچھانا اپنی سعادت سمجھتے تھے' وہ اب خون کے

Marfat.com

پیاسے ہو گئے۔ مکی زندگی میں بھی آپ علیہ السلام ایسے عیار دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے جو آپ کے خون کے پیاسے تھے اور ہجرت کے بعد جب آپ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف فرما ہوئے تو وہاں بھی دشمنانِ اسلام جن میں منافقین اور یہودی پیش پیش تھے' اُن کی سازشیں اور منصوبہ بندیاں صرف اِس نقطہ پر مرکوز تھیں کہ جس طرح ہو سکے' اِس آواز کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا جائے جو اُنہیں ہر لحظہ اللہ وحدہ' لاشریک پر ایمان لانے کی دعوت دیتی رہتی ہے۔"

"جنگوں کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ جب استراحت فرما ہوتے تو جاں نثار اور وفادار غلاموں کا ایک دستہ رات بھر حضور علیہ السلام کا پہرہ دیا کرتا لیکن جب سورۃ المائدۃ کی آیتِ مذکورہ نازل ہوئی تو اُس دن سے آپ ﷺ نے پہرہ داروں کو اپنے گھر بھیج دیا اور فرمایا کہ اللہ نے میری حفاظت کی ذمہ داری اُٹھالی ہے اور اب مجھے کسی بداندیش سے کوئی خطرہ نہیں رہا۔ چشمِ فلک نے دیکھا کہ آپ کی حیاتِ طیبہ میں بڑے بڑے خطرناک لمحات بھی آئے لیکن محبوبِ رب العالمین ﷺ نے ذرّہ بھر پروا نہ کی۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر کامل اعتماد کرتے ہوئے کبھی حفاظتی تدابیر کی طرف توجہ نہ دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا فرمایا اور بعد میں کوئی دشمن محبوبِ رب العالمین کو کوئی گزند نہ پہنچا سکا۔"

اس سلسلہ میں اُن بعض مستشرقین کا حوالہ دینا بے جا نہ ہوگا جنہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پُرعزم اور غیر مذبذب خلوص؛ اور الٰہی مشن کی صداقت پر آپ کے وقیع ایمان کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے :۔

(۱) وہ قربانیاں جو ابو طالب اور اُن کے خاندان نے اپنے بھتیجے کے لئے دیں' وہ ابو طالب کے خالصتاً شریفانہ اور بے غرض کردار پر مُہر ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ محمد (ﷺ) کے خلوص کا بھی ثبوت ہیں۔ ابو طالب کسی چالباز' دھوکے باز کے لئے ایسی قربانیاں نہ دیتے کیونکہ اُنہوں نے وسیع اسباب سے (اپنے بھتیجے کا اور حالات کا) جائزہ لے لیا تھا۔ ("The Life of Mahomet" ... Sir William Muir, Vol. 2, p.195)

(۲) مشن کا پہلا عشرہ آزمائش و ابتلاء کا زمانہ تھا اور اس سارے زمانہ میں کسی بھی آدمی کو اتنے شدید طور پر نہیں آزمایا گیا جتنا محمد (ﷺ) کو۔ ناامیدیوں' استہزاء و تمسخر' ہتک آمیزیوں اور تشدد کا پورے طور پر آپ کو نشانہ بنایا گیا لیکن آپ نے ہر چیز کمال استقامت کے ساتھ برداشت کی اور آپ کا ایمان متزلزل نہیں ہوا۔
("Religions of the World"... G. M. Grant, p. 22)

(۳) جب آپ اپنے شیر خوار بچے جناب ابراہیم کے بسترِ مرگ پر جھکے ہوئے تھے تو اس سخت ترین صدمہ کے وقت بھی آپ کا انداز اور رویّہ راضی برضا ہونے کا مظہر تھا اور جنت میں جلد ہی اپنے بچے سے ملنے کی امید میں آپ کی تسلی تھی۔ جب آپ اپنے بچے کی قبر کو گئے تو آپ نے قبرستان کے ہیبت ناک منظر میں اپنے ایمان کی مضبوطی'

Marfat.com

توحیدِ الٰہی اور اپنے مشنِ رسالت کو قائم رکھتے ہوئے اپنے بچے کی روح کو پکارا۔ اپنے وقتِ وفات میں بھی جب کوئی دنیاوی مقصد سامنے نہ تھا' تو آپ نے اُس وقت بھی اُسی مذہبی لگن اور اپنی رسالت کے مشن کا اظہار کیا۔ آخری الفاظ جو آپ کے ہونٹوں پر لرزاں تھے' وہ بھی انبیائے سابقہ کے ساتھ جلد ہی خوش کن ہمراہی کی امید کا مظہر تھے۔'' ("Mahomet and his Successors".. Washington Irving, Vol. 1, p. 345)

(۴) ''قرآن نے اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ کوئی بھی انسان کلامِ الٰہی میں تغیر و تبدل نہیں کر سکتا اور اگر محمد (ﷺ) نے کبھی ایسا کیا تو نتائج مہلک ہوں گے۔''☆ ("Muhammad -- A Biography of the Prophet"--- Karen Armstrong, p. 112)

(۵) ''اگر آپ کو اپنے (الٰہی) پیغام پر پختہ اور غالب ایمان نہ ہوتا تو یہ یقین کرنا بہت ہی مشکل ہے کہ آپ نے ایسا حتمی اعتماد کیسے حاصل کر لیا یا اپنے ماحولیات پر اتنا گہرا اثر کیونکر چھوڑا۔ محمد (ﷺ) اپنی دعوت کو انتہائی مخلصانہ سمجھتے تھے۔ قیامت کے دن آپ احکم الحاکمین کے حضور پیش ہونے سے لرزلرز جاتے تھے اور آپ اپنے خدائی مشن کو ترساں اور لرزیدہ ادا فرماتے تھے۔'' ("Muhammad the Man and his Faith"--- Tor Andrae, p. 178)

(۶) ''محمد (ﷺ) کو اپنے الٰہی مشن اور اللہ کی طرف سے اپنی بعثت و رسالت پر پورا یقین تھا اور اس حیثیت سے آپ ملک میں بڑی اصلاح لائے۔ اس الٰہی مشن کی بنیاد ذرا بھی غلط نہ تھی۔ تمسخر و استہزاء اور تشدّد کے درمیان آپ نے اپنے ایمان کو متزلزل نہیں ہونے دیا۔ کوئی بھی دھمکی اور کوئی بھی دل آزاری آپ کو وحدانیتِ الٰہی اور صراطِ مستقیم کی تبلیغ سے نہ روک سکی۔ آپ نے لوگوں کو ملک میں رائج عام بد اخلاقی سے کہیں بہتر اعلیٰ اخلاقیات کی ترغیب دی۔'' ("The Message of the Qur'an",Chapter III, p. 339 --- John Davenport)

(۷) ''متدیّن اور زاہد و متقی مسلمان کے نزدیک محمد (ﷺ) کا اسمِ (مبارک) ہر زمینی نام سے کہیں بلند و بالا ہے اور ایسے شخص کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کے حق و صداقت کے پُر جوش جذبے اور الٰہی مقصد کی درخشاں پیشکش نے اپنے پیروکاروں کے دلوں کو وجد و کیف' حمد و ستائش اور ایمان کی پختگی کا جوش دلایا۔ پیغمبر (علیہ السلام) کے سفرِ حیات کے دوران فیصلہ کن تاریخی لمحات کی عکاسی میں قرآن (مجید) نے ہر چیز سے بڑھ کر آپ کے کردار کے مرکزی نقطے یعنی آپ کے غیر متزلزل یقین' الٰہی مشن پر آپ کے مستقل اور پُر عزم ایمان اور اپنی دعوت کے حق ہونے پر زیادہ زور دیا ہے۔ اور یہی چیز آپ کو ایک ممتاز و نمایاں ہستی بناتی ہے۔'' ("The Great Religions of the World"--- Edward J. Jurji. p. 179)

---

☆ درحقیقت کرن آرمسٹرانگ یہاں سورۃ الحآقۃ (۶۹) کی آیات ۴۴ تا ۴۷ کی ترجمانی کر رہی ہیں۔

Marfat.com

(۸) ''محمد (ﷺ) کی شخصیت کی اُن کے پیروکاروں نے حد سے زیادہ تعریف وستائش کی ہے اور اُنہیں مثالی بنا دیا ہے اور برابر کے اُسی مبالغہ کے ساتھ عیسائیوں نے آپ کی مذمت کی ہے۔ آپ (ﷺ) عہد نامہ عتیق (تورات) کے کلاسیکی طور کے پیغمبروں سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ مخلصانہ ایمان کی دولت سے لبریز تھے جس کا منبع آپ کا اللہ کے ساتھ حقیقی رابطے کا تجربہ تھا۔ آپ کی طرف نازل شدہ وحی کے مقابل ہر چیز ہیچ اور کم تر تھی۔'' (New Caxton Encyclopaedia, Vol. XIII, p. 4236)

(۹) ''تا دم آخر آپ (ﷺ) نے پُر جوش طور پر اللہ کو خوش کرنے اور اپنی قوم کی نجات کے لئے کوشش کی اور در حقیقت الٰہی مشن پر آپ کے ایمان میں کوئی کمی نہیں آئی۔'' ("Geschichte des Qurans", Vol. 1 --- Theodre Noldeke, p. 6)

(۱۰) ''ہمیں معلوم ہے کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اپنے مذہبی مشن کی آگاہی سے اتنے گہرے طور پر متاثر تھے کہ آپ دنیاوی دھن دولت اور عزت وحشمت کے مقام کو خیر باد کہنے اور اہلِ مکّہ کے سالوں تک کے تمسخر و استہزاء اور نفرت کا مقابلہ کرنے کو تیار تھے۔'' ("Medieval and Modern History"--- Hutton Webster, p. 73)

(۱۱) ''محمد (ﷺ) کے خلوص کے لازمی وصف کی بابت کسی سوال کی ضرورت نہیں ہے۔'' ("Introducation to the Qur'an"--- Richard Bell, p. 36)

(۱۲) ''لہٰذا سائنس (علومِ عقلیہ) کا طالب علم محمد (ﷺ) میں چالباز آدمی کی کوئی بات نہیں پاتا بلکہ وہ آپ (ﷺ) کے خلوص وصداقت کے نقوش سے پوری طرح متفق ہے جس کا اظہار پہلے نبیوں کی وحیوں میں کیا گیا تھا۔ سورہ یونس کی آیت ۱۶ اور سورۃ القصص کی آیت ۸۵ وغیرہ ہمیں بتاتی ہیں کہ آپ نے مکّی زندگی میں اپنے اعلیٰ وارفع کام پر غیر متزلزل یقین کے ساتھ لوگوں کی دشمنی اور ذلت کو بے غرضانہ طور پر برداشت کیا۔'' (Shorter Encyclopaedia of Islam -- H.A.R. Gibb & Kramers,p.393)

(۱۳) ''ایک سے زیادہ مرتبہ آپ کی زندگی کو خطرہ ہو گیا لیکن ایک مقتدرِ اعلیٰ ذات نے اپنے اس پیغام رساں نمائندے کو اپنی حفاظت میں رکھا۔ ایک دشمن کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی جس نے آپ کے سر کے اوپر سے اُسے گھمایا تھا۔'' ("Historians' History of the World", Vol. 8, p. 123)

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سورۃ المائدہ کی مذکورہ آیت ۶۷ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو

Marfat.com

حفاظت کا یقین دلا دیا تھا تو آپ جنگِ اُحد میں زخمی کیوں ہوئے؟ مفسرینِ قرآن نے اس کا کئی طرح سے جواب دیا ہے۔ لیکن سب سے واضح جواب مولانا اشرف علی تھانوی نے دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ کی حفاظت کا وعدۂ الٰہی تبلیغ کے سیاق میں کیا گیا تھا اور وہ بھی قتل ہونے کی حفاظت سے متعلق تھا جیسا کہ امام بغوی نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے:

يَعْصِمُكَ مِنَ الْقَتْلِ فَلَا يَصِلُوْنَ اِلٰى قَتْلِكَ

''اللہ آپ کو قتل ہونے سے محفوظ رکھے گا تو لوگ آپ کو قتل نہیں کرسکیں گے۔''

(21) لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ O (الشعراء: ۳)

''شاید کہ آپ (اے حبیب!) اُن کے ایمان نہ لانے پر اپنی جان پر کھیل جائیں گے۔'' (۲۶:۳)

اوپر کی آیت ۳ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی اُمّتِ (دعوت) کے لئے کمالِ شفقت کا اور کفار کے منفی ردِّعمل پر آپ کے دکھ درد اور شدید رنج والم کا اظہار ہے۔ علامہ آلوسی بغدادی نے اس آیت ۳ سے دو نکات اخذ کئے ہیں: اوّل یہ کہ نبی علیہ السلام اپنی امت کے لئے بہت ہی مشفق اور مہربان ہیں۔ دوم یہ کہ کفار کو ایمان کی راہ پر لگانے میں آپ کی فکر الٰہی فیصلہ کے خلاف نہیں ہے۔ (روح المعانی، جزء ۹، صفحہ ۵۹ طبع بیروت)

دیگر مفسرین نے کچھ اور بھی نکات اخذ کئے ہیں مثلاً: (۳) اگر کفار اور گمراہ لوگوں کو راہِ حق پر لانے میں ہماری کوششیں بار آور نہیں ہوتیں تو ہمیں بے دل نہیں ہونا چاہئے۔ (۴) ہدایت دینا پیغمبر علیہ السلام کے ذمہ نہیں، بلکہ رشد وہدایت کی عطا صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۷۲ اور سورۃ القصص کی آیت ۵۶ میں ارشاد ہوا۔

مکّی زندگی کے وسط کا زمانہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بڑا ہی صبر آزما زمانہ تھا کہ کفارِ مکّہ اپنے پیغمبر کی طرف سے لائے ہوئے الٰہی پیغام کو قبول کرنے پر تیار نہ ہوئے جو اُن کے حق وصداقت کے انکار پر ہمیشہ مضطرب اور پریشان رہتے تھے اور حد درجہ آرزومند تھے کاش کہ وہ اسلام قبول کرکے نارِ جہنم سے بچ جائیں۔ اُن ناگفتہ بہ اور تکلیف دہ حالات میں محوّلہ بالا آیت آپ ﷺ کے لئے بڑے ہی سکون وراحت کا باعث بنی۔

''مکّہ کے مادّی تجارتی شہر میں جہاں زراندوزی اور سودی کاروبار اپنے عروج پر تھے، جہاں فارغ اوقات کو گزارنے کا مشغلہ عورتیں، شراب اور جوا تھے، جہاں ''جس کی لاٹھی اُس کی بھینس'' کا راج تھا اور جہاں بیواؤں، یتیموں اور کمزور و ناتوانوں سے زائد از ضرورت بوجھ کا برتاؤ کیا جاتا ہو، وہاں محمد ﷺ کی حساس جان ہی تھی جس نے انتہائی المناک جذبات کا تجربہ کیا۔ آپ نے اپنے صبر وضبط سے بڑھ کر ان صدمات وآلام کو برداشت کیا۔'' (Hurgronje)

Marfat.com

(22) لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ فِیْ سَکْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ O (اَلْحِجر : ۷۲)

''(اے حبیبِ مکرّم!) آپ کی عمرِ مبارک کی قسم! بے شک یہ لوگ اپنی بدمستی میں سرگرداں پھر رہے ہیں۔'' (۱۵ : ۷۲)

نفسانی خواہشات اور گناہوں کا دیوانہ پن اپنی تباہی خود ہی اپنے ہاتھوں لاتا ہے جس سے توبہ وندامت یا رحمت کی آخری امید بھی ٹوٹ جاتی ہے۔ یہ آیت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حد درجہ تعظیم میں نازل ہوئی کیونکہ:

(۱) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا: مَا خَلَقَ اللّٰہُ نَفْسًا اَکْرَمَ عَلَیْهِ مِنْ مُحَمَّدٍ ﷺ وَمَا اَقْسَمَ بِحَیَاۃِ اَحَدٍ اِلَّا بِحَیَاتِهٖ

''ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ سے بڑھ کر زیادہ عزت وتعظیم والا کسی کو پیدا نہیں کیا اور اللہ نے محمد ﷺ کی زندگی کی قسم کے سوا کسی اور کی زندگی کی قسم نہیں کھائی۔''

(۲) هٰذَا نِهَایَةُ التَّعْظِیْمِ وَغَایَةُ الْبِرِّ وَالتَّشْرِیْفِ (قرطبی)

''پیغمبر علیہ السلام کی یہ انتہا درجے کی تعظیم وتکریم ہے۔''

(23) یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ O (الانفال : ۶۴)

''اے نبی (مکرّم!) آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور وہ مسلمان جنہوں نے آپ کی پیروی اختیار کرلی۔'' یا

''اے نبی (مکرّم!) آپ کے لئے اور اُن مسلمانوں کے لئے جنہوں نے آپ کی پیروی اختیار کرلی' اللہ کافی ہے۔'' (۸ : ۶۴)

مفسرین کے نزدیک آیت کے درجِ بالا دونوں ترجمے درست ہیں کیونکہ وَمَنِ اتَّبَعَکَ کا عطف لفظ اَللّٰہ پر بھی ہوسکتا ہے اور حَسْبُکَ کے ک پر بھی۔ تفسیر قرطبی کے حاشیہ کے مطابق آیت میں اِضمار (Ellipsis) یعنی تخفیفِ عبارت ہے اور اصل عبارت یوں ہے: حَسْبُکَ اللّٰہُ وَ حَسْبُکَ مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی اے نبی (معظم!) اللہ اور آپ کے جاں نثار پیروکار آپ کی مدد کے لئے کافی ہیں اور اُن کے بعد آپ کسی اور کی نصرت وامداد کے محتاج نہیں ہیں۔ اوپر پہلا ترجمہ اِسی تاویل کی رُو سے کیا گیا ہے۔ سورۃ الزُّمر کی آیت ۳۶ میں نبی علیہ السلام کو اس طرح راحت وسکون کا سامان مہیا کیا گیا ہے:

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ ''کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کافی نہیں؟'' (۳۹ : ۳۶)

(24) طٰہٰ O مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰی O (طٰہٰ : ۱، ۲)

Marfat.com

''طٰہٰ ہم نے قرآن (اے محبوبِ مکرّم!) آپ پر اس لئے نازل نہیں فرمایا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔'' (۱'۲ : ۲۰)

سورت کے افتتاحی لفظ طٰہٰ کی متعدد تاویلات کی گئی ہیں جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں :

(i) کچھ مفسرین کے نزدیک بروئے حدیث طٰہٰ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسمِ مبارک ہے۔(ضیاء القرآن جلد سوم' صفحہ ۱۰۳)

(ii) کچھ علماء کے نزدیک حرف طا' طہارہ (پاکیزگی) کے لئے اور حرف ھا ہدایت کے لئے ہے اور تخفیفِ عبارت (اِضمار) کے بعد عبارت یوں ہے :

یَا طَاهِرًا مِّنَ الذُّنُوْبِ یَا هَادِیَ الْخَلْقِ اِلٰی عَلَّامِ الْغُیُوْبِ (تفسیر قرطبی)

''اے گناہوں سے پاک ذات! اے مخلوقات کو مخفی باتوں کے بہت زیادہ جاننے والے کی طرف ہدایت دینے والے!''

(iii) علامہ نظام الدین نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں ایک باریک نکتہ پیدا کیا ہے اور کہا ہے کہ علمِ جُمل کے مطابق ط کے حرف کے ۹ عدد اور ہ کے حرف کے ۵ عدد بنتے ہیں اور اِن دونوں کا مجموعہ ۹ + ۵ = ۱۴ ہے۔ اب طٰہٰ کا معنیٰ یہ ہوگا : ''اے چودھویں رات کے مہِ کامل''۔علامہ موصوف کی عبارت یوں ہے:

قِیْلَ اَلطَّاءُ تِسْعَةٌ'' فِی الْحِسَابِ وَالْهَاءُ خَمْسَةٌ'' وَمَعْنَاهُ : یَا اَیُّهَا الْبَدْرُ!(تفسیر نیشاپوری)

''کہا گیا ہے کہ علمِ جُمل میں ط کے حرف کے ۹ عدد اور ہ کے پانچ عدد ہیں۔ اب طٰہٰ کا معنیٰ یہ ہوگا: اے چودھویں رات کے کامل و اکمل چاند!

(iv) علامہ نیشاپوری کی اس تاویل کا ذکر کرنے کے بعد علامہ سید محمود آلوسی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں :

فَکَاَنَّہٗ قِیْلَ : یَا بَدْرَ سَمَاءِ عَالَمِ الْاِمْکَانِ (روح المعانی)

'' گویا کہ یوں کہا گیا ہے : اے عالمِ امکان کے آسمان کے کامل و اکمل چاند!''

کافروں کے اسلام قبول کرنے کی شدید آرزو اور انتہائی خواہش میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں چاہتے تھے کہ وہ اپنی بدعملیوں کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بنیں۔ اس وجہ سے آپ ہمیشہ مضطرب اور پریشان رہتے تھے۔ رب تعالیٰ سے اپنے محبوب ﷺ کی یہ بے آرامی اور بے چینی برداشت نہ ہوئی تو اُس نے آپ ﷺ کی تسلی و تشفی کے لئے یہ آیات نازل فرمائیں کہ ''اے اس چرخِ نیلگوں کے مہِ کامل! ہم نے یہ قرآن اس لئے نازل نہیں فرمایا کہ آپ اِن کافروں کے کفر اور نادانی پر کُڑھتے رہیں اور پریشان ہوتے رہیں۔ آپ نے تو اُن تک ہمارا پیغام پہنچانے کا فریضہ ادا کر دیا ہے اور اس کے بعد آپ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ اب یہ اُن کی مرضی ہے کہ پیغامِ حق کو قبول کریں یا نہ کریں۔ اُن کے تعصب' ہٹ دھرمی' بد دماغی اور انانیت کے رویّہ پر آپ کیوں اپنے آپ کو ہلکان کرتے ہیں؟

Marfat.com

ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ آیت مذکورہ میں تَشْقٰی کا لفظ شقاوت (بہ معنیٰ بدبختی) سے ہے جو سعادت (خوش بختی) کا متضاد لفظ ہے۔ ایک روایت کے مطابق ایک دن ابوجہل اور نضر بن حارث پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے اور کہا: اِنَّكَ شَقِيٌّ "لِاَنَّكَ تَرَكْتَ دِيْنَ آبَاءِكَ (معاذ اللہ!'' اپنے آباء واجداد کے دین کو چھوڑ دینے کی وجہ سے آپ بدبخت ہو گئے ہیں۔'' اُن کے اس خود اختراعی الزام کو مسترد کرتے ہوئے مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی جس میں کہا گیا: اے بدبختو! قرآن لوگوں کو بدبخت بنانے کے لئے نازل نہیں ہوا بلکہ وہ تو محروم القسمت اور بدقسمت لوگوں کو فیوض و برکات کی اعلیٰ اور بلند ترین چوٹیوں تک پہنچانے کے لئے نازل ہوا ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

رَدَّ ذٰلِكَ بِاَنَّ دِيْنَ الْاِسْلَامِ وَهٰذَا الْقُرْآنُ هُوَالسُّلَّمُ اِلٰى نَيْلِ كُلِّ فَوْزٍ وَالسَّبَبُ فِيْ دَرْكِ كُلِّ سَعَادَةٍ (قرطبی)

''اس آیت میں ابوجہل اور نضر بن حارث کے طعن کو یہ کہتے ہوئے ردّ کیا گیا ہے کہ اسلام اور یہ قرآن ہر فوز و فلاح کی سیڑھی ہے اور ہر قسم کی برکت حاصل کرنے کا سرچشمہ ہے۔''

(25) مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء: ۸۰)

''جس نے رسول (ﷺ) کا حکم مانا تو بے شک اُس نے اللہ ہی کا حکم مانا۔'' (۴:۸۰)

جب ہم نے محمد ﷺ کو اللہ کا سچا رسول تسلیم کر لیا تو ہم معقولیت اور منطق کے تمام اصولوں کی رُو سے آپ کے تمام احکامات کی واضح طور پر پیروی کرنے کے پابند ہیں چاہے ہم کسی خاص حکم کا مقصد سمجھنے کے قابل ہوں یا نہ ہوں۔ عام انسانوں کے پاس واسطہ رسول کے سوا معرفتِ الٰہی کا کوئی ذریعہ نہیں۔ آیت میں اُن گمراہ فرقوں کا ردّ آ گیا جو رسول کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کے ہم معنیٰ نہیں سمجھتے۔ آیت عصمتِ رسول کے مضمون کو بھی واضح طور پر بیان کر رہی ہے کہ اگر رسول ﷺ سے ذرا سا بھی غلطی اور خطا کا اِمکان ہوتا تو اُن کی اطاعت عین اطاعتِ الٰہی کیسے قرار پا سکتی؟ (تفسیر کبیر) علاوہ حدیثِ نبوی کے جہاں یہ مضمون تصریحاً آیا ہے، فقہائے کرام نے اس آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ رسول کی نافرمانی عین حق تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔

(26) وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ O (اَلْحَشر: ۷)

''اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرما دیں اُسے لے لیا کرو اور جس سے تمہیں روک دیں تو (اُس سے) رک جایا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔'' (۵۹ : ۷)

یہاں ''اللہ سے ڈرتے رہو'' کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تقسیم وعطا پر بھی زبانِ طعن نہ کھولو۔

Marfat.com

اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ رسول ﷺ کے اوامر و نواہی کا قبول نہ کرنا غضبِ الٰہی کو للکارنا ہے کیونکہ:

''پیغمبر ﷺ کی حیران کن حیاتِ طیبہ قرآن مجید کی تفسیر ہے جیسا کہ اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا۔ ہم اس کتابِ مقدس سے انصاف اُس وقت تک نہیں کر سکتے جب تک ہم صاحبِ قرآن کی مکمل طور پر پیروی نہ کریں کیونکہ صاحبِ قرآن ﷺ اللہ کی زبان ہیں۔'' ("Islam on the Crossroads" -- Mohammad Asad, p. 92)

آیت میں مَا عمومیت کا ہے۔ مَا آتَاكُمُ ہر امر کو اور مَا نَهَاكُمْ عَنْهُ ہر نہی کو شامل ہے۔ اس لئے جمہور محققین کا مسلک یہ ہے کہ گو نزولِ آیت عطائے مالِ فَے ☆ میں ہوا ہے لیکن اس کا حکم عام ہے اور حضرت رسالتمآب ﷺ کے جملہ اوامر و احکام واجب القبول ہیں جیسا کہ امام بغوی نے ''معالم التنزیل'' میں، ابنِ کثیر اور امام بیضاوی نے اپنی اپنی تفاسیر میں بیان کیا ہے۔

آیت ''فتنۂ انکارِ حدیث'' پر بھی ضربِ کاری ہے۔

(27) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ O (الانفال)

''اللہ اُنہیں عذاب نہیں دے گا اس حال میں کہ آپ اُن میں موجود ہوں اور نہ اللہ اُن پر عذاب لانے کا ہے اس حال میں کہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔'' (۸ : ۳۳)

اِس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ ربُّ العزت نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت و رفعت کی خاطر اپنے آفاقی نظامِ سزا کو بدل دیا ہے۔ اُممِ سابقہ کی نافرمانیوں اور حد درجہ گناہوں کی وجہ سے اُن پر مختلف قسم کے عذاب بھیجے گئے اور وہ قہرِ الٰہی کے مورد قرار پائے۔ لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری پر رب تعالیٰ نے اپنے اس قاعدے اور ضابطے کو تبدیل کر دیا اور یہ حقیقت نبی علیہ السلام کے علوّ درجہ اور اُس مقامِ رفیع کی غماز ہے جو اُنہیں رب تعالیٰ کے حضور حاصل ہے۔ یہ آپ علیہ السلام ہی کی بدولت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف مسلمانوں سے عذاب سے دست کشی کی بلکہ کافروں، یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی درگزر کیا۔ عذاب سے یہ دست کشی کسی خاص وقت کے لئے محدود نہیں بلکہ آپ کی رسالت و نبوّت کا جزوِ لاینفک بن گئی ہے۔ جب تک آپ کی موجودگی بہ حیثیت پیغمبر اور فرستادۂ الٰہی اس خاکدانِ گیتی میں رہے گی، لوگوں پر عذاب نہیں آئے گا اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ آپ کی رسالت روزِ قیامت تک باقی رہے گی کیونکہ آپ کی ہم میں موجودگی (وَأَنْتَ فِيهِمْ) رحمتِ خداوندی میں بدل گئی۔ لہٰذا جب تک آپ ہم میں موجود ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ضمانت ہے کہ اُمّتِ مسلمہ ہر قسم کی سزا سے

☆ اسلامی اصطلاح میں فَے وہ مال ہے جو کافروں سے لڑے بغیر مسلمانوں کے ہاتھ آ جائے۔

Marfat.com

محفوظ رہے گی۔اس طرح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ ستودہ صفات عذابِ الٰہی کے نہ ہونے کا ایک نشان بن گئی ہے۔'' ("Islamic Concept of Intermediation", pp. 166-167)

تاریخ کے اَن مٹ حقائق کو سامنے رکھئے کہ کفارِ مکہ اسلام کا نام صفحۂ ہستی سے مٹانے میں سرتوڑ کوشش کر رہے تھے اور اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ پر اور آپ کے صحابہ کرام پر ناگفتہ بہ تشدّد اور انسانیت سوز مظالم کی انتہا کر دی تھی۔صورتِ حال اپنی انتہا میں یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اب اُنہوں نے رب تعالیٰ کو بہ ایں الفاظ چیلنج کر دیا تھا:

اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (الانفال: ۳۲)

''اے اللہ! اگر یہی (قرآن) تیری طرف سے حق ہے تو (اس کی نافرمانی کے باعث) ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب بھیج دے۔'' (۸ : ۳۲)

اِن تمام حقائق کے مدِّ نظر یہ بات بالکل درست اور بے خطا تھی کہ عدل و انصاف گاڑی کا پہیہ (Chariot Wheel) حرکت میں آتا اور اُنہیں صفحۂ ہستی سے نابود کر کے رکھ جاتا۔لیکن شانِ کریمی نے ایسا نہیں کیا۔کیوں؟ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ پیارے! میں نے تجھے رحمۃ للعالمین کا سہرا پہنا کر بھیجا ہے (بحوالہ سورۃ الانبیاء: آیت ۱۰۷)۔جب تک تو اُن میں موجود ہے میں اُن پر عذاب نہیں بھیجوں گا۔

حیرانی کی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جانی و ازلی دشمن جنہوں نے آپ پر پتھر برسائے' آپ کی راہ میں کانٹے بچھائے' آپ کے جسمِ اطہر کو زخمی کیا' آپ پر آوازے کسے' آپ کو مختلف گستاخانہ القاب دئے اور اُنہوں نے کیا کچھ نہیں کیا' اُنہی لوگوں کے عذابِ الٰہی سے محفوظ ہونے کا اعلان کیا جا رہا ہے کیونکہ وہ ہستی جو اُن کے تشدّد و مظالم کا شکار رہی ہے' اُن میں موجود ہے۔رب تعالیٰ کی یہ نظرِ التفات و کرم محض اپنے محبوبِ مکرّم کی عزت و توقیر کی خاطر ہوئی اور یہ کہ آپ ﷺ کو اپنے خالق کی نظر میں کتنا بلند مقام حاصل ہے۔

غضبِ الٰہی سے اُن کے محفوظ ہونے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ اُن کے کفر و شرک اور معصیت شعاری کے باوجود اللہ سے اُن کا تعلق استغفار کسی درجہ میں باقی و قائم ہے۔چنانچہ طواف کے وقت وہ غُفْرَانَكَ غُفْرَانَكَ (تیری بخشش' تیری بخشش) کہتے جاتے ہیں۔

آیت کا ایک اور معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اے حبیبِ مکرّم! تیری اُمّت میں تیرے کچھ ایسے بھی غلام ہیں جو ہر وقت میری بارگاہ میں میری رحمت و بخشش کو پکارتے ہوئے میرے حضور سجدہ ریز رہتے ہیں۔اُن کی دعا کو قبول نہ کرنا اور اُن کی بخشش نہ کرنا میری شانِ رحیمی کے خلاف ہے کیونکہ وہ تیرے ہیں اور جو تیرا ہو گیا وہ میرے عذاب سے بچ گیا۔سبحان اللہ! کیا شان اور عزت و تکریم ہے رب العالمین کے شاہکار رحمۃ للعالمین کی! ﷺ

Marfat.com

(28) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا O (الاحزاب : ۲۱)

''فی الحقیقت تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ کی ذات میں) نہایت ہی حسین نمونہ (حیات) ہے ہر اُس شخص کے لئے جو اللہ (سے ملنے) کی اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہو اور اللہ کا ذکر بکثرت کرتا ہو۔'' (۳۳:۲۱)

رَسُــــوْلِ اللّٰہ میں اللہ کے لفظ نے یہ نکتہ پیدا کیا کہ رسول ﷺ کے کمالات شخصاً آپ کی جانب نہیں، براہِ راست اللہ ہی کی جانب منسوب ہیں۔

''آپ کے روزمرّہ طریقِ حیات نے ایک ایسی راہ وضع کی ہے، جس کی نقالی آج تک لاکھوں لوگ باشعور طور پر کرتے ہیں۔ نسلِ انسانی کا کوئی بھی طبقہ کسی کو ایسا مردِ کامل نہیں سمجھتا جتنا کہ اُس شخص کو جس کی حرف بہ حرف نقالی کی جاتی ہے۔'' ("Arabia" ... Hogarth, p. 52)

قرآنی لفظ اُسْوَة'' کی تعریف یوں کی گئی ہے :

اَلْاُسْوَةُ وَالْاِسْوَةُ لُغَتَان وَهُوَ مَا يَتَاسّٰى بِهِ الْحَزِيْنُ وَيُتَعَزّٰى بِه (لسان العرب ؛ صحاح)

''اُسوہ اور اِسوہ دونوں طرح پڑھنا درست ہے اور اس سے مراد وہ شخص ہے جس سے اداس و مغموم، مصیبت زدہ اور دل شکستہ لوگ سکون و راحت پائیں۔'' (لسان العرب لابن منظور افریقی ؛ الصحاح للجوھری ؛ تفسیر قرطبی)

(29) (i) وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال : ۱۷)

''(اے حبیبِ محتشم!) جب آپ نے (اُن پر سنگریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے۔'' (۸ : ۱۷)

(ii) اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح : ۱۰)

''(اے حبیبِ محتشم!) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، اُن کے ہاتھوں پر (آپ کے ہاتھ کی صورت میں) اللہ کا ہاتھ ہے۔'' (۴۸:۱۰)

(i) سورۂ الانفال کی اِس آیت ۱۷ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک معجزے کی طرف اشارہ ہے کہ جنگِ بدر اپنے زوروں پر لڑی جا رہی تھی جب نبی علیہ السلام نے جبریلِ امین کی ہدایت کے مطابق مٹھی بھر کنکریاں نیچے سے اٹھائیں اور یہ کہتے ہوئے اُنہیں کفار کی طرف پھینکا: شَاهَتِ الْوُجُوْهُ (اُن کے چہرے انتشار و افتراق کا شکار ہو جائیں!)۔ اس کے نتیجہ میں کفار فی الفور سراسیمہ اور پریشان ہو گئے اور اُنہیں دُم دبا کر بھاگنا پڑا۔ یہاں اُسی واقعہ کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ وہ کنکریاں پیغمبر علیہ السلام نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں جس سے

Marfat.com

کفار کو شکست ہوئی اور اُن کا میدانِ جنگ سے فرار ہوا۔ ذرا خیال تو کیجئے کہ نبی کے فعل کو اللہ کے فعل کی طرف نسبت دی جا رہی ہے جیسا کہ سورۂ الفتح کی آیت ۱۰ میں بھی اُسی قسم کی بات کی گئی ہے :

(ii) صلحِ حُدیبیہ کے موقع پر جب یہ بات غیر یقینی تھی کہ آیا کفارِ مکّہ پیغمبر علیہ السلام کے مکہ کو بھیجے ہوئے وفد سے اچھا برتاؤ کریں گے یا نہیں، تو چودہ سو سے پندرہ سو مسلمانوں کی جماعت میں جذبات کی پُر جوش لہر دوڑ گئی۔ وہ بڑے جوش اور عزمِ صمیم کے ساتھ نبی علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور عرب دستور کے مطابق آپ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر وفاداری کی بیعت کی۔ یہ بذاتِ خود اخلاقی اور مادّی قوّت کا حیران کن مظاہرہ تھا اور تاریخِ اسلام میں فتحِ مبین کا مظہر تھا۔ اُنہوں نے تو اپنے ہاتھ دستِ رسول ﷺ پر رکھے تھے لیکن کہا جا رہا ہے کہ اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر تھا۔ اُنہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کی تھی لیکن کہا جا رہا ہے کہ اُنہوں نے دراصل اللہ سے بیعت کی ہے۔ سبحان اللہ! عظمتِ رسول کو کن کن موقعوں پر اُس ذاتِ صمدیت نے آشکار کیا ہے! کاش کہ قرآن کو سمجھنے کے لئے ہمیں صدّیق کی آنکھ اور بلال حبشیؓ کی بصیرت حاصل ہو! آمین۔

(30) وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى O اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى O (اَلنَّجم : ۳، ۴)

''وہ (رسول ﷺ) (اپنی) خواہش سے بات نہیں کرتے، اُن کا ارشاد سراسر وحی ہوتا ہے جو اُنہیں کی جاتی ہے۔'' (۵۳ : ۳، ۴)

''الہام کے برعکس وحی ہمیشہ خارجی طور پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور اس کا تعلق انسان کی داخلی دنیا سے بالکل نہیں ہوتا۔ وحی کے وصول کرنے کے لئے پیغمبر کو اللہ کا خالصتاً غیر مزاحم اطاعت گزار، وحی کے حصول کی استعداد رکھنے والا آلہ کار ہونا چاہئے اور اس کے لئے اُسے اپنی شخصیت کو کلی طور پر مٹا دینا چاہئے۔'' (تفسیر ماجدی، صفحہ 530-A نوٹ :120)

روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو کچھ بھی سنتا تھا، لکھ لیتا تھا۔ قریش میں سے کچھ لوگوں نے مجھے ایسا کرنے سے روکا اور کہا کہ نبی ﷺ کسی وقت غصّے میں بھی ہوتے ہیں تو اُس وقت آپ سے کچھ ایسی بات بھی صادر ہو جاتی ہے جو لکھنے کے قابل نہیں ہوتی۔ اس پر میں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ کچھ دنوں بعد معاملہ آقا علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا اور میں نے لکھنے سے پرہیز کی وجہ بیان کی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا :

اُكْتُبْ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا خَرَجَ مِنِّيْ اِلَّا الْحَقّ

''(جو کچھ مجھ سے سنتے ہو اُسے) لکھ لیا کرو، اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میری زبان سے حق بات کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔''

Marfat.com

سورۃ الانفال کی آیت ۱۷‘ سورۃ الفتح کی آیت ۱۰ اور سورۃ النّجم کی آیات ۳‘ ۴ سے اخذ شدہ

**نکات**: (۱) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ بزرگ و برتر کے ''محبوبِ اکبر'' ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے ہر عمل کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ سابقہ انبیاء علیہم السلام نے بھی علمِ توحید کو بلند کرنے کی بھرپور کوشش کی لیکن کسی بھی پیغمبر کے کسی فعل کو رب تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب نہیں کیا۔ (۲) اللہ کے سچے اور مخلص بندوں کو خدائی قوت حاصل ہوتی ہے‘ وہ اُس خدائی قوت سے دیکھتے‘ سنتے‘ بولتے اور چلتے پھرتے ہیں جو اُنہیں حاصل ہوتی ہے اور اُن میں یہ قوت و توانائی اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہوتی ہے جیسا کہ حدیثِ قُدسی میں وارد ہوا کہ بندہ (فرائض کی ادائیگی کے بعد) نفل عبادات کرتے کرتے میرے اس قدر قریب ہو جاتا ہے کہ:

كُنْتُ بَصَرُهُ الَّذِىْ يُبْصِرُ بِهٖ وَ سَمْعُهُ الَّذِىْ يَسْمَعُ بِهٖ وَ يَدُهُ الَّتِىْ يَبْطِشُ بِهَا وَ رِجْلُهُ الَّتِىْ يَمْشِىْ بِهَا (اربعین امام نووی)

''میں اُس کی نگاہ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے‘ اُس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے‘ اُس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ (کسی چیز کو) پکڑتا ہے اور اُس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔''

(۳) جیسا کہ سورۃ الفتح کی آیت دہم سے معلوم ہوا‘ بیعت لینا سنتِ رسول ﷺ ہے۔ (۴) پیغمبر علیہ السلام اُس وقت بولتے ہیں جب اللہ تبارک و تعالیٰ کا اُنہیں حکم ہوتا ہے‘ اِسی لئے قرآن مجید اور سنتِ نبوی دونوں واجب العمل ہیں۔ غرض کہ محولہ بالا تینوں/چاروں آیات میں رب تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کو اپنا بندہ ☆ ہونے کی ایک جھلک دکھائی ہے۔

(31)(i) مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى O (اَلنَّجم: ۲)

☆ کوئی شک نہیں کہ کائنات کی ہر چیز اور ہر کس و ناکس اللہ کا بندہ (عبد) ہے لیکن امام القبلتین ﷺ عبد نہیں بلکہ عبدہ‘ ہیں (بحوالہ سورہ بنی اسرائیل: آیت اوّل و سورۃ الجنّ: آیت:۱۹) عبد اور عبدہ‘ میں فرق یہ ہے کہ (۱) عبد وہ ہے جو رضائے الٰہی کا متلاشی ہو جبکہ عبدہ‘ وہ ہے جس کی رضا اللہ کی رضا ہو (بحوالہ سورۃ الضُّحیٰ: ۵) (۲) عبد وہ ہے جسے اللہ کا بندہ ہونے پر ناز ہو جبکہ عبدہ‘ وہ ہے جس کی عبدیت میں اللہ فخر کرے جیسا کہ ایک حدیثِ قدسی میں وارد ہوا جس میں رب نے فرمایا کہ میں محمد رسول اللہ کا رب ہوں۔ (۳) عبد وہ ہے جس کی شان کا منبع رب کی ذات ہو عبدہ‘ وہ ہے جو رب کی شان کا مظہر ہو۔ (۴) عبد وہ ہے جسے کسی کے لئے پیدا کیا گیا ہو جبکہ عبدہ‘ وہ ہے جس کی خاطر دوسروں کو پیدا کیا گیا ہو۔ (۵) عبد وہ ہے جو یہاں بننے کے لئے آیا ہو جبکہ عبدہ‘ وہ ہے جو دوسروں کو بنانے کے لئے آیا ہو۔ (۶) عبد وہ ہے جو اللہ سے ملنے کا مشتاق ہو۔ عبدہ‘ وہ ہے جس سے ملنے کا اللہ مشتاق ہو (بحوالہ سورہ بنی اسرائیل: آیت اوّل)۔ (۷) عبد وہ ہے جو اللہ کی رحمت تک خود پہنچے۔ عبدہ‘ وہ ہے جس کی رحمتِ الٰہی کو تلاش ہو۔ (موسیٰ علیہ السلام پیغامِ الٰہی لینے کے لئے طور پر خود گئے جبکہ قرآن جو سورۃ النّحل کی آیت ۸۹ کی رُو سے رحمت ہے‘ متفقہ طور پر حجرۂ رسول ﷺ میں آ گیا) (۸) عبد وہ ہے جو اپنے ہر عمل کا خود ذمہ دار ہو۔ عبدہ‘ وہ ہے جس کے ہر عمل اور ہر فعل میں رحمتِ الٰہی ذمہ دار ہو۔ (تفسیر نعیمی‘ جلد ۹‘ صفحات ۵۱۱‘ ۵۱۲)

Marfat.com

"تمہیں اپنے فیضِ صحبت سے صحابی بنانے والے رسول (ﷺ) نہ (کبھی) راہ بھولے اور نہ (کبھی) راہ سے بھٹکے۔" (۲ : ۵۳)

(ii) وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ O (التّکویر : ۲۲)

"اور (اے لوگو!) یہ تمہیں اپنی صحبت سے نوازنے والے محمد (ﷺ) دیوانے نہیں ہیں (جو فرماتے ہیں) وہ حق ہوتا ہے۔" (۲۲ : ۸۱)

لفظ صَاحِبُكُمْ نازل فرما کر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے حبیبِ محتشم کی روشن و تابندہ زندگی کا ہر ہر صفحہ بڑے وضوح کے ساتھ کھول کر رکھ دیا ہے اور بہ بانگِ دہل اعدائے رسول سے سوال کیا ہے کہ وہ میرے رسول کی تمام زندگی میں کوئی چھوٹے سے چھوٹا ایسا عیب اور ایسی خطا ڈھونڈ کے تو دکھائیں جو رسالت کے منصبِ عالی کے خلاف ہو۔ سورہ یونس میں دشمنوں کو نبی علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے یوں شرم دلائی گئی ہے:۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ O (یونس : ۱۶)

"بے شک میں اِس (قرآن کے اترنے) سے قبل (بھی) تمہارے اندر عمر (کا ایک حصّہ) بسر کر چکا ہوں، تو کیا تم (اِتنی) عقل (بھی) نہیں رکھتے؟" (۱۶ : ۱۰)

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (کیا تم (اِتنی) عقل (بھی) نہیں رکھتے؟) فرما کر اُن کی فہم و دانش کے دروازے پر (اگر وہ اُن کے پاس ہے) دستک دینے سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ کہہ کر اُن سے اپنے مشن کی توثیق مانگ رہے ہیں کہ کیا میں تم میں "صادق و امین" مشہور نہیں رہا ہوں؟ کیا تمہیں کبھی اس عرصہ کے دوران میرے جھوٹا ہونے کا شائبہ تک ہوا ہے؟ اگر ایسا کبھی نہیں ہوا تو پھر یہ کیا بوالعجبی ہے کہ جب میں نے وحدانیتِ الٰہی کی تبلیغ شروع کی اور تمہارے بتوں کی بہ اعلان مذمّت کی تو تم نے مجھے جھوٹا کہنا شروع کر دیا!"

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت مکّہ مکرّمہ میں ضرب المثل تھی۔ ذیل میں عیسائی فرمانروا ہرقل اور ابو سفیان کے درمیان مکالمے کا کچھ حصّہ دیا گیا ہے۔ ابوسفیان اُن دنوں پیغمبر علیہ السلام کی دشمنی میں پیش پیش تھا:

ہرقل : کیا تم نے اُس شخص پر کبھی جھوٹا ہونے کا شک کیا؟
ابوسفیان : نہیں۔
ہرقل : "کیا وہ شخص کسی سے عہد و پیمان کر کے اُسے توڑ بھی دیتا ہے؟"
ابوسفیان : نہیں۔ ("صبح الاعشیٰ"، للقلقشندی)

"آپ ایک ایماندار، راستباز، اپنے گھریلو تعلقات میں خوش کردار اور نا قابلِ گرفت اور اپنے تمام دوستوں میں معزز و مکرّم تھے۔"
("The Qur'an" Intro. Palmer, p. 19)

Marfat.com

''کم آمیز نوجوان کے صاف وشفاف کردار اور قابلِ تعظیم وتکریم رکھ رکھاؤ نے اُن کے دوستوں کی تعریف حاصل کرلی اور آپ متفقہ طور پر ''صادق وامین'' کے القاب کے مستحق ہو گئے۔'' ("Life of Mahomet"... Sir William Muir, p. 20)

''آپ ایک سیدھے سادے' راستباز انسان کے طور پر پہچانے جاتے تھے جس کی زندگی انتہائی پاکیزہ اور نفیس تھی اور جس کی عزت اور وفائے عہد کی صحرائی حس نے اُنہیں ''الامین'' کا لقب دلا دیا۔'' (Lane and Lane-Poole's "Selections from the Kuran", Intro. p. XXXIX)

(32) وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء : ۱۰۷)

''ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے'' (۱۰۷ : ۲۱)

اس آیت میں جو جامعیت ہے اُس نے اِسے دیگر آیات سے ممتاز کر دیا ہے۔ جو کمالات اور صفاتِ عالیہ متفرق اور منتشر تھیں' اُن سب کو یہاں یکجا کر دیا ہے۔ اس قسم کی آیات کو پڑھ کر جہاں ایک طرف عبدِ محبوب کے مرتبہ کمال کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف ان کمالات کے بخشنے والے کی شانِ کریمی اور ادائے بندہ نوازی دیکھ کر بے ساختہ دل وزبان سے سبحان اللہ! کی صدا بلند ہوتی ہے۔''

''امام راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ رحمت دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ یعنی رحمت اُس رقت کا نام ہے جو اس شخص پر احسان کرنے کا تقاضا کرے جس پر رحمت کی جارہی ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت میں رقت نہیں کیونکہ وہ اس سے پاک ہے بلکہ صرف تعطف اور احسان ہے اور کہیں صرف رقت ہوتی ہے اور یارائے احسان نہیں ہوتا (المفردات امام راغب)۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو رحمتِ جامعہ یعنی رحمت کے دونوں مفہوموں سے نوازا ہے۔ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ (جس سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے وہ چیز میرے محبوب کو بڑی شاق گزرتی ہے: سورۃ التوبۃ : ۱۲۸) میں رقت کا اظہار ہے اور بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ میں شانِ تعطف واحسان کا۔ یعنی ہر دردمند کے درد کا احساس بھی ہے اور ہر درد کا درماں بھی ہے۔ کسی غم زدہ اور دکھ درد کے مارے کو دیکھ کر غایت رأفت سے آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں اور نوکِ مژگاں پر دُرِّ یتیم سے ارجمند تر آنسوؤں کے موتی سراپا التجا بن کر بارگاہِ ربُّ العالمین میں گرتے ہیں تو مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں اور غم واندوہ کی کالی گھٹائیں کافور ہو جاتی ہیں۔''

''آپ خود غور فرمائیے کہ جن افراد نے یا جن قوموں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامنِ رحمت کو تھاما' آپ کے لائے ہوئے دین کو صدقِ دل سے قبول کیا اور حضور علیہ السلام کے پیش کردہ نظامِ حیات کو اپنی عملی زندگی میں اپنایا' وہ لوگ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ گمراہ تھے لیکن اس نورِ مبین سے اکتسابِ نور کرنے کے بعد ظلمت کدہ

Marfat.com

عالم میں ہدایت کے چراغ روشن کر گئے ۔ جاہل تھے لیکن اس چشمہِ علم وعرفان سے سیراب ہونے کے بعد دنیا کے جس جس گوشہ میں گئے، علم وحکمت کے چمن کھلاتے گئے ۔ گنوار اور اُجڈ تھے لیکن پاکیزہ تہذیب وتمدن کے بانی بن گئے ۔ جہانگیری و جہانبانی کا ایک اچھوتا تصور دنیا کے سامنے پیش کیا جس میں کسی ایسے بادشاہ کی گنجائش نہیں جو مطلق العنان ہو، جو قانون کی گرفت سے باہر ہو، جو سب کا محاسبہ کر سکے لیکن وہ خود بھی محاسبہ سے آزاد نہ ہو۔''

''لیکن جو لوگ اپنی کج فہمی کے باعث یا بے جا تعصبات میں مبتلا ہو کر اِس چشمہِ صافی سے براہِ راست اور بلا واسطہ سیر کام نہ ہوئے، وہ بھی اس فیضان سے دانستہ یا نادانستہ فیضیاب ہوتے رہے۔ آفتاب کی شعاعیں ہر وادی و کوہسار کو روشن کرتی رہیں حتی کہ وہ مذاہب جن کی بنیاد ہی اَصنام پرستی اور شرک پر تھی، وہ بھی اپنے مشرکانہ عقائد میں ترمیم کرنے پر مجبور ہو گئے ۔ چنانچہ ہندوستان میں آریہ سماج اور عیسائی دنیا میں پروٹسٹنٹ نظریات کا فروغ اس دعویٰ کی صداقت پر شاہد عدل ہیں ۔ ملوکیت اور ڈکٹیٹر شپ کے نظام ہائے حکومت کی جگہ جمہوری اور شورائی طرزِ حکومت کی مقبولیت اسلام کے پیش کردہ نظریہ سیاست کی فتح نہیں تو اور کیا ہے؟ اور پھر یہ رحمت کیا کم ہے کہ اپنے فسق و فجور اور کفر وشرک کے باوجود پہلی قوموں کی طرح اُن پر فوری عذاب نازل کر کے اُنہیں نیست و نابود نہیں کر دیا گیا۔''

''یہ تو عالمِ ناسوت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گوناگوں رحمتوں کا ظہور ہے لیکن صرف یہاں ہی نہیں بلکہ عالمِ ملکوت میں بھی حضور علیہ السلام کی رحمت کا پرچم لہرا رہا ہے اور آپ کا دستِ شفقت گل افشانی کر رہا ہے۔ وہاں رحمتِ محمدی کے ظہور میں جو بانکپن ہے اور بحرِ کرم میں جو مٹھاس اور روانی ہے، اُس کا حال تو فقط وہ نفوسِ قدسیہ ہی جانتے ہیں جنہیں اُس عالم کی سیاحت ارزانی ہوئی ہو۔''

''غرضیکہ یہ وہ آفتاب ہے جس کی تابانیوں سے صرف عالمِ رنگ و بو ہی روشن نہیں بلکہ وہ جہانِ لطیف بھی درخشاں ہے جو رنگ و بو، کم و کیف، بالا و پست کے تعیّنات سے ماوراء ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہاں اس آفتاب کی نور افشانی کا رنگ ہی نرالا ہے جو نہ زبان پر لایا جا سکے اور نہ قلم سے لکھا جا سکے۔ اس رحمتِ عامّہ کی برکتوں سے عقل بھی بہرہ ور ہے اور دل کی دنیا بھی شاد کام ہے۔ ترجمانِ حقیقت شاعرِ مشرق نے کیا خوب کہا ہے:

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے — عقلِ غیاب جستجو، عشق حضور و اضطراب
شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود — فقرِ جنید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب

''حضور کریم ﷺ نے اپنی شانِ رحمت سے نقاب سرکاتے ہوئے فرمایا: اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ ''مُهْدَاةٌ'' یعنی میں وہ رحمت ہوں جو اللہ رب العزت نے اپنی مخلوق کو بطور تحفہ عطا فرمائی۔''

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تمام کائنات کے لئے رحمت ہونا اِس اعتبار سے ہے کہ عالمِ امکان کی ہر چیز کو

Marfat.com

حسب استعداد جو فیضِ الٰہی ملتا ہے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ ہی سے ملتا ہے۔'' (ضیاء القرآن' ج ۳' ص ۱۹۲)

اس سلسلہ میں سید محمود احمد آلوسی اپنی تفسیر ''روح المعانی'' کی جلد ۱۷ کے صفحہ ۹۷ پر رقمطراز ہیں :
اِنَّمَا بُعِثَ ﷺ رَحْمَةً لِّكُلِّ فَرْدٍ مِّنَ الْعَالَمِيْنَ : مَلَائِكَتِهِمْ وَاِنْسِهِمْ وَجِنِّهِمْ وَلَافَرْقَ بَيْنَ الْمُؤْمِنِ وَالْكَافِرِ مِنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ فِيْ ذٰلِكَ وَالرَّحْمَةُ مُتَفَاوِتَةٌ''
''کائنات کے ہر فرد کے لئے آپ ﷺ یقیناً رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں خواہ وہ فرشتے ہوں' انسان ہوں یا جنات۔ یہاں مؤمن اور کافر انسان اور جن میں کوئی فرق نہیں۔ (البتہ اتنا ضرور ہے کہ) رحمت آدمی کے ایمان و عمل میں مقام کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔''

''**محسنِ انسانیت کا پیغامِ محبت و امن آج سوالیہ نشان کیوں؟** جس ذاتِ اقدس کی سچائی اور امن پسندی کی گواہی اُس کے جانی دشمن بھی دیتے ہوں' آج چودہ صدیوں بعد اُس کے کلمہ گو افراد آخر کس وجہ سے اس موضوع پر لکھنے' پڑھنے' بولنے اور سننے پر مجبور ہوئے ہیں؟ اگر آپ غور کریں تو ہمیں اس کی دو وجوہات سمجھ میں آتی ہیں: (۱) ہماری داخلی کیفیت (۲) درپیش خارجی صورتِ حال

''داخلی کیفیت سے مراد اہلِ اسلام کی باہمی تفرقہ پروری' مار دھاڑ' قتل و غارت گری اور فساد انگیزی ہے جس میں کم و بیش پورا عالمِ اسلام ہی شامل ہے۔ بین المما لک افتراق ہیں' بین المسالک اختلاف ہیں اور پھر ہر ملک کے اندر رہنے والے لوگ معمولی معمولی مسائل پر درجنوں گروپوں میں نہ صرف تقسیم ہیں بلکہ باہم دست و گریبان بھی ہیں۔''

''خارجی صورتِ حال سے مراد اسلام مخالف قوتوں کی دشمنی' مخالفانہ سازشیں اور عالمگیر منفی پروپیگنڈہ ہے۔ آج جب مسلمان ہر طرف سے غیروں کے ظلم و ستم کا شکار بھی ہو رہے ہیں اور اُن پر الزام بھی لگ رہا ہے کہ وہ ''دہشت گرد ہیں اور اُن کی تاریخ وحشیانہ مظالم سے بھری پڑی ہے' مسلمان محبت' مروّت اور رواداری کے مفہوم سے آشنا ہی نہیں۔ اسلام جہاں بھی پھیلا' تلوار کے زور پر پھیلا۔'' یورپ اور امریکہ کے دانشور یکے بعد دیگرے کتابیں لکھ رہے ہیں۔ پاپائے روم بینی ڈکٹ کہتا ہے: ''مسلمانوں نے دنیا میں ہمیشہ فتنے برپا کئے ہیں۔'' امریکہ کے پادری اپنے چرچوں کے باہر یہ لکھ کر لگاتے ہیں کہ ''قرآن مسلمانوں کو غیر مسلموں کے قتل پر اکساتا ہے' اس لئے اُسے تلف کر دیا جائے۔'' اُن کی یہ ساری کاوشیں درحقیقت تاریخ کی سب سے بڑی سچائی کو جھٹلانے کے مترادف ہیں۔ بطورِ اُمت قومی اور ملی سطح پر اور بطور مسلمان انفرادی اور ذاتی سطح پر ان دونوں محاذوں پر پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں اور سازشوں کا توڑ ہر فریق پر واجب ہے۔ یہی وہ بڑا چیلنج ہے جو اس وقت اسلام کو ایک مرتبہ پھر درپیش ہے۔ ''ایک مرتبہ پھر'' اس لئے کہ یہ نیا مسئلہ نہیں

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

(ماہنامہ منہاج القرآن لاہور' جولائی ۲۰۰۸ء' صفحہ ۲۱)

Marfat.com

(33) یاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْ الاَ تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰہُ وَ
لٰکِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْافَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ
یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْکُمْ وَ اللّٰہُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْھُنَّ مَتَاعًا
فَاسْئَلُوْھُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِکُمْ اَطْھَرُ لِقُلُوْبِکُمْ وَ قُلُوْبِھِنَّ وَ مَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُؤْذُوْا
رَسُوْلَ اللّٰہِ وَلَا اَنْ تَنْکِحُوْا اَزْوَاجَہٗ مِنْ بَعْدِہٖ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ عِنْدَاللّٰہِ عَظِیْمًاO

(الاحزاب : ۵۳)

"مومنو! نبی مکرم ﷺ کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو سوائے اس کے کہ تمہیں کھانے کے لئے اجازت دی جائے (پھر وقت سے پہلے پہنچ کر) کھانا پکنے کا انتظار کرنے والے نہ بنا کرو' ہاں جب تم بلائے جاؤ تو (اُس وقت) اندر آیا کرو۔ پھر جب کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جایا کرو اور وہاں باتوں میں دل لگا کر بیٹھے رہنے والے نہ بنو۔ یقیناً تمہارا ایسے (دیر تک بیٹھے) رہنا نبیِ اکرم ﷺ کو تکلیف دیتا ہے اور وہ تم سے (اُٹھ جانے کا کہتے ہوئے) شرماتے ہیں اور اللہ حق (بات کہنے) سے نہیں شرماتا۔ اور جب تم اُن (ازواجِ رسول) سے کوئی چیز مانگو تو اُن سے پردہ کے باہر سے مانگا کرو۔ یہ تمہارے اور اُن کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔ اور تمہیں جائز نہیں کہ تم رسول اللہ (ﷺ) کو کسی طرح بھی تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ کہ آپ کے بعد آپ کی بیویوں سے کبھی نکاح کرو' بے شک یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔" (۳۳:۵۳)

اذیّت سے مراد نبی محتشم ﷺ کو پریشان کرنا' آپ کے جذبات کو یا جسم کو مجروح کرنا' آپ کی توہین کرنا' آپ سے بدسلوکی کرنا' آپ پر کوئی الزام لگانا یا کسی ناموافق صورتِ حال سے آپ کو دوچار کرنا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نوعِ انسان کو الٰہی پیغام پہنچانے اور اُنہیں صراطِ مستقیم پر لگانے کے لئے تشریف لائے' اس لئے آپ کی تعظیم وتوقیر کرنا اپنوں کے علاوہ اُن لوگوں پر بھی فرض ہے جنہوں نے آپ کی رسالت کو تسلیم نہیں کیا۔ آیت کے آخری حصّہ (کہ آپ کے بعد آپ کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح نہ کرو) سے کچھ مفسرین نے حیات النبی ﷺ کو ثابت کیا ہے کیونکہ کسی زندہ آدمی کی منکوحہ اُس کے عقد میں ہوتے ہوئے کسی اور کے نکاح میں نہیں جا سکتی۔ لہٰذا اس عقیدے کی رُو سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام دارالبقاء کو منتقل ہونے کے بعد بھی حیات ہیں اور اِسی وجہ سے لوگوں کو آپ کی ازواجِ مطہرات کے ساتھ نکاح کرنے سے روک دیا گیا ہے۔

اس آیت پر تبصرہ کرتے ہوئے محمد اسد رقم طراز ہیں :

"نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کو آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر کرنے کی تاکید کرنے میں قرآنِ حکیم تمام مسلمانوں کو ہمہ وقتی اُس مرتبہ ومقام کی یاددہانی کراتا ہے جو آپ کو اللہ کے ہاں حاصل ہے۔ علاوہ ازیں وہ اُنہیں رویّہ اور وطیرہ کے کچھ اصول بھی بتاتا ہے جو اُن کی زندگی پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ یہ اصول

Marfat.com

بادی النظر میں اگرچہ غیر اہم ہیں لیکن اُس سماج میں نفسیاتی قدر کے حامل ہیں جس میں اخوت، باہم روا داری اور ایک دوسرے کے تقدس اور تخلیہ کا احترام ہو۔'' ("The Message of the Qur'an" ... Muhammad Asad, p. 650) Gibraltar, 1980.

آیت سے ماخوذ چند مفید نکات: (۱) کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہیں ہونا چاہیے۔ (۲) اگر کوئی کھانے پر بلائے تو اتنا پہلے نہیں پہنچنا چاہیے کیونکہ دعوت کھانا کھانے کی دی گئی ہے نہ کہ کھانا پکنے کی انتظار کی۔ (۳) وقتِ معیّن پر پہنچنا چاہیے تاکہ آمد توقع کے مطابق ہو اور میزبان کو انتظار کی کوفت نہ اٹھانی پڑے۔ (۴) کھانا کھانے کے بعد میزبان سے رخصت کی اجازت لے کر فوراً واپس آجائیں تاکہ اُس کا وقت ضائع نہ ہو۔ (۵) گپ شپ اور فضول باتوں میں وقت ضائع نہ کریں جو میزبان کے اضطراب اور ناراضی کا باعث ہو۔ (۶) فہم و دانش سے کام لیتے ہوئے مناسب و موزوں رویہ اختیار کریں۔ (۷) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات سے نکاح کی ممانعت کا ایک پہلو تو احترامِ رسالت ہے لیکن دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ حیات ہیں اسی لئے اُن کی ازواجِ مطہرات سے نکاح کی حرمت کا حکم وارد ہوا کیونکہ کسی زندہ شخص کی منکوحہ اُس کے عقدِ نکاح میں ہوتے ہوئے کسی اور کے نکاح میں نہیں جا سکتی۔

یہ تمام اخلاقی اور سماجی اطرازِ حیات ہیں کہ دوسروں کی عزت کرنا اور اُن سے نفاست و لطافت سے پیش آنا اعلیٰ اخلاقی اقدار ہیں۔'' (عبداللہ یوسف علی، نوٹ: ۳۷۵۵)

اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ (جب تمہیں بلایا جائے تو داخل ہوا کرو) میں بن بلائے مہمان کی بندش ہے۔

(34) یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ (المائدۃ: ۴۱)

''اے رسول! وہ لوگ آپ کو رنجیدہ خاطر نہ کریں جو کفر میں تیزی (سے پیش قدمی) کرتے ہیں، اُن میں (ایک) وہ (منافق) ہیں جو اپنے منہ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ اُن کے دل ایمان نہیں لائے۔'' (۵: ۴۱)

فخرالدین رازی کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا اپنے نبی ﷺ کو (یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ) ''نبی'' کے لفظ سے خطاب کرنا اکثر و بیشتر ہے لیکن پورے قرآن مجید میں (یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ) ''رسول'' کے لفظ سے خطاب کرنا دو جگہوں پر آیا ہے: سورۃ المائدۃ کی آیتِ بالا ۴۱ میں اور سورۃ المائدۃ کی آیت ۶۷ میں۔ بہر حال خطاب کسی بھی لقب رسول سے ہو یا نبی سے، دونوں میں آپ کی تعظیم و توقیر ہے (تفسیر کبیر) کیونکہ پورے قرآن میں یا مُحَمّد کہیں نہیں آیا۔

Marfat.com

آیتِ مذکورہ (۴۱) میں دو طبقات کا ذکر ہے: منافقین اور یہود۔ تاریخ شاہد ہے کہ اِن دونوں طبقات کی ہدایت کے لئے نبی محتشم ﷺ نے اعصاب شکن محنت کی لیکن یہ بات آپ کے انتہائی رنج والم کا باعث تھی کہ اُن میں سے اکثر نے انتہائی غیر خلوص، عیاری و مکاری، سنگدلی اور دل شکن مہمات کا اظہار کیا۔ یہاں اس آیت میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تسلی و تشفی کی جا رہی ہے اور حوصلہ دلایا جا رہا ہے کہ آپ اُن کی چالوں سے افسردہ خاطر نہ ہوں کیونکہ آپ کے بھیجنے والے اللہ کا دستِ نصرت آپ کے ساتھ ہے جو ہمیشہ آپ کی دستگیری کرتا رہے گا۔

(35) فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ (مریم : ۹۷ ؛ اَلدُّخان : ۵۸)

''...بے شک ہم نے اِس (قرآن) کو آپ کی زبان میں ہی آسان کر دیا ہے۔'' (۱۹:۹۷ ؛ ۴۴:۵۸)

قرآن کو سمجھنا اور اُسے زبانی یاد کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ ہاں اگر اُسے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ مبارک ادا نہ کرتی اور اگر آپ نے اس کی تعلیم نہ دی ہوتی تو واقعی اُس کا سمجھنا اور حفظ کرنا مشکل ہوتا اور اُس کے معانی و مفہوم کی گہرائیوں تک پہنچنا امت کے لئے خاصا دشوار ہو جاتا۔ اب چونکہ زبانِ رسالت نے اُس کی تلاوت اُمت کے سامنے کر دی ہے اس لئے اُس کا سمجھنا اور حفظ کرنا آسان کر دیا گیا ہے۔ علمائے حق نے اس بحرِ ذخار میں سے بہ توفیقِ الٰہی ایسے نایاب جواہر اور باریکیاں نکالی ہیں کہ قرآن کے نازل کرنے والے اللہ کو بھی اُن پر ناز ہے۔

(36) وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ (التوبة: ٦١)

''اور جو لوگ رسول اللہ (ﷺ) کو (اپنی بدعقیدگی، بدگمانی اور بدزبانی کے ذریعے) اذیت پہنچاتے ہیں، اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔'' (۹ : ۶۱)

''اس لئے میدانِ کربلا میں جن لوگوں نے امام پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف جنگ بندی کی اور اُن پر، اُن کے اہل و عیال اور دوستوں پر مظالم ڈھائے، وہ دنیا اور آخرت میں ملعون اور دوزخ کا ایندھن ہیں کیونکہ اُنھوں نے یہ حرکت کر کے سیّدہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قلبِ مبارک کو صدمہ پہنچایا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھ دینے کے مترادف ہے اور جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھ پہنچایا، اس کے بارے میں سورۃ التوبة کے علاوہ سورۃ الاحزاب میں بھی واضح فیصلہ موجود ہے کہ وہ ملعون اور عذاب کا مستحق ہے۔'' (ماہنامہ ''منہاج القرآن''، لاہور، فروری ۲۰۰۷، صفحات ۱۴ تا ۲۰، مضمون نگار: علامہ محمد معراج الاسلام)

(37) وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ (التوبة : ۵۹)

''اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو اُنہیں اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) نے

Marfat.com

عطا فرمایا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے' عنقریب ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اُس کا رسول (ﷺ مزید) عطا فرمائے گا۔'' (۹ : ۵۹)

یہاں دو فاعل بیان ہوئے ہیں یعنی اللہ اور اُس کا رسول تو اس لحاظ سے لفظ فَضْلِهٖ میں ہٖ واحد کے صیغہ کی بجائے هُمَا تثنیہ کا صیغہ آنا چاہئے تھا۔ واحد کا صیغہ یہ بتانے کے لئے لایا گیا کہ اگرچہ اصالتاً عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن رسول کا عطا کرنا بھی دراصل اللہ ہی کا عطا کرنا ہے کیونکہ رسول کے پاس حاضر خزانے اُن کے اپنے ذاتی نہیں بلکہ رب تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں اور آپ رب تعالیٰ کی اجازت سے اُس کی مخلوق میں تقسیم فرماتے ہیں۔ آپ کا فرمودہ اَللّٰهُ مُعْطِیْ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِم'' (عطا کرنے والا تو اللہ ہے' میں تو تقسیم کرنے والا ہوں) اس حقیقت کی تائید کرتا ہے۔

(38) وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ O (التوبة : ۶۲)
''اللہ اور اُس کا رسول زیادہ حقدار ہے کہ اُسے راضی کیا جائے اگر یہ لوگ ایمان والے ہوتے۔''

یعنی رسول اللہ ﷺ کے راضی ہونے سے ہی اللہ راضی ہو جاتا ہے کیونکہ دونوں کی رضا ایک ہی ہے۔ کاش کہ وہ اس روشن حقیقت کو جان لیتے!

یہ بات دلچسپی کی حامل ہے کہ آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے لئے تثنیہ کی ضمیر هُمَا کی بجائے ہٗ کی واحد ضمیر لائی گئی ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ اگرچہ مختار کاری (Authority) صرف خدائے واحد کی ہے لیکن اس کا اظہار دُہرا ہے اور یہ کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے مابین قانون سازی کے اختیار میں بہ مشکل ہی کوئی فرق ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کے وضع کردہ قوانین وضوابط وحیِ الٰہی کا نتیجہ ہوتے ہیں' اس لئے اُنہیں بھی قانون کی ویسی ہی قوت حاصل ہوتی ہے جیسی قرآنی قانون کو حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کو خوش کرنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ پہلے اُس کے رسول ﷺ کو خوش کیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری اور اُنہیں خوش کرنے ہی کا دوسرا نام اللہ کی اطاعت اور اُسے خوش کرنا ہے جیسا کہ سورۃ النساء کی آیت ۸۰ میں بیان ہوا اور جس کا حوالہ صفحہ ۴۲۴۶ میں دیا جا چکا ہے۔

(39) اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ O (التوبة : ۶۳)
''کیا وہ نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے تو اُس کے لئے دوزخ کی آگ (مقرر) ہے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے' یہ زبردست رسوائی ہے۔'' (۹:۶۳)

Marfat.com

یہ آیت اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کے لئے زبردست تنبیہ ہے اور اس سے سبق یہ ملتا ہے کہ اللہ یا اللہ کے رسول ﷺ کو ناراض کرنا دونوں ایک ہی چیز ہیں جو کفر کا موجب ہے۔ یہ بات توجہ طلب ہے کہ اس دنیا میں معزز ترین رشتہ والدین کا ہے اور اُن کی نافرمانی اور بے ادبی بلا شک وشبہ گناہِ کبیرہ ہے لیکن کفر نہیں ہے۔ جبکہ اس کے برعکس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معمولی سی بے ادبی بھی گستاخ کو کافر بنا دیتی ہے۔

یہ بات بھی خاصی اہمیت کی حامل اور توجہ طلب ہے کہ اللہ کا گستاخ بھی کافر ہے اور اُس کا قتل واجب ہے لیکن وہ نادم اور تائب ہو تو اُس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور اُسے معاف کر دیا جائے گا۔ اس کے برعکس اگر کوئی (معاذ اللہ) رسول ﷺ کی گستاخی کرنے کا مرتکب ہو، وہ بھی بالیقین کافر ہے اور اُس کا توبہ کرنا اُسے موت کی سزا سے نہیں بچا سکے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حق اللہ توبہ کرنے سے معاف ہو جاتا ہے لیکن حق العبد (یعنی حقِ رسول ﷺ) توبہ کرنے سے معاف نہیں ہوتا۔ (دُرّ المختار: باب المرتدین)

عبداللہ بن ابی سرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کاتب وحی تھا جو نازل شدہ وحیِ قرآن لکھا کرتا تھا۔ بعد میں وہ مرتد ہو گیا اور امام الانبیاء ﷺ پر یہ الزام لگایا کہ قرآن محمد (علیہ السلام) کی ذاتی اختراع ہے۔ اُس نے دعویٰ کیا کہ آپ کا کاتب ہونے کی حیثیت سے اُسے معاملے کی پوری طرح واقفیت ہے۔ جب وہ مرگیا اور اُسے دفن کیا گیا تو قبر نے اُس کی لاش کو باہر اُگل دیا۔ اُس کی قبر کئی مرتبہ گہری سے گہری کھودی گئی لیکن زمین نے اُسے قبول نہ کیا اور ہر دفعہ اُس نے اُسے باہر اُگل پھینکا۔

(40) لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ (اَلقیامۃ: ۱۶ تا ۱۹)

''(اے حبیبِ محتشم!) آپ (قرآن کو یاد کرنے کی) جلدی میں (نزولِ وحی کے ساتھ) اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کریں۔ بے شک اُسے (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور اُسے (آپ کی زبان سے) پڑھانا ہمارا ذمّہ ہے۔ پھر جب ہم اُسے (زبانِ جبریل سے) پڑھ چکیں تو آپ اِس پڑھے ہوئے کی پیروی کیا کریں۔ پھر بے شک اُس (کے معانی) کا کھول کر بیان کرنا ہمارا ہی ذمّہ ہے۔'' (۷۵:۱۶۔۱۹)

نزولِ وحی کے دوران آپ ﷺ اس خیال سے کہ کہیں یہ الفاظ ذہن سے نکل نہ جائیں، خود بھی جلدی جلدی انہی کو دہرانے لگتے تھے جس سے آپ کو کوفت کا سامنا ہوتا تھا۔ رب تعالیٰ سے آپ کی یہ کلفت اور کوفت برداشت نہ ہوئی اور حکم ہوا کہ آپ نزولِ وحی کے وقت بس سکون و خاموشی سے سنتے رہا کیجئے اور یہ اندیشہ بھی دل میں نہ لایئے کہ وحی کا کوئی خفیف سا جز و بھی قلب سے نکل جائے گا۔ اس کی محفوظیت کے ذمّہ دار تو ہم خود ہیں۔ آپ جبریلِ امین کے پڑھنے کی طرف متوجہ ہو جایا کیجئے اور اُس کے دہرانے کی فکر میں نہ رہیے۔ قرآن کو آپ کے سینہ میں جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھانا ہمارا ذمّہ ہے۔

Marfat.com

حق تعالیٰ نے اسنادِ مجازی کے طور پر یہاں فرشتہِ وحی کے سنانے کو اپنے ہی سنانے سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ آیت جبریل علیہ السلام کے شرفِ عظیم پر دلالت کرتی ہے۔ ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ایسی متعدد آیات ہیں جن میں رب تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا ہے۔ مثالیں گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہیں۔

مفسرین کرام نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت جبریل دوبارہ آپ کے پاس آئیں اور آپ کے سامنے اُن آیات کو پڑھیں اور آپ سن کر اُنہیں دہرائیں حتیٰ کہ آپ کو وہ آیات حفظ ہو جائیں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ اے حبیبِ محتشم! ہم یہ آیات آپ سے اس طرح پڑھوائیں گے کہ آپ اُنہیں نہیں بھولیں گے جیسا کہ سورۃ الاعلیٰ میں فرمایا:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰىٓ O (الاعلیٰ : ٦)

''ہم عنقریب آپ کو (خود) ایسا پڑھائیں گے کہ آپ (کبھی) نہیں بھولیں گے۔'' (٦ : ٨٧)

یہ چاروں آیات منکرینِ حدیث پر ضربِ کاری ہیں۔ منکرین کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام پر صرف قرآن نازل کیا ہے' قرآن کے علاوہ اور کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ حدیث لٹریچر میں پائی جانے والی قرآن سے متعلق تفسیر و تشریح پیغمبر علیہ السلام کی ذاتی رائے ہے اور اُس کا قرآنی تشریح سے کوئی تعلق نہیں۔ سماجی ضرورتوں اور وقت کے حالات کی روشنی میں آپ نے جو کچھ قرآن کو سمجھا وہ لوگوں کو بتا دیا۔ اب چودہ صدیاں گزرنے کے بعد انسانی کارواں اُس نقطے تک پہنچ گیا ہے جس کا پہلے کبھی تصوّر بھی نہ ہوا تھا اور زمانے کی ضروریات بالکل بدل چکی ہیں۔ اُن کا اِصرار ہے کہ ان بدلتے ہوئے حالات کے تحت قرآن کے معانی اور مفہوم کو اُس پسماندہ اور ناخواندہ زمانے کے اندر محدود کر دینا قرآن کے ساتھ بڑی ناانصافی کی بات ہے۔ سائنس اور علم کی ترقی کے اِس دَور میں مسلم اُمت کے ساتھ اس سے بڑھ کر دشمنی نہیں ہوسکتی کہ اُس زمانہ میں کی گئی قرآنی تفسیر کا اُسے پابند کر دیا جائے اور اس طرح قومی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کی جائیں۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ محولہ بالا قرآن کی انتہائی مختصر اور جامع آیت ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ '(اُس (کے معانی) کا کھول کر بیان کرنا ہمارا ہی ذمہ ہے) نے حدیث اور سنت کی اتباع کے خلاف اعتراضات کی کلی طور پر جڑ کاٹ کے رکھ دی ہے۔

رَب تعالیٰ کے فرمان کا دراصل مقصد یہ ہے کہ اے حبیبِ مکرّم! (١) آپ کو قرآن کا حفظ کرانا ہمارا ذمہ ہے۔ (٢) آپ کے سینہ میں اس کا جمع کرنا بھی ہمارا ذمہ ہے۔ (٣) اس کی وضاحت آپ سے کرانا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ ہم نے اپنے اوپر یہ ذمہ داری لے لی ہے کہ آپ کو قرآنی کا معنیٰ ومفہوم' اُس کے مخفی

Marfat.com

اشارات (ذیلی مفہوم) اور تشریح و توضیح اچھی طرح سمجھا دیں اور اس سارے عمل کا انحصار آپ کی صوابدید یا اجتہاد پر نہیں ہوگا۔ ہم عالم الغیب والشہادۃ ہیں۔ ماضی، حال، مستقبل اور زمانے کی ہمیشہ بدلتی ہوئی ضروریات کے خالق ہم خود ہیں اور ہم ہی نے آپ کو قرآن کی جملہ تفسیر و تشریح بالوضوح بتا دی ہے۔

اسی معنیٰ و مفہوم پر زور دیتے ہوئے سورۃ النّحل میں فرمایا گیا:

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ (اَلنّحل: ۴۴)

''اور (اے نبیِ مکرّم!) ہم نے آپ کی طرف ذکرِ عظیم (قرآن) نازل فرمایا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لئے وہ (پیغام و احکام) خوب واضح کر دیں جو اُن کی طرف اتارے گئے ہیں۔'' (۱۶: ۴۴)

لہٰذا یہ نتیجہ اخذ کرنا چنداں مشکل نہیں کہ جب قرآن اور اس کی تشریح اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہیں، تو ہر مسلمان کے لئے اُن کی اتباع ناگزیر ہے اور کسی شخص کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ ایک کو فرض اور دوسرے کو ساقط العمل قرار دے۔

معترضین نے ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَهٗ' کے جو معنیٰ لئے ہیں وہ یہ ہیں کہ قرآن میں کوئی حکم اگر ایک جگہ مختصراً بیان ہوا ہے تو دوسری جگہ اُس کی وضاحت ہوئی ہے اور ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَهٗ' میں جو وعدہ کیا گیا ہے' اس کی وضاحت یہی ہے۔ اس کا نام اُنہوں نے ''تفسیر القرآن بالقرآن'' کی پُر وقار و متین اور پُر جلال اصطلاح میں رکھا ہے۔

ہم اِن معترضین سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ ذرا ہمیں قرآن ہی سے طریقۂ حج تو بتا دیں تو ہم اُن کی قرآن فہمی کی داد دئے بغیر نہیں رہیں گے۔ جب تک وہ حج سنتِ رسول ﷺ کی روشنی میں نہ کریں تو اُنہیں نہ تو طوافِ کعبہ کا طریقہ معلوم ہوگا' نہ ہی احرام باندھنے کی تفصیل' نہ ہی جنایات اور نہ ہی حج کے دیگر مناسک کا علم ہوگا۔

حج سے زیادہ اہم پنجگانہ باقاعدہ نماز ہے۔ معترضین نماز کے متعلق تمام قرآنی آیات کو ایک جگہ اکٹھا کر لیں' اپنے اردگرد دنیا کی تمام عربی لغات کے ڈھیر لگا دیں' عربی کے علماء و فضلاء کی مدد لے لیں اور ہمیں سمجھائیں کہ قرآنی حکم اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃ کا مطلب کیا ہے۔ جب تک وہ سنتِ رسول ﷺ سے مدد نہیں لیں گے' زندگی بھر وہ صلوٰۃ کا معنیٰ تلاش کرتے رہیں' اُن کی کوششیں رائیگاں جائیں گی' پورے قرآن کا سمجھنا تو بہت دُور کی بات ہے۔ یہاں آ کر بیچارے فانی انسان کی بے بسی اور نااہلیت ظاہر ہوتی ہے جب وہ جہالت کی ناقابلِ پیمائش اتھاہ گہرائیوں میں پھنس جاتا ہے اور سنتِ رسول ﷺ سے بے نیاز ہو کر قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔

(41) خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ (التّوبة: ۱۰۳)

Marfat.com

''آپ اُن کے اموال میں سے صدقہ وصول کیجئے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث اُنہیں (گناہوں سے) پاک فرمادیں اور اُنہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں اور اُن کے حق میں دعا فرمادیں' بے شک آپ کی دعا اُن کے لئے (باعثِ) تسکین ہے۔'' (۹ : ۱۰۳)

''تبوک کی مہم میں کچھ کمزور ایمان کے مسلمان جن کی تعداد دس بتائی جاتی ہے' اُس مہم میں شریک نہ ہو سکے اور اپنے گھروں میں رہ گئے۔ اگرچہ وہ مہم میں پیغمبر ﷺ کا ساتھ دینے میں کوتاہ تھے لیکن وہ ہر موقع پر اسلام کے وفادار رہے تھے۔ تبوک سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فاتحانہ واپسی پر اُنہوں نے آپ کے سامنے اپنے قصور کا اعتراف کیا اور اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا۔ حضور علیہ السلام جب مسجد میں تشریف لائے تو اُن کے متعلق دریافت فرمایا۔ عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! اُنہوں نے قسم اٹھائی ہے کہ جب تک آپ اپنے دستِ مبارک سے اُنہیں نہیں کھولیں گے' وہ یونہی بندھے رہیں گے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: بخدا میں بھی اُنہیں اُس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے اُنہیں کھولنے کا حکم نہیں دے گا۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُنہیں اپنے مبارک ہاتھوں سے کھولا۔''

''جب اُنہیں کھول دیا گیا تو وہ سارا ساز و سامان اُٹھا کر لے آئے۔ اور عرض کی: اے نبی مکرّم! اسی مال و متاع کی محبت کی وجہ سے ہم جہاد میں شریک نہیں ہو سکے' اس لئے آپ اُسے راہِ خدا میں تقسیم فرما دیجئے۔ ہم اُسے اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تمہارا مال قبول کرنے کا حکم نہیں ملا۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے دو حصے اُنہیں واپس کر دئے اور تیسرا حصہ خیرات کر دیا۔ علماء نے فرمایا کہ اس سے مراد زکوٰۃ نہیں بلکہ وہ صدقہ ہے جو گناہ کے سرزد ہونے کے بعد اُنہوں نے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ لبیب کو فرمایا کہ آپ اُن کے صدقہ کو قبول فرمایئے اور اس طرح اُنہیں گناہ کی نحوست سے پاک کیجئے اور اُن کے دل کے آئینہ پر گناہ کا جو گرد و غبار ابھی باقی ہے اُسے دُور فرما کر صاف و شفاف کر دیجئے۔''

''پھر فرمایا کہ اے حبیب! اُن کے لئے دعا بھی فرما دیجئے کہ آپ کی دعا سے اُن کے بے قرار دلوں کو تسکین اور بے چین اور مضطرب روحوں کو آرام نصیب ہو جاتا ہے۔'' (ضیاء القرآن' جلد دوم' ص ۲۵۰' ۲۵۱)

یہ آیت ایک نادر ٹکڑا ہے جس میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُس اعلیٰ و ارفع مقام کو اجاگر کیا گیا ہے جو اُنہیں اپنے رب کی نظروں میں حاصل ہے۔

<u>آیت سے اخذ شدہ چند نکات</u> : (۱) اسلام میں گناہ کا کفارہ گنہگار کی توبہ کرنے کے بعد تمام تر رب تعالیٰ کے معاف فرمانے سے ہے۔ لیکن توبہ کی قبولیت لازمی طور پر نبی علیہ السلام کے وسیلہ سے ہوگی جیسا کہ

Marfat.com

حکمِ الٰہی کے تحت صحابہ کرام کا عمل تھا (بحوالہ سورۃ النساء: ۶۴) (۲) صدقہ وخیرات بھی ایک قسم کی عبادت ہے لیکن ان کی قبولیت بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے ہوتی ہے۔ (۳) اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول ﷺ ہم پر اس سے زیادہ مہربان ہیں جتنا ہم اپنے آپ پر ہیں۔ (۴) اُن خطا کاروں نے اپنے تمام مال ومتاع پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کر دیئے تھے کہ وہ اُنہیں راہِ خدا میں تقسیم کر دیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے صرف اُس مال کا تہائی حصّہ قبول فرمایا اور دو تہائی اُنہیں واپس کر دیا۔ یہ نکتہ قرآنی الفاظ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ (اُن کے مالوں میں سے) سے ماخوذ ہوا۔ (۵) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر مسلمان کو گناہوں کی آلودگی سے پاک وصاف فرماتے ہیں۔ (۶) اُن کے حق میں آپ ﷺ کی دعا اُن کے سکون اور راحت کا ذریعہ ہے۔ (۷) اللہ تبارک وتعالیٰ قادرِ مطلق اور خود مختار ہستی ہونے کے حوالے سے پیغمبر علیہ السلام کے وسیلہ کے بغیر بھی اُن خطا کاروں کو بخش سکتا تھا لیکن اپنے محبوبِ محتشم ﷺ کے مرتبہ ومقام کو بڑھانے کے لئے حکم ہوا کہ آپ مجھ سے اُن کی بخشش کی دعا اور التجا کریں تو میں اُنہیں بخش دوں گا۔

(42) سورۃُ الحج میں خاتم النبیین ﷺ کے لئے الٰہی امداد کی پُر زور یقین دہانی کرائی گئی ہے اور اس طرح آپ کے مشن کے پکے دشمنوں اور حاسدوں کی فریبانہ چالوں کو ناکام بنا دینے کا مژدہ سنایا گیا ہے :

مَنۡ كَانَ يَظُنُّ اَنۡ لَّنۡ يَّنۡصُرَهُ اللّٰهُ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ فَلۡيَمۡدُدۡ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لۡيَقۡطَعۡ فَلۡيَنۡظُرۡ هَلۡ يُذۡهِبَنَّ كَيۡدُهٗ مَا يَغِيۡظُ ۝ (الحج : ۱۵)

''جو شخص یہ خیال کرے کہ اللہ دنیا اور آخرت میں اپنے رسول کی مدد نہیں کرے گا تو اُسے چاہئے کہ ایک رسی آسمان تک تان لے پھر اُس (سلسلہ رسی) کو کاٹ دے، تو غور کرنا چاہئے کہ کیا اُس کی تدبیر اُس کی ناگواری کی چیز کو موقوف کرا سکتی ہے۔'' (۲۲ : ۱۵)

حاصل کلام یہ ہے کہ نصرتِ الٰہیہ آپ ﷺ کے ساتھ وحی ونبوت کی وجہ سے ہے، تو آپ کی ناکامی کی کوشش کرنا تب مفید ہو سکتی ہے جب اس نبوت اور وحی کے قصہ کو پاک کر دیا جائے اور یہ محال بالذات ہے۔ تو اے دشمنانِ رسول! میرے محبوب علیہ السلام کے بارے میں تمہارے حاسدانہ عزائم پھلنے پھولنے کے نہیں۔ میں اپنے پیغمبرِ برحق کی بہر صورت ضرور بالضرور مدد کرتا رہوں گا اور بالآخر اُنہیں فوز وفلاح سے ہمکنار کر کے رہوں گا۔ اے حاسدین! اُس وقت کے آنے سے پہلے جس میں تم حسد وعناد کی آگ میں جل بھُن جاؤ، تمہارے لئے خودکشی کر لینا بہتر ہے؟ سبحان اللہ! کیا معجزانہ اور بلیغانہ انداز ہے محبوب کے مقامِ عظیم کو اجاگر کرنے کا اور دشمنوں کو خاموش کرانے کا!!

(43) عَفَا اللّٰهُ عَنۡكَ لِمَ اَذِنۡتَ لَهُمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَتَعۡلَمَ الۡكٰذِبِيۡنَ ۝ (التوبة)

''اللہ نے آپ سے درگزر فرمایا ہے، آپ نے اُنہیں رخصت ہی کیوں دی (کہ وہ شریکِ جنگ نہ ہوں) یہاں تک کہ وہ لوگ (بھی) آپ کے لئے ظاہر ہو جاتے جو سچ بول رہے تھے اور آپ جھوٹ بولنے والوں کو (بھی) معلوم فرما لیتے۔'' (۹ : ۴۳)

Marfat.com

منافقین بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر جہاد میں شرکت نہ کرنے کے لئے عذر بیان کرتے۔ آقائے ہر جہاں ﷺ اپنی کریم النفسی کے باعث اُنہیں پیچھے رہنے کی اجازت فرما دیتے حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ اگر اُنہیں رخصت نہ دی جاتی تو بھی وہ تبوک کی اِس مہم میں شرکت سے انکار کر دیتے۔ بہتر یہی تھا کہ اُن کی معذرتوں کو ٹھکرا دیا جاتا تاکہ جب وہ پیچھے رہ جاتے تو اُن کے نفاق کا حال سامنے آجاتا۔ یہ دریافت کرنے سے پیشتر کہ اے محبوب! تو نے اُنہیں پیچھے رہنے کی اجازت ہی کیوں دی یعنی اُنہیں ننگا کیوں نہ ہونے دیا؟ اِتنا فرمانے سے پہلے عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ کے الفاظ ارشاد فرمائے۔ یہاں یہ کلمات کسی گناہ کی معافی کے لئے نہیں بلکہ اظہارِ تعظیم و تکریم کے لئے ہیں جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: اِنَّ ذٰلِکَ یَدُلُّ عَلٰی مُبَالِغَةِ اللّٰہِ فِیْ تَعْظِیْمِہٖ وَتَوْقِیْرِہٖ یعنی اِن کلمات سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کی تعظیم و توقیر میں بڑے مبالغہ کا اظہار فرمایا ہے۔ (تفسیر کبیر)

''عصمتِ انبیاء کے منکرین نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ انبیاء سے (معاذ اللہ) گناہ کا صدور ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ معاف کرنا گناہ کی فرع ہے۔ اگر آپ (ﷺ) نے کوئی گناہ نہیں کیا تو پھر معاف کرنے کا کیا معنیٰ ہوا؟ حضرات قتادہ اور عمرو بن میمون رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی ﷺ نے دو کام بغیر وحی کے کئے تھے: ایک تو منافقین کو غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کی اجازت دی اور دوسرا کام یہ کیا کہ آپ نے بدر کے قیدیوں سے فدیہ لیا۔''

''امام رازی نے اس اعتراض کے دو جواب دیئے ہیں: (۱) عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ (اللہ آپ کو معاف فرمائے!) کلامِ عرب میں تعظیم اور تکریم کا کلمہ ہے جسے کلام کے ابتدا میں ذکر کیا جاتا ہے اور جو شخص متکلم کے نزدیک بہت معظم اور مکرم ہو' اُس کے متعلق وہ کہتا ہے کہ ''اللہ آپ کو معاف فرمائے' آپ نے میرے معاملہ میں کیا کیا ہے؟'' یا ''اللہ آپ سے راضی ہو میری بات کا کیا جواب ہے؟'' لہٰذا عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے کوئی گناہ کیا ہو۔ (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا منافقین کو جہاد میں شامل نہ ہونے کی اجازت دینا آیا گناہ تھا یا نہیں؟ اگر یہ گناہ نہیں تھا تو یہ کیوں فرمایا کہ اللہ نے آپ کو معاف فرما دیا؟ خلاصہ یہ کہ یہ فرمانا گناہ کو مستلزم نہیں' لہٰذا اس قول کو ترکِ اولیٰ اور ترکِ اکمل پر محمول کیا جائے گا۔'' (تفسیر کبیر' جلد ۶' ص ۵۸)

''علامہ سمرقندی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ اگر کلام اس طرح شروع ہوتا کہ آپ نے اُنہیں کیوں اجازت دی؟ تو اس کا اندیشہ تھا کہ اس کلام کی ہیبت سے آپ کا قلب شق ہو جاتا۔ اس لئے رب تعالیٰ نے اپنی رحمت کے حوالے سے فرمایا: ''اللہ آپ کو معاف کرے!'' تاکہ آپ کا قلبِ مبارک مطمئن اور پُر سکون رہے۔ اس کے بعد اصل سوال کیا کہ آپ نے اُنہیں اجازت کیوں دی؟ اس اسلوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔'' (تبیان القرآن' ج ۵' ص ص ۱۴۶' ۱۴۷' بحوالہ ''الشفاء'')

علامہ سید محمود آلوسی حنفی (م ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:

Marfat.com

''اس آیت میں عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ فرمانا ایسے ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: ''مجھے یوسف علیہ السلام کے کرم اور صبر پر تعجب ہے۔ اللہ اُن کی مغفرت فرمائے جب اُن سے دُبلی اور موٹی گایوں کے متعلق سوال کیا گیا تھا۔ اگر میں اُن کی جگہ ہوتا تو میں اُس وقت تک اُنہیں خواب کی تعبیر نہ بتاتا جب تک اُن سے یہ شرط نہ منوا لیتا کہ وہ مجھے قید سے رہا کر دیں گے۔''

''اس حدیث مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ یوسف علیہ السلام کی مغفرت فرمائے! اور پھر جس کام پر مغفرت کا ذکر فرمایا ہے وہ کوئی گناہ نہیں ہے۔ اسی طرح اِس آیت میں جس کام کے متعلق عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ فرمایا ہے' وہ بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔ (غلام رسول سعیدی)

''عون بن عبداللہ نے کہا: اس سے زیادہ حسین اور کونسا عتاب ہوگا جس میں اللہ تعالیٰ نے عتاب سے پہلے معاف کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ حقیقتاً عتاب نہیں ہے' صورۃً عتاب ہے۔ اس کے بعد علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے زمخشری پر سخت رد کیا ہے جس نے اپنی تفسیر ''الکشاف'' کی جلد دوم کے صفحہ ۲۷۴ پر اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ (معاذ اللہ) ''یہ آپ کے جرم سے کنایہ ہے۔'' (روح المعانی' جلد دہم' صفحہ ۱۰۸' بحوالہ تبیان القرآن' ج ۵' ص ۱۴۷)

''علامہ احمد خفاجی نے بھی امام رازی اور قاضی عیاض کی طرح تقریر کی ہے اور قاضی بیضاوی نے زمخشری کی اتباع میں جو یہ لکھا ہے کہ عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ فرمانا اس بات سے کنایہ ہے کہ آپ ﷺ کا اجازت دینا خطا تھی کیونکہ معاف کرنا خطا کی فرع ہے۔ علامہ خفاجی نے زمخشری اور بیضاوی دونوں کا رد بلیغ کیا ہے۔''
(عنایۃ القاضی' جلد چہارم' ص ص ۵۷۳' ۵۷۴)

''علامہ محی الدین شیخ زادہ (م ۹۵۱ھ) نے قاضی بیضاوی کی عبارت کی توجیہ کی ہے اور کہا ہے کہ قاضی بیضاوی کی ''خطا'' سے مراد اجتہادی خطا ہے اور اجتہادی خطا گناہ نہیں ہوتی بلکہ اُس پر اجر ملتا ہے اور آپ ﷺ کا یہ فعل ترکِ اَولیٰ کے قبیل سے تھا۔'' (حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی' ج ۴' ص ۴۶۶' بحوالہ تبیان القرآن' ج ۵' ص ۱۴۷)

عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ کے متعلق علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

''میرے نزدیک اِس آیت کی تقریر اس طرح ہے کہ جس کام سے اللہ نے لازماً منع کیا ہو' اُس کام کا کرنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے اور جس کام سے اللہ نے لازماً منع نہ کیا ہو بلکہ ترجیحاً منع کیا ہو یعنی اُس کا نہ کرنا راجح ہو تو اُس کام کا کرنا گناہ تو نہیں لیکن مکروہِ تنزیہی یا خلافِ اَولیٰ ہے۔ اب اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کو منافقین کو اجازت دینے سے لازماً منع کیا ہوتا تو یہ فعل حرام اور گناہِ کبیرہ ہوگا اور اگر ترجیحاً منع کیا ہوتا تو گناہ تو نہ ہوتا مگر یہ فعل مکروہِ تنزیہی یا خلافِ اَولیٰ ہوتا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کو منع ہی نہیں کیا تھا تو آپ کا اُنہیں اجازت دینا نہ تو کسی قسم کا گناہ ہے اور نہ یہ فعل مکروہِ تنزیہی یا خلافِ اَولیٰ ہے۔ بلکہ آپ کے لئے اُنہیں اجازت دینا یا نہ دینا دونوں فعلِ مباح تھے

Marfat.com

اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے محبت آمیز خطاب فرمایا ہے کہ اللہ آپ کو معاف فرمائے' آپ نے اُنہیں جہاد میں شامل نہ ہونے کی اجازت کیوں دی؟ حالانکہ اگر آپ اجازت نہ دیتے تو وہ پھر بھی جہاد میں شریک ہونے والے نہ تھے یعنی اُنہیں آپ کا اجازت دینا اور نہ دینا دونوں امر برابر تھے۔'' (تبیان القرآن' ج ۵' ص ص ۱۴۷' ۱۴۸)

(44) اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ O (اَلتوبة: ۸۰)

"(اے حبیب محتشم!) آپ اِن (منافقین) کے لئے بخشش طلب کریں یا نہ کریں' اگر آپ اُن کے لئے ستر مرتبہ بھی بخشش طلب کریں تو بھی اللہ اُنہیں ہرگز نہیں بخشے گا' یہ اس وجہ سے کہ اُنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ کفر کیا ہے اور اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں فرماتا۔'' (۸۰ : ۹)

آیت میں ارشاد ہوا کہ اگر آپ ستر بار بھی اُن کی بخشش کی دعا کریں گے تب بھی ہم اُن کی بخشش نہیں کریں گے۔ عربی زبان میں ستر سے مراد ''بے شمار'' ہوتا ہے جیسے اردو میں سینکڑوں اور بیسیوں۔ مگر اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا! میں ستر بار سے بھی زیادہ دعا کروں گا' شاید اُس کی بخشش ہو جائے۔ تب سورۃ المنافقون کی یہ آیت نازل ہوئی:

سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ لَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ (المنافقون : ٦)

''اُن پر برابر ہے چاہے آپ اُن کے لئے بخشش طلب کریں یا نہ کریں' اللہ اُنہیں ہرگز نہ بخشے گا۔'' (۶:۶۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی مرض الموت میں مبتلا ہوا تو حضور علیہ السلام اُس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اُس نے التماس کی کہ جب وہ مر جائے تو آپ میری نمازِ جنازہ پڑھائیں اور میری قبر پر بھی تشریف فرما ہوں۔ پھر اُس نے ایک آدمی بھیجا اور عرض کی کہ کفن کے لئے اُسے قمیص مرحمت فرمائی جائے۔ حضور علیہ السلام نے اوپر والی قمیص بھیجی۔ اُس نے پھر گزارش کی کہ مجھے وہ قمیص چاہئے جو آپ کے جسدِ اطہر کو چھو رہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پاس بیٹھے تھے۔ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! آپ اس ناپاک اور گندے آدمی کو اپنی پاک قمیص کیوں عنایت فرماتے ہیں؟ رحمتِ عالمیان نے حقیقت سے نقاب اٹھایا اور فرمایا: اے عمر! اس کافر اور منافق کو میری قمیص کچھ نفع نہ دے گی۔ بلکہ اِس کے دینے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ہزار آدمیوں کو مشرّف بہ اسلام کرے گا۔ منافقوں کا ایک انبوہِ کثیر ہر وقت عبداللہ کے پاس رہتا تھا۔ جب اُنہوں نے یہ دیکھا کہ یہ نابکار ساری عمر مخالفت کرنے کے بعد اپنی بخشش اور نجات کے لئے آپ کی قمیص کا سہارا لے رہا ہے تو اُن کی آنکھوں سے غفلت کے پردے اٹھ گئے اور یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ اس رحمتِ عالمیان کی بارگاہِ بیکس پناہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ہاں منظوری ناممکن ہے تو بجائے اس کے کہ حالتِ یاس میں اس کا دامن پکڑنے کی ناکام کوشش کریں' اب ہی کیوں نہ اُس پر ایمان لے آئیں اور سچے دل سے اپنی گزشتہ خطاؤں کی

Marfat.com

معافی مانگ لیں اور اُس کی شفاعت کے مستحق ہو جائیں۔ چنانچہ اُسی وقت ایک ہزار منافق اُس قمیص کی برکت اور قمیص والے کے حسنِ اخلاق سے مشرف بہ اسلام ہوا (تفسیر کبیر)۔ جو ڈوب چکا تھا وہ تو ڈوب ہی چکا تھا لیکن ہزاروں ڈوبتے ہوؤں کو تو بچا لیا۔ جب وہ مر گیا تو اُس کا بیٹا جو مخلص مسلمان تھا حاضر ہوا اور اپنے باپ کی موت کی اطلاع دی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: جاؤ اور اُس کا جنازہ پڑھ کر اُسے دفن کر آؤ۔ اُس نے عرض کی: حضور خود کرم فرمائیں۔ اُس پیکرِ عفو و عنایت نے نہ نہیں کی۔ اُٹھے اور اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے روانہ ہونے لگے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پھر گزارش کی: یا رسول اللہ! اللہ اور رسول کے اِس دشمن کی نماز جنازہ نہ پڑھئے۔ اُس وقت سورۃ التوبہ کی آیت ۸۴ نازل ہوئی اور جبریل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنایا: ''اے نبی مکرّم! اُن میں سے جو مر جائے اُس کی نمازِ جنازہ کبھی نہ پڑھئے اور نہ ہی اُس کی قبر پر کھڑے ہوں۔''

**عبداللہ بن اُبی کے کفن کے لئے قمیص عطا فرمانے کی وجوہ:** عبداللہ بن اُبی منافقوں کا سردار تھا۔ پھر اس کی کیا وجہ تھی کہ آپ ﷺ نے اُسے اپنی قمیص عطا فرمائی۔ علماء کرام نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں: (۱) جنگِ بدر میں جب حضرت عباس جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے گرفتار ہوئے تو اُن کی اپنی قمیص پھٹ گئی تھی۔ حضور علیہ السلام نے اُنہیں قمیص پہنانا چاہی کیونکہ عباس دراز قامت تھے۔ عبداللہ بن اُبی کا قد بھی بڑا لمبا تھا' اس لئے اُس کی قمیص کے سوا اور کوئی قمیص اُنہیں پوری نہ آئی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے چاہا کہ اُس کا یہ احسان دنیا ہی میں اتار دیا جائے۔ (صحیح بخاری) (۲) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام کو یہ تعلیم دی تھی کہ کسی سائل کو نہ جھڑکئے (سورہ الضحیٰ: ۱۰) اس لئے حضور علیہ السلام نے اُس کے سوال کو ردّ نہ کیا۔ (۳) سب سے بڑی وجہ وہی تھی جو حضور علیہ السلام نے خود بیان فرمائی کہ اس قمیص کی وجہ سے اللہ ایک ہزار منافقوں کو دولتِ ایمان سے مالا مال کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

باقی رہا یہ سوال کہ عبداللہ بن اُبی کا نفاق مشہور تھا پھر آپ نے اُس کی نماز جنازہ پڑھانے میں کیوں رغبت کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات مقرر ہے کہ جب منافق ایمان کا اظہار کرے تو ان میں کفر کے باوجود اُس پر اسلام کے احکام جاری کئے جاتے ہیں اور اُس کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے کیونکہ احکام شرعیہ ظاہر حال پر مبنی ہیں۔ نبی مکرّم ﷺ نے فرمایا: ہم ظاہر پر حکم لگاتے ہیں اور باطل کا معاملہ اللہ کی طرف مفوّض ہے اور ابن اُبی کے معاملہ میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میری قمیص اور میری نماز اُس سے اللہ کے عذاب کو دُور نہیں کر سکتی اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اُس کی قوم کے ایک ہزار آدمیوں کو مشرف بہ اسلام کرے گا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حصولِ مغفرت کے لئے اُس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی تھی۔ آپ پر اعتراض تب ہوتا جب آپ حصولِ مغفرت کے لئے اس کی نماز جنازہ پڑھاتے۔ (تبیان القرآن ۔۔ علامہ غلام رسول سعیدی' ج ۵' ص ص ۲۱۲' ۲۱۳)

گستاخانِ رسول نے اس آیت سے یہ استنباط کیا کہ نبی علیہ السلام کی دعا (معاذ اللہ) غیر مقبول ہے۔

Marfat.com

مؤلف انسائیکلو پیڈیا بذا بجا طور پر یہ سمجھتا ہے کہ اس دعا کے قبول نہ فرمانے میں محبوب علیہ السلام کی انتہائی عظمت کا اظہار ہے۔ وہ منافقین اللہ کے محبوب اور اُس کے محبوبین یعنی صدیق و عمر اور عثمانِ غنی رضی اللہ عنہم وغیرہ کے منکر تھے اور اُن کے خلاف باتیں کرنے میں ادب کا دامن اُنہوں نے جھٹک دیا تھا۔ اِس لئے فرمایا کہ پیارے! اُنہیں معاف کرنے اور اپنی جنت سے نوازنے کو میری غیرت گوارا نہیں کرتی۔ پیارے! تجھے تو میں نے رَحْمَةً لِّلْعالَمین کا سہرا پہنا کر بھیجا ہے‘ لہٰذا منافقین کے لئے دعائیں فرمانا تیری رحمتِ غیر اختیاری کا تقاضا ہے۔ تیرے دربارِ عالی میں جو بھی طالبِ دعا آتا ہے تو اُسے محروم نہیں فرماتا اور اُن کے لئے تیرے ہاتھوں کا اُٹھ جانا شرعاً ممنوع بھی نہیں کیونکہ شریعت ظاہر پر ہے اور وہ لوگ بہ ظاہر مسلمان بھی ہیں۔ پیارے حبیب! اگر وہ صرف میرے مجرم اور میرے گستاخ ہوتے‘ بے نماز ہوتے اور توبہ کرتے تو ہم معاف کر بھی دیتے لیکن وہ تو تیرے مجرم ہیں لہٰذا اُن کی مغفرت نہیں کروں گا۔ بعض اوقات ترکِ امر میں ادب ہوتا ہے مثلاً میرا استاد کہے کہ سرہانے بیٹھ جاؤ مگر میرا نہ بیٹھنا عین ادب ہے نہ کہ نافرمانی۔ لہٰذا آیت میں عتاب نہیں بلکہ شانِ محبوبی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ تو اپنی مخلوق پر بہت مہربان اور رحیم و کریم ہے اور اپنی رحمت کے باعث وہ اپنے حقوق کی عدم ادائی کو معاف کر دیا کرتا ہے لیکن وہ اپنے پیغمبر کے حق میں معمولی سی بے ادبی یا ایذا کو ہرگز برداشت نہیں کرتا۔ سورۃ النحل کی درجِ ذیل آیات اس اہم نکتے کی وضاحت کر رہی ہیں:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ○ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُوْنَ ○ (اَلنَّحل: ۱۱۲‘ ۱۱۳)

’’اور اللہ ایک بستی والوں کی مثال بیان کرتا ہے کہ وہ امن و اطمینان میں رہتے تھے‘ اُن کے کھانے کا سامان بہ فراغت اُن کے پاس ہر طرف سے آتا رہتا لیکن اُنہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی‘ اس پر اللہ نے اُنہیں اُن کے کرتوتوں کے سبب ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا۔ اور بے شک اُن کے پاس اُنہی میں سے ایک رسول آیا تو اُنہوں نے اُسے جھٹلایا پس اُنہیں عذاب نے آ پکڑا اور وہ ظالم ہی تھے۔‘‘ (۱۱۲‘ ۱۱۳:۱۶)

آیت میں قَرْيَة سے مراد شہرِ مکہ ہے جو نبی علیہ السلام کو وہاں سے نکال دینے کی وجہ سے سالوں قحط کا شکار رہا۔ آیت میں رسول سے مراد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔ جُوع (بھوک) مکہ کے سات سالہ زبردست قحط کا نتیجہ تھی اور کفارِ مکہ کے سروں پر ہر وقت یہ خطرہ منڈلاتا رہتا تھا کہ بس اب گئے سو گئے۔ سبحان اللہ! اُس فخرِ ہر جہاں ﷺ کی مکہ میں دوبارہ آمد سے مکہ مکرمہ میں پھر سے خوشحالی اور شادمانی کی بہار آ گئی!

آیت سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ دنیوی نعمتوں کی ناشکری بھی عذاب کا مستحق بنا دیتی ہے۔ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْف کی بات اہلِ مکہ کے حق میں اُن کے انکارِ رسول کی پاداش میں پوری ہو کے رہی۔ مکہ میں شدید قحط پڑا‘ جانور مرنے لگے اور آدمی جان سے گزرنے لگے۔ مکہ بالآخر مسلمانوں ہی کے ہاتھ پر فتح ہوا اور قریش کے بڑے بڑے سرداروں کا سرنگوں ہوا۔

Marfat.com

دیکھا آپ نے کہ پورے جزیرہ عرب میں اور بالخصوص اللہ کے مقدس گھر کعبہ معظمہ میں صدیوں بتوں کی پرستش ہوتی رہی۔ لیکن قادرِ مطلق اللہ نے اس کی پروا نہیں کی لیکن جب کفارِ مکہ نے اللہ کے محبوب علیہ السلام کو اُن کے وطن شہرِ مکہ سے نکال دیا تو رب سے اپنے محبوب کی یہ تکلیف اور دل گرفتگی برداشت نہیں ہو سکی جس کے نتیجہ میں شہرِ مکہ سات سال تک زبردست قحط سالی کا اس حد تک شکار رہا کہ لوگوں کو گدھوں اور بندروں جیسے مردار جانوروں کا گوشت کھا کھا کر گزارہ کرنا پڑا۔ یہ عذابِ الٰہی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جبری ہجرت کا نتیجہ تھا۔

درج ذیل آیات بھی اس بات پر زور دیتی ہیں کہ غضب اور عذابِ الٰہی اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے کا نتیجہ ہوا کرتا ہے: سورہ بنی اسرائیل : آیت ۱۵ ؛ المؤمنون: ۴۴ ؛ القصص: ۵۹ ؛ سبا : ۴۵ ؛ صٓ: ۱۴ ؛ الحاقۃ: ۱۰۔

یہاں ایک سوال بجا طور پر پیدا ہوتا ہے کہ جب عبداللہ بن اُبی نے مرض الموت میں نبی ﷺ کی قمیص مبارک بطور تبرک مانگی تو ایک طرح سے اُس کا آپ پر ایمان لانا تو ثابت ہو گیا' پھر آپ کو اُس کی نماز جنازہ پڑھنے سے کیوں روکا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عبداللہ بن اُبی نے آپ ﷺ پر ایمان لاتے ہوئے آپ کی قمیص نہیں مانگی تھی اور وہ اپنے نفاق سے تائب نہیں ہوا تھا بلکہ اُس کی درخواست برائے قمیص نفسانی بناء پر تھی کہ بعد از موت میری میت خراب نہ ہو۔ اگر حضور علیہ السلام میری نماز نہیں پڑھائیں گے تو آپ کے تمام صحابہ بھی نہیں پڑھیں گے اور اس طرح مجھے نہ اپنے دفن کریں گے اور نہ ہی مسلمان۔ اُس کے خیال میں اس طرح تو اُسے اپنی میت کے خراب ہونے کا اندیشہ تھا۔

ایک اور سوال معترضین کی طرف سے یہ کیا جاتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی قمیص' لعاب شریف یا آپ کے بال شریف عذابِ میت دُور نہیں کر سکتے لہٰذا سب بے کار ہیں۔ دیکھ لیجئے کہ عبداللہ بن اُبی کی قبر میں یہ سب چیزیں ساتھ گئیں لیکن بے فائدہ رہیں اور اُس کے عذاب میں کمی نہ ہوئی۔

جواباً عرض ہے کہ اگر وہ صحیح معنوں میں مسلمان ہوتا تو یہ تبرکات اُسے ضرور فائدہ دیتے۔ منافق تھا اس لئے فائدے سے محروم ہی رہا۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں کہ کالی چادر کو زمزم اور کوثر سے دھونے سے وہ سفید نہ ہوگی۔ آئینہ کا زنگ دُور ہو سکتا ہے لیکن پتھر کا آئینہ نہیں بن سکتا۔ حضور علیہ السلام کو سب معلوم تھا کہ ان میں سے کوئی بھی چیز اُس کے لئے مفید نہ ہوگی۔ یہی تو وجہ ہے کہ قمیص عطا ہوتے وقت وغیرہ کے اوقات میں ممانعت کی آیت نہیں آئی۔ جب سب کچھ ہو چکا تو آئندہ کے لئے منع فرما دیا یعنی اے محبوب! آپ کا منشا پورا ہو چکا کہ ایک ہزار منافقوں کو آپ کی قمیص نے دولتِ ایمان دے دی۔ آئندہ ایسا نہ کرنا۔

Marfat.com

زیرِ نظر آیت بہت سے مسائل کا خزینہ ہے (۱) مردے کے کفن میں تبرکات رکھنے کا ثبوت ملا۔ (۲) تبرکات صرف مسلمان کو فائدہ دیتے ہیں کیونکہ بغیر جان کوئی دوا مفید نہیں اور بغیر ایمان کوئی تبرک مفید نہیں۔ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے اپنی حجامت کے آدھے بال حضرت ابوطلحہ اور آدھے دیگر صحابہ میں تقسیم فرما دیئے جنہیں صحابہ کرام بوقتِ جہاد اپنی ٹوپی میں رکھتے تھے۔ (۳) مردہ کافر و منافق کو مرحوم یا رضی اللہ عنہ یا رحمۃ اللہ علیہ کے القاب دینا یا اُن کے لئے ختمِ قرآن مجید کرنا' اُن کی فاتحہ وغیرہ کرنا بالکل حرام ہے۔ (۴) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بڑی شان و عظمت والے ہیں کہ آپ کی رائے کے مطابق بہت سی آیاتِ قرآنی نازل ہوئیں۔ مثلاً جنگِ بدر میں کافر قیدیوں کا معاملہ' شراب کی حرمت' مقامِ ابراہیم کو جائے نماز بنانا' عورتوں کے پردہ واجب ہونے' منافقوں پر نماز جنازہ نہ پڑھنے کی آیت۔ یہ سب آپ کی رائے کے مطابق اللہ نے نازل فرمائیں۔ (۵) حضور علیہ السلام کے ہر عمل میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں جنہیں صرف نگاہِ نبوت ہی دیکھ سکتی ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ منافق کے لئے یہ چیزیں بیکار ہیں' منافق کو اپنی قمیص عطا فرمائی' اُس کے منہ میں لعابِ مبارک ڈالا۔ اس عملِ مبارک سے قمیص جیسی بے جان چیز نے ایک ہزار منافقین کو دولتِ ایمان بخش دی۔ اس لئے کہ وہ اُس ذات کے جسمِ اطہر سے مس ہوئی تھی جو ہمارے جیسا ہرگز نہیں ہے۔ (۶) مردے کو کفنی (الفی) دینا' اُسے غلافِ کعبہ میں لپیٹ کر دفن کرنا بالکل جائز ہے کہ حضور علیہ السلام کی ردائے مبارک غلافِ کعبہ سے افضل ہے کہ غلافِ کعبہ بیت اللہ کا صحبت یافتہ ہے اور یہ چادر شریف حبیب اللہ کی صحبت یافتہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ابنِ اُبی کو اس میں لپیٹا اور دفن کیا۔ حضرت زینب کی وفات پر اُن کے سینہ پر اپنا تہبند شریف رکھوا کر اُنہیں دفن فرمایا۔ (۷) حضور علیہ السلام کی عظمت کا انکار رب تعالیٰ کا انکار ہے۔ منافقین اللہ کے منکر ہرگز نہ تھے بلکہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرتبہ اور شان سے کُڑھتے اور جلتے تھے' اس لئے غضبِ الٰہی کے مورد قرار پائے۔

(45) وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ مَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (التوبة : ۸۴)

''(اے نبیِ مکرّم!) اُن میں سے جو مر جائے' کسی کا نمازِ جنازہ کبھی نہ پڑھئے اور نہ ہی اُس کی قبر پر کھڑے ہویئے کہ اُنہوں نے اللہ اور اُس کے رسولِ معظم کا کفر کیا اور نافرمان کی حالت میں وہ مرے۔'' (۹ : ۸۴)

اس آیت میں دو ممانعتیں آئی ہیں: ایک تو کافر و منافق کی نمازِ جنازہ پڑھنے کی اور دوسری حضور علیہ السلام اور آپ کی وساطت سے آپ کی تمام امت کو کافر و منافق کی قبر پر کھڑا ہونے کی۔ یہاں قیام سے مراد صرف کھڑا ہونا نہیں بلکہ وہاں جانا' بیٹھنا' کھڑا ہونا سبھی مراد ہے جبکہ مقصد زیارت کرنا' احترام کرنا' دعا کرنا' دفن کرنا یا دفن کرنے کے بعد دعا کرنے کا ہو کہ یہ سب کام حرام ہیں۔ تحقیر اور عبرت کے لئے وہاں جانا بہتر اور جائز ہے کیونکہ حضور علیہ السلام خود جنگِ بدر کے دن ابوجہل وغیرہ کی لاشوں پر تشریف لے گئے اور اُن سے خطاب

Marfat.com

بھی فرمایا۔ افسوس کہ قرآن کا یہ حکم آج مسلمانوں نے بھلا دیا ہے۔ دنیاوی مصلحتوں کی ڈوری میں بندھے ہوئے ہمارے مسلمان حاکم اپنے آقاؤں کی خوشنودی کے لئے دہریوں' کافروں اور دشمنانِ اسلام کی قبروں پر جاتے بھی ہیں اور وہاں پھول چڑھا کر اُن مُردوں کی تعظیم و توقیر بھی کرتے ہیں۔ اللہ کی رحمت آئے تو کیسے آئے!!

آیت کے آخری حصے میں ان ممانعتوں کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ اگرچہ وہ زبانی طور پر مسلمان محسوس ہوتے ہیں لیکن فی الحقیقت وہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے منکر اور پکے کافر ہیں اور کفار کے لئے نہ تو دعائے مغفرت جائز اور نہ ہی اُن کی قبروں پر جانا جائز۔ وَرَسُوْلِهٖ کے لفظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی عظمت و رفعت کا انکار رب تعالیٰ کا انکار ہے۔ منافقین کے فسق سے مراد اُن کا رسول آزار ہونا اور مسلم آزار ہونا ہے۔

یہاں زیرِ نظر آیت میں بھی خالقِ لم یزل نے محبوب علیہ السلام کی عالی مرتبتی اور علوِّ منصب کا خوب خوب خیال رکھا اور یہ آیت دراصل اپنے محبوب علیہ السلام کی نعت و توصیف ہے۔ منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے اور اُن کی قبروں پر جانے کی ممانعت سے یہ بتا دیا کہ اے رحمتِ عالمیان کی چادر اوڑھنے والے! یہ ہو نہیں سکتا کہ تو کسی کی مغفرت کے لئے ہمارے حضور لب کشا ہو اور ہم اُسے قبول نہ فرمائیں لیکن پیارے! ہم اُنہیں بخشنا نہیں چاہتے کیونکہ وہ زندگی بھر تیرے درپئے آزار رہے ہیں۔ چنانچہ آپ کو اُن کی نماز جنازہ جو دعائے بخشش ہی ہوتی ہے' سے روکنا اپنے محبوب علیہ السلام کی عظمت و رفعت کی جلوہ گری کا ایک ناقابلِ تردید رُخ ہے۔ اسی طرح رب نے یہ بھی نہیں چاہا کہ میرے پیارے رحمتِ عالمیان کے اُن کی قبروں کے پاس سے گزرنے کی وجہ سے میں اُن کے عذاب میں کمی کر دوں۔ چنانچہ منافقین اور کفار کی قبروں پر عذاب کو پوری شدت کے ساتھ برقرار رکھنے کے لئے اپنے محبوبِ محتشم کو وہاں جانے سے روک دیا کہ پیارے! تیرے وہاں جانے سے اُن کی قبروں پر برستے ہوئے میرے قہر و غضب میں کہیں کمی نہ آ جائے۔ میری رحمت اور لطف و کرم کی برکھا تو اُن پر برستی ہے جنہوں نے اپنی زندگیاں اور اُس کی ساری رعنائیاں تجھے خوش کرنے کے لئے تجھ پر وار ڈالیں۔ جو تیرے ہو چکے وہی میرے ہیں۔ جو تیرا نہیں میرا اُس سے کیا تعلق؟ سبحان اللہ! کیا شانِ بندہ پروری ہے اور اس عتاب میں بھی جو شانِ دلبری پنہاں ہے' وہ محبوب جانے اور اُسے رحمۃ للعالمین کی خلعتِ فاخرہ اُڑھانے والا جانے۔

(46) عَبَسَ وَ تَوَلّٰی ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ۝ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰی ۝ اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی ۝ وَ مَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰی ۝ وَ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰی ۝ وَهُوَ یَخْشٰی ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی ۝ (عَبَس : ۱ تا ۱۰)

''چیں بہ جبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا (بایں وجہ کہ) اُن کے پاس ایک نابینا آیا اور آپ کیا جانیں شاید وہ پاکیزہ تر ہو جاتا یا نصیحت قبول کر لیتا اور اُسے نصیحت کرنا فائدہ ہی پہنچاتا' سو جو شخص (دین سے) بے پروائی کرتا ہے آپ اُس کی تو فکر میں پڑ جاتے ہیں حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں اگر وہ نہ سنورے' اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ خشیتِ (الٰہی) رکھتا ہے تو آپ اُس سے بے اعتنائی برتتے ہیں۔'' (۱ تا ۱۰ : ۸۰)

Marfat.com

واقعہ یوں ہوا کہ ایک مرتبہ ختمی مرتبت ﷺ بڑی دلسوزی اور محویت سے مکہ کے مشرک سرداروں (ابو جہل، عتبہ، شیبہ پسرانِ ربیعہ، امیہ بن خلف، ولید بن مغیرہ وغیرہ) کو اس امید میں تبلیغ اسلام فرما رہے تھے اور اُنہیں کفروشرک کے اندھیروں سے نکالنے کی سعی فرما رہے تھے کہ وہ اسلام قبول کرلیں گے۔ حَرِیْصٌ "عَلَیْکُمْ" کی شان اپنے پورے جوبن پر تھی۔ دریں اثنا عبداللہ ابنِ اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔ نابینا ہونے کی وجہ سے محفل کا رنگ نہ دیکھ سکے۔ انہوں نے اپنے شوقِ فراواں سے مجبور ہوکر آتے ہی عرض کی: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِعَلِّمْنِیْ مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰہُ' (اے اللہ کے رسول! جو اللہ نے آپ کو سکھایا' اُس میں سے مجھے بھی سکھایئے)

یہ مداخلتِ بے جا حضور علیہ السلام کو پسند نہ آئی۔ رخِ انور پر ناگواری کے آثار نمایاں ہوئے' جبینِ سعادت پر شکن پڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ گوارا نہ ہوا۔ اُس وقت درجِ بالا آیات نازل ہوئیں۔

امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ یہاں ایک سوال اٹھاتے ہیں' پھر خود ہی اُس کا جواب دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ غلطی حضرت عبداللہ سے ہوئی تھی۔ حضور علیہ السلام کفار کو دعوتِ اسلام دے رہے تھے۔ جناب عبداللہ نے قطع کلام کرتے ہوئے اپنی بات چھیڑ دی۔ نیز ایک کافر کو دعوتِ اسلام دینا ایک مسلمان کو قرآن کی تعلیم دینے سے مقدم ہے۔ آدابِ مجلس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ جو سلسلہ کلام پہلے شروع ہے' وہ ختم ہو جائے تو نئی بات چھیڑی جائے۔ عبداللہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے اُن کے پاس بے شمار مواقع تھے۔ بہ ظاہر غلطی جناب عبداللہ کی ہے کہ اُنہوں نے مجلسِ نبوّت کے آداب کا پاس نہ رکھا۔ نیز حضور علیہ السلام اپنے کسی ذاتی کام میں مصروف نہ تھے بلکہ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ کے حکم کی تعمیل میں مشغول تھے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ عبداللہ کو سرزنش کی جاتی کہ اُنہوں نے فرائضِ نبوت کی ادائیگی میں مداخلت کیوں کی ہے لیکن اُن کی بجائے اپنے محبوب کریم کو تنبیہ فرما دی کہ آپ نے ناگواری کا اظہار کیوں کیا اور اُس سے بے رُخی کیوں برتی۔ اس میں کیا حکمت ہے؟'' ان تمام باتوں کے پیشِ نظر عتاب حضرت عبداللہ کو ہونا چاہیے تھا۔ حضور علیہ السلام کو عتاب کرنے میں کیا حکمت ہے؟

''امام رازی فرماتے ہیں کہ یہ ساری باتیں بجا ہیں اور عتاب کی اس کے بغیر کوئی حکمت نہیں کہ وہ کفار جو اُس وقت حاضر تھے' وہ مکہ کے سردار اور دولتمند لوگ تھے' اُنہیں اپنی اس برتری کا احساس بھی تھا اور اُس پر اُنہیں گھمنڈ بھی تھا۔ اُن کی موجودگی میں اپنے کسی نیاز مند کے ساتھ یہ بے اعتنائی عام لوگوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر سکتی تھی کہ یہ بے رُخی' تبلیغ میں انہماک کی وجہ سے نہیں برتی گئی بلکہ محض ان لوگوں کی دولت و ثروت اور اُن کی ریاست کی وجہ سے اُن کی پاسداری کی گئی ہے اور عبداللہ کو محض اس وجہ سے نظرانداز کیا گیا ہے کہ وہ غریب عوام کا ایک فرد ہے اور جس نبی کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہی غریب نواز بنا کر ہو اور جس کا مقصدِ اوّلیں ہی شکستہ دلوں اور غمزدوں کی دلجوئی اور دل داری ہو اور جو تشریف ہی اس لئے لایا ہو کہ فقراء و مساکین کی عزت افزائی کرے' اُس ہستی سے کسی ایسی بات کا صدور جس سے اُس کے منصبِ رفیع کے خلاف کوئی واہمہ پیدا ہو سکے' اللہ تعالیٰ کو ہرگز گوارا نہیں۔''

Marfat.com

''عبداللہ ابنِ اُمِّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دلِ نیاز مند پر صد ہا شیبہ و عتبہ قربان کئے جا سکتے ہیں۔ بارگاہِ نبوّت کے درویشوں اور فقیروں کی درویشی اور فقر کے سامنے دنیا بھر کے رئیسوں کی کوئی حیثیت نہیں:

قطرۂ آبِ وضوئے قنبر خوب تر از خون نابِ قیصرے

(قنبر کے وضو کے پانی کا قطرہ' قیصر کے خونِ ناب سے قدر و قیمت میں کہیں فزوں تر ہے)''

''وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّىٰ کی آیت میں عبداللہ کے پاسِ خاطر کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ وہ کفار جن کی طرف آپ ہمہ تن متوجہ تھے' اُن میں سے کسی کے دل میں طلبِ حق کا جذبہ نہ تھا۔ اُنہیں تو اپنی دولت کا گھمنڈ اور اپنے رئیس ہونے پر ناز تھا۔ وہ آپ کی دعوت کو سمجھنے اور سمجھ کر اُسے قبول کرنے کی نیت سے حاضر نہیں ہوئے تھے بلکہ آپ کی خصوصی توجہ کے باعث وہ اِس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ اسلام کو اُن کی بڑی ضرورت ہے۔ اگر اُنہوں نے اس دعوت کو قبول نہ کیا تو اسلام کی ترقی اور عروج کے اِمکانات ختم ہو کر رہ جائیں گے۔ ان نادانوں نے اس حقیقت کو نہ سمجھا کہ بیمار کو مسیحا کی ضرورت ہوتی ہے' پیاسا چشموں کا محتاج ہوا کرتا ہے نہ کہ اس کے برعکس۔ غیرتِ خداوندی یہ کب گوارا کر سکتی تھی کہ وہ اپنے دل میں اسلام اور ہادیٔ اسلام ﷺ کے بارے میں اس قسم کے تصوّرات کو جگہ دیں اور یہ درویش تو پہلے ہی حق کی شمع اپنے سینہ میں فروزاں کر چکا تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی سے عہدِ وفا باندھ چکا تھا۔ ان ازلی محروموں کے ساتھ جو کوشش ہو رہی تھی' اُنہیں اس کا کوئی فائدہ پہنچنے والا نہ تھا۔ البتہ اُسے جو آپ سکھاتے' وہ اُسے حرزِ جاں بناتا' صدقِ دل سے اس پر عمل کرتا' اُس کا آئینۂ دل اور زیادہ شفاف اور تابناک ہو جاتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جنابِ عبداللہ کی دلجوئی کرتے ہوئے سورہ مبارکہ عَبَسَ نازل فرمائی تاکہ دنیا کو پتہ چل جائے کہ اس بارگاہِ بیکس پناہ میں شکستہ دلوں اور سوختہ جگروں کی جو قدر و منزلت ہے' وہ کسی اور کی نہیں۔''

''یہاں ایک چیز غور طلب ہے۔ قرآن کریم میں دوسرے مقامات پر جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ لبیب ﷺ سے خطاب فرمایا ہے' وہاں محبت' پیار اور دلجوئی کی حد کر دی گئی ہے لیکن اُن مقامات کے برعکس یہاں اسلوبِ بیان میں بڑا جلال ہے۔ اندازِ خطاب میں تندی کا پہلو غالب ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

''آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا تند لہجہ اختیار کر کے رؤسائے مکہ کی اُسی غلط فہمی کا ازالہ کرنا مقصود ہے جس کا ذکر قبل ازیں ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدائی آیتوں میں قیامت تک کے آنے والے رئیسوں' دولتمندوں' خاقانوں اور قیصروں کی غلط فہمی کو دُور کر کے فرمادیا کہ یہاں تو پذیرائی اُسے بخشی جاتی ہے جو خلوص اور طلبِ صادق لے کر حاضر ہوتا ہے خواہ وہ مفلس و کنگال ہی کیوں نہ ہو۔ جس شخص کو اپنی دولت اور جاہ و منصب پر گھمنڈ ہے اور جس کے دل میں جذبہ صادق نہیں اُس کی یہاں کوئی گنجائش نہیں۔ آیات کے لہجہ میں یہ تندی اسی اہم ضرورت کے پیشِ نظر اختیار کی گئی۔ لیکن اس عتاب میں بھی لطف و کرم اور پیار کے جلوے دمک رہے ہیں۔ عتاب کرتے ہوئے عَبَسْتَ وَتَوَلَّيْتَ خطاب کے صیغے استعمال نہیں کئے بلکہ عَبَسَ وَتَوَلّٰى (وہ چیں بہ جبیں ہوا اور اُس

Marfat.com

نے منہ پھیر لیا) یعنی غیاب کے پردے میں عتاب کیا گیا ہے کیونکہ رُو برو عتاب خاطرِ عاطر پر بہت گراں گزرتا۔''

''ان آیات کے نزول کے بعد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں جب حضرت عبداللہ حاضر ہوتے تو حضور علیہ السلام فرماتے: مَرْحَبًا بِمَنْ عَاتَبَنِیْ رَبِّیْ '(خوش آمدید! اے وہ شخص جس کے بارے میں میرے رب نے مجھے عتاب فرمایا)۔ پھر آپ پوچھتے: هَلْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ ؟ (کوئی کام ہے تو بتاؤ)۔ کسی مہم کے سلسلہ میں حضور علیہ السلام بیرونِ مدینہ تشریف لے جاتے تو مدینہ منورہ میں اپنا کسی کو نائب بنا جاتے۔ جنابِ عبداللہ کو یہ شرف دو بار حاصل ہوا۔''

''یہاں اس بات کا تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے کہ جنابِ عبداللہ بن اُمِ مکتوم کو (أَعْمٰی) یعنی ''نابینا'' کہنے میں اُن کی تحقیر مقصود نہیں بلکہ اُن کی طرف سے معذرت پیش کی جارہی ہے کہ یہ نابینا معذور تھا' نہ محفل کے رنگ کو دیکھ سکا اور نہ حاضرین کو پہچان سکا اور نہ اُسے یہ پتہ چلا کہ آپ ﷺ اس قدر مصروف ہیں۔''

''جو لوگ اِن آیات سے سرورِ عالم ﷺ کے مرتبہ عالیہ کی تنقیص کرتے ہیں' وہ پرلے درجے کے کم فہم اور گستاخ ہیں۔ علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا کہ ایک امام ہمیشہ نماز میں اسی سورت عَبَسَ کی تلاوت کرتا ہے تو آپ نے ایک آدمی بھیجا جس نے اُس کا سر قلم کر دیا۔ چونکہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرتبہ عالی کی تنقیص کے ارادے سے اس کی قرأت کیا کرتا تھا تاکہ مقتدیوں کے دل میں بھی نبوّت کی عظمت کم ہو جائے' اس لئے نگاہِ فاروقی میں وہ مرتد تھا اور مرتد واجب القتل ہوتا ہے (روح البیان)۔ ایسے مقامات پر انسان کو سنبھل کر قدم اٹھانا چاہئے کہ کہیں ایمان کی شمع گل نہ ہو جائے۔'' (''ضیاء القرآن'' جلد ۵' صفحات ۴۸۹ تا ۴۹۲)

سورہ عَبَسَ کی ابتدائی آیات کے حوالے سے کچھ غیر مسلموں اور عیسائیوں نے حضور علیہ السلام کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا ہے جن میں سے دو کا حوالہ یہاں دیا جاتا ہے:

(۱) ''اس آیت میں بیان کئے گئے عظیم جذبے کی بدولت محمد (ﷺ) کی بجا طور پر تعریف کی جاتی ہے۔ اُن کے تمام سفرِ حیات میں ہم اُنہیں شاذونادر ہی کسی امیر یا بڑے منصب والے کی طرفداری کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور آپ اپنے پیروکاروں میں سے غریب ترین آدمی کے بھی اندر کے جوہر کو بھانپ لیتے تھے۔'' (Rev. E. M. Wherry, quoted in Tafsir Majidi, p. 607-A, Note: 105)

(۲) ''یہ واقعہ ہمیں محمد (ﷺ) کی باریک بینی کی یاد دلاتا ہے کہ آپ نے کس طرح کا رویہ ایک نابینا شخص کو دیا اور یہ کہ یہ واقعہ آپ کی بے مثال عظمت کا آئینہ دار ہے۔'' (William Muir)

Marfat.com

(47) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًاO (الاحزاب : ۳۶)

''نہ کسی مؤمن مرد کو (یہ) حق حاصل ہے اور نہ کسی مؤمن عورت کو کہ جب اللہ اور اُس کا رسول ﷺ کسی کام کا فیصلہ (یا حکم) فرما دیں تو اُن کے لئے اپنے (اُس) کام میں (کرنے یا نہ کرنے کا) کوئی اختیار حاصل ہو اور جو شخص اور اُس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ یقیناً کھلی گمراہی میں بھٹک گیا۔'' (۳۶ : ۳۳)

آیت کے شانِ نزول کے بارہ میں حضرات قتادہ، مجاہد، ابن عباس اور دیگر ائمہ تفسیر کا یہ قول ہے کہ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی جب رحمتِ عالم ﷺ نے اپنی پھوپھی عمیمہ کی صاحبزادی اور اپنے جدّ امجد حضرت عبدالمطلب کی نواسی، خاندانِ بنی ہاشم کی معزز خاتون حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کو اپنے آزاد کردہ غلام زید کے لئے شادی کا پیغام بھیجا اور اُنہوں نے اور اُن کے بھائی عبداللہ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ رب تعالیٰ کی طرف سے جبریل یہ آیتِ طیبہ لے کر حاضر ہوئے کہ کسی مؤمن مرد اور عورت کو اس بات کی اجازت نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا رسولِ مکرّم اُسے کوئی حکم دے تو وہ انکار کر دے۔ جب یہ ارشادِ خداوندی حضرت زینب اور اُن کے بھائی عبداللہ نے سنا تو فوراً زید سے نکاح کرنے پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اُن کا نکاح حضرت زید سے پڑھا دیا۔

اگرچہ یہ آیت اُس خاص موقع پر نازل ہوئی لیکن اپنے الفاظ کے اعتبار سے یہ عام ہے اور حضور علیہ السلام کے قانون ساز ہونے اور مختار کاری (Authority) کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ بالغ، ذی ہوش لڑکی کو اسلام نے نکاح کے معاملہ میں خیارِ بلوغ کا حق دیا ہے کہ وہ جس سے چاہے نکاح کے لئے رضامندی کا اظہار کر دے اور جس کو چاہے ناپسند کر دے اور اس میں اُس کے والد تک کو اُس پر جبر کرنے کا کوئی حق اسلام نہیں دیتا۔ لیکن پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قانون ساز ہونے کے حوالہ سے معاملہ کچھ اور ہے کہ ''خیارِ بلوغ'' کا حق ملنے کے باوجود اُسے آقا علیہ السلام کے فیصلہ پر سرِ تسلیم خم کرنا پڑے گا اور یہی سچے ایمان کا تقاضا ہے۔

(48) اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَO (سورۃ الکوثر : ۱)

''بے شک ہم نے آپ کو (ہر خیر و فضیلت میں) بے انتہا کثرت بخشی ہے۔'' (۱ . ۱۰۸)

''اَعْطَيْنٰكَ'' صیغۂ ماضی ہے اور صیغۂ ماضی میں فعل بسا اوقات یقین اور تعین کے لئے آتا ہے۔ اَعْطَيْنٰكَ میں تیقن ہے کہ بالیقین اور اِنَّـا کے ذریعے تیقن پر تکرار آ گیا۔ فرمایا کہ یقیناً ہم نے آپ کو خیرِ کثیر عطا فرما دی۔ کہا جا سکتا ہے کہ کوثر تو جنت کی ایک نہر ہے تو آپ نے خیرِ کثیر کا ترجمہ کہاں سے کر دیا! جواب یہ ہے کہ کوثر کا ایک

Marfat.com

معنیٰ نہر کا بھی ہے۔ امام بخاری نے صحیح البخاری میں ''کوثر'' کی تشریح کی ہے کہ اس سے مراد ''خیرِ کثیر'' ہے۔ گویا امام بخاری کی تفسیر پر مدار کرتے ہوئے معنیٰ یہ ہوا کہ ''اے محبوبِ مکرّم! یقیناً ساری خیر ہم نے آپ کو عطا کر دی۔'' جب سب خیر کی نہریں حضور ﷺ کو عطا کر دی ہیں تو پھر جس نے جو لینا ہے' وہ درِ مصطفیٰ کا رُخ کرے۔''
(ماہنامہ ''منہاج القرآن'' لاہور' جنوری ۲۰۰۷ء' صفحات ۲۱' ۲۲)

''کوثر'' سے مراد حوضِ کوثر یا نہرِ جنت بھی ہے اور قرآن اور نبوت و حکمت بھی' فضائل و معجزات کی کثرت یا اصحاب و اَتباع اور اُمت کی کثرت بھی مراد لی گئی ہے۔ رفعتِ ذکر اور خُلقِ عظیم بھی مراد ہے اور دنیا و آخرت کی نعمتیں بھی' نصرتِ الٰہیہ اور کثرتِ فتوحات بھی مراد ہیں اور روزِ قیامت مقامِ محمود اور شفاعتِ عظمیٰ بھی مراد لی گئی ہے۔'' [''عرفان القرآن''۔۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری' صفحہ ۹۹۹ (ذیلی نوٹ)]۔

حوضِ کوثر کے بارے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے:
''حوضِ کوثر کا حجم (سائز) عدن اور عمان (یا یمن اور شام) کی درمیانی مسافت کا ہے۔ اُس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ اِس کے آبخوروں کی تعداد آسمان کے ستاروں جتنی ہے۔ جو کوئی اُس سے ایک مرتبہ پی لے گا' اُسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ لوگوں کا پہلا گروہ جو اس سے پینے آئے گا وہ غریب مہاجرین ہوں گے (جنہوں نے نبی علیہ السلام کے ساتھ مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی)۔ یہ لوگ دنیاوی زندگی میں مفلس و نادار تھے۔ اُن کے بال بکھرے ہوتے تھے اور اُن کا لباس مٹی سے اٹا ہوتا تھا۔ کوئی بھی مالدار عورت اُن سے شادی کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ اُنہیں نظر انداز کر دیا گیا تھا اور جب بھی اُنہوں نے دنیا دار لوگوں سے مدد چاہی تو اُنہیں نفرت سے دُھتکار دیا جاتا تھا۔''

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:
''ہمارے قائد و راہنما محمد ﷺ کو دو حوض عطا کئے جائیں گے۔ پہلا حوض آپ کو اُس سرزمین پر عطا کیا جائے گا جہاں لوگ قیامت کے دن اکٹھے ہوں گے تاکہ لوگ قبروں سے اٹھ کر اپنی پیاس محمد ﷺ کی سبیل سے بجھا سکیں۔ ہر پیغمبر کا پانی کا حوض ہوگا تاکہ اُس کے پیروکار اس سے پیاس بجھائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ لوگوں کی کثیر تعداد میرے حوض پر جمع ہوگی۔ دوسرا حوض جنت میں صرف اور صرف آپ کو عطا کیا جائے گا اور کسی پیغمبر کو جنت میں کوئی حوض نہیں ملے گا۔''

ایک حدیث میں یہ بھی آیا کہ برائیوں کی تشہیر کرنے والوں اور نبی علیہ السلام کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد دینِ اسلام میں نئی نئی اختراعات کرنے والوں کو اس حوض سے کچھ نہیں ملے گا بلکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نفرت سے اُنہیں دھتکار دیں گے اور کہیں گے کہ اپنی راہ پکڑو۔

Marfat.com

سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنِّیْ فَرَطُکُمْ عَلَی الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَیَّ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ یَظْمَأْ اَبَدًا لَیَرِدَنَّ عَلَیَّ اَقْوَام" اَعْرِفُهُمْ وَ یَعْرِفُوْنَنِیْ ثُمَّ یُحَالُ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُمْ فَاَقُوْلُ : اِنَّهُمْ مِنِّیْ فَیُقَالُ : اِنَّکَ لَاتَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ فَاَقُوْلُ : سُحْقًا سُحْقًا لِّمَنْ غَیَّرَ بَعْدِیْ (مُتَّفَق" عَلَیْهِ)

"(تمہاری حاجات کی دیکھ بھال کے لئے) میں حوضِ کوثر پر موجود ہوں گا۔ جو بھی میرے پاس سے گزرے گا' وہ اُس میں سے پانی پیئے گا اور جس شخص نے حوضِ کوثر سے پانی پی لیا' اُس کو کبھی بھی پیاس نہیں لگے گی۔ میرے پیروکاروں میں سے بہت سے لوگ میرے پاس آئیں گے جنہیں میں پہچانتا ہوں گا اور وہ بھی مجھے پہچانتے ہوں گے' پھر میرے اور اُن کے درمیان پردہ حائل ہو جائے گا تو میں کہوں گا: یہ لوگ میرے پیروکار ہیں لیکن مجھے بتایا جائے گا کہ اُنہوں نے آپ کے (دارِ فانی سے جانے کے) بعد برائیوں کی تشہیر کی اور مذہب میں نئی نئی اختراعات کیں۔ یہ معلوم ہونے کے بعد میں کہوں گا: دُور ہو جاؤ اور اپنی راہ پکڑو کہ تم نے میرے جانے کے بعد دین میں تغیر و تبدّل کیا اور اختراعات کو جنم دیا۔'' (صحیح بخاری' صحیح مسلم)

(49) اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُO (الکوثر : ۳)

"بے شک آپ کا دشمن ہی دُم بریدہ (بے نسل اور بے نام ونشان) ہو گا۔'' (۳ : ۱۰۸)

کفارِ مکّہ کے کچھ سرداروں کو جن میں عاص بن وائل پیش پیش تھا' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمسن صاحبزادے جناب ابراہیم کے انتقال پر (جو اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطنِ پاک سے تھے) تعریض وتشنیع کا ایک نیا عنوان ہاتھ آ گیا۔ وہ خوش ہو کر کہنے لگے کہ: اِن کا کوئی نام لیوا تو رہا نہیں' ابراہیم کی وفات کے بعد میدان صاف ہے اور اُن کے دین کا کہیں نام ونشان بھی نہیں رہے گا۔ آقا علیہ السلام اُن کے طعن وطنز کو سن کر آزردہ خاطر ہوئے لیکن ربِّ محمد نے آپ کی یہ دل گرفتگی برداشت نہ ہوئی۔ چنانچہ آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اِن بدبخت معاندین کے طنز وطعن کی طرف توجہ نہ فرمایئے۔ بے نام ونشان تو یہ آپ کے دشمن رہیں گے جبکہ آپ کی (روحانی) اولاد تا قیامت پھلتی پھولتی رہے گی۔ چنانچہ یہ پیشگوئی حرف بہ حرف پوری ہو کر رہی۔ ابوجہل' ابولہب' عتبہ' شیبہ' ولید اور عاص بن وائل وغیرہ کا ''ذکرِ خیر'' آج اس خاکدانِ گیتی میں کہیں بھی نہیں ہے جبکہ آقا علیہ السلام کا ذکرِ خیر سینوں کے اندر اور زبانوں کے اوپر ہر طرح جاری وساری ہے۔ ﷺ

(50) وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّکَ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًاO

(بنی اسرائیل:۷۹)

"(اے حبیب!) اور رات کے کچھ حصہ میں (بھی) قرآن کے ساتھ (شب خیزی کرتے ہوئے) نمازِ تہجد پڑھا کیجئے' یہ خاص آپ کے لئے زیادہ (کی گئی) ہے' یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے

Marfat.com

گا (یعنی وہ مقامِ شفاعتِ عظمیٰ جہاں جملہ اوّلین و آخرین آپ کی طرف رجوع اور آپ کی حمد کریں گے)۔'' (۱۷ : ۷۹)

''اِس آیتِ کریمہ میں ''عَسٰی'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جو عام طور پر شک کا معنیٰ دیتا ہے مگر جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی طرف ہو تو اس میں یقین کا معنیٰ پایا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ شک والی بات کرے۔ اُس کی ہر بات حتمی اور قطعی ہوتی ہے۔ اس لئے ''عَسٰی'' یہاں یقین کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔''

''اس آیت میں ایک خاص نکتہ پوشیدہ ہے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب! آپ نماز تہجد ادا کیجئے جو کہ نفلی نماز ہے اور آپ کی اس نفلی نماز کا صلہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔ یہاں یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ رب تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے نوافل میں سے ایک نفلی نماز تہجد کا صلہ یہ دیا کہ اُنہیں مقامِ محمود پر فائز فرما دیا تو آپ ﷺ کے فرائض کے صلے کا کیا عالم ہوگا!!''

''مقامِ محمود: ''محمود'' ایک مقام ہے جس پر حضور نبی اکرم ﷺ کو فائز کیا جائے گا۔ بعض علماء نے اس سے حضور نبی کریم ﷺ کا قیام فرما ہونا مراد لیا ہے کہ مقام چونکہ ظرف ہے' اس لئے حضور نبی کریم کو روزِ قیامت میں جس مقام پر کھڑا کیا جائے گا وہ مقامِ محمود ہے۔ جبکہ بعض علماء نے مذکورہ معنی کی بجائے یہ کہا ہے کہ مقامِ محمود سے مراد وہ خاص مقام' منصب' درجہ' مرتبہ اور منزلت ہے جس پر حضور نبی کریم ﷺ کو روزِ قیامت فائز کیا جائے گا۔ اس معنی میں زیادہ وسعت' زیادہ صحت اور زیادہ بلاغت ہے۔ مقامِ محمود کی تمام روایات اور احادیث جو مقامِ محمود کو بیان کرتی ہیں' اُنہیں جمع کیا جائے تو یہی معنی اُن کی مراد کو سموتا ہے۔ اکثر علماء اور ائمہ تفسیر نے اسی دوسرے معنی کو اختیار کیا ہے اور یہی مذہب مختار ہے۔''

''مقامِ محمود کی وجہ تسمیہ: امام ابن کثیر (۷۰۰۔۷۷۴ھ) مقامِ محمود کا معنی یہ بیان کرتے ہیں:
اِفْعَلْ هٰذَا الَّذِیْ اَمَرْتُكَ بِهٖ لِنُقِیْمَكَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مَقَامًا یَّحْمَدُكَ فِیْهِ الْخَلَائِقُ كُلُّهُمْ وَخَالِقُهُمْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی (تفسیر القرآن العظیم ۵ : ۱۰۳)
''(اے محبوب!) آپ یہ عمل (نمازِ تہجد) ادا کیجئے جس کا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے تاکہ روزِ قیامت آپ کو اُس مقام پر فائز کیا جائے جس پر تمام مخلوقات اور خود خالقِ کائنات بھی آپ کی حمد و ثنا بیان فرمائے گا۔''

''محمود کا معنی: محمود ''حمد'' سے ہے بمعنی تعریف۔ اور اللہ تعالیٰ کا اپنا اسم گرامی بھی محمود ہے یعنی جس کی تعریف کی جائے۔ محمود اُسے کہتے ہیں جس کے ذاتی کمالات' خصائص' فضائل اور عظمت و کمال کی حمد کی جائے۔''

Marfat.com

''حمد و شکر میں فرق: کسی کی ذاتی خوبیوں' ذاتی حسن' ذاتی عظمت' ذاتی سطوت' ذاتی جلال و جمال کو سراہنا اور اُس کی تعریف کرنا اور کیے جانا حمد ہے جبکہ اُس کے احسانات پر تعریف کرنا شکر ہے۔ رب تعالیٰ نے قرآن مجید کا آغاز اَلشُّکْرُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن سے نہیں کیا کہ شکر ہے اُس اللہ ربّ العزت کا جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ شکر اس لئے نہیں کہا کہ شکر تو نام ہی کسی کے احسانات پر تعریف کرنے کا ہے اور رب کی ذات پر کسی کا احسان تو کیا' وہ تو خود احسان کرنے والا (محسن) ہے۔ جب اُس پر کسی کا احسان نہیں تو تعریف کیسی! شکر حمد کا حصّہ ہے لیکن حمد' شکر میں شامل نہیں ہے۔ حمد کا دائرہ وسیع ہے اور شکر کا دائرہ محدود ہے۔ اس لئے اَلشُّکْرُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن کہہ دینے میں اُس کی تعریف محدود ہو جاتی۔ لامحدود کی تعریف محدود ہو جائے' یہ اُسے پسند نہیں۔''

''حمد بڑی عظیم شے ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس بناء پر وہ محمود بھی ہے۔ وہ اُس وقت بھی محمود تھا جب اُس کی تعریف کرنے والا کوئی بھی نہ تھا۔ حمد اُس کی ذاتی خوبی ہے اور ذاتی خوبی مخلوق کی احتیاج سے بھی ماوراء ہوتی ہے۔ وہ تعریف کرنے والوں کا محتاج نہیں ہے۔ اس لئے اُس نے یہ نہیں کہا کہ سب تعریف کرنے والوں کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اُس نے تعریف کرنے والوں کو ایک طرف رکھ دیا ہے۔ کوئی حامد تعریف کرے یا نہ کرے' وہ اپنی ذات میں ہر حمد کا حق دار ہے اور ہر خوبی کا سزاوار ہے۔ اس حمد کی بناء پر وہ محمود ہے۔''

''لفظ حمد کا اطلاق: لفظ ''حمد'' کے اطلاق کے بارے میں کچھ لوگوں کے ہاں یہ نظریہ پایا جاتا ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جا سکتا ہے اور حضور نبی کریم ﷺ کے لئے اس لفظ کا استعمال جائز نہیں۔ اُن کے نزدیک حضور ﷺ کے لئے ''نعت'' کا لفظ تو ٹھیک ہے' حمد کا لفظ ٹھیک نہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کا نام ہی محمد رکھا ہے جو مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا معنیٰ ہے جس کی بار بار اور بے حد وحساب حمد کی جائے۔ حضور ﷺ کی حمد ہی اللہ تعالیٰ کی حمد ہے بلکہ حضور نبی کریم ﷺ کی حمد اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی اور اعلیٰ حمد ہے۔''

''مثال کے طور پر ایک کاریگر کوئی عمارت تعمیر کرتا ہے۔ لوگ اس کی تعمیر کردہ عمارت کی خوبیاں بیان کریں اور اُس کے حسن تعمیر کو سراہیں تو کیا کاریگر اُس تعریف سے ناراض ہوگا؟ ہاں اگر ساتھ کوئی دوسری عمارت ہے' اُس کی تعریف کی جائے تو وہ کاریگر ناراض ہوگا لیکن اگر عمارت ہی ایک ہو اور آپ ساری عمر اُس کی تعریف کرتے رہیں تو اُس عمارت کا تعمیر کرنے والا کبھی ناراض نہ ہوگا۔ کاریگر کو تو کسی نے دیکھا' کسی نے نہیں دیکھا لیکن عمارت تو سب نے دیکھی ہے تو گویا عمارت کی تعریف دراصل کاریگر کی تعریف ہے۔ اس طرح اللہ رب العزت کو تو کسی نے نہیں دیکھا لیکن حضور نبی اکرم ﷺ کو تو سب نے دیکھا۔ اب حضور نبی اکرم ﷺ کی تعریف کرنا دراصل اللہ ہی کی تعریف ہے۔''

اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ یہ سن کر ذہن میں سوال

Marfat.com

پیدا ہوتا ہے کہ اے بارے تعالیٰ! تو ساری تعریفوں کا حق دار کیوں ہے' اس کی کوئی دلیل بھی تو ہوگی؟ اُس نے ساتھ ہی جواب دیا: رَبِّ الْعٰلَمِیْن اس لئے کہ میں سارے جہانوں کا پالنہار ہوں اور مخلوق کی پیدائش سے لے کر اُن کے تادمِ آخر اُن کی ضروریات کا کفیل ہوں۔ میں نے ہی سارے جہانوں کو بنایا ہے۔ جو کچھ میں نے بنایا ہے' اُسے دیکھ لو کہ میں قابلِ تعریف ہوں کہ نہیں۔ جو اللہ تعالیٰ بناتا ہے اگر وہ قابلِ تعریف ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے۔ اگر کسی نے اولیاء کی تعریف کی تو رب کبھی ناراض نہ ہوگا کہ اُسی نے ہی تو ولایت دی ہے۔ کسی نے انبیاء کرام کی تعریف کی تو اللہ تعالیٰ کبھی ناراض نہ ہوگا کہ اُسی نے ہی تو نبوت دی ہے لہٰذا اُن کی تعریف اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ساری عمر حضور نبی اکرم ﷺ کی ہی تعریف کرتا رہے تو اس سے اللہ تعالیٰ ناراض نہیں ہوگا، حضور نبی کریم ﷺ کی تعریف جس جس جہت سے کرتے رہیں' وہ سب اَلْحَمْد کے ضمن میں ہے اور وہ اللہ ہی کی تعریف ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کچھ ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے بنانے سے ہیں۔ آپ ﷺ کا خالق و معمار رب تعالیٰ ہے' اس لئے ذہن میں یہ سوال پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ حمد کا لفظ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے جائز ہے۔''

جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ مُحَمَّد مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس کا معنی ہے جس کی بہت زیادہ کثرت کے ساتھ تعریف کی جائے۔ ایمان اور معرفت کے بغیر عقلِ ماڈی یہ سوچتی ہے کہ باری تعالیٰ! بہت زیادہ تعریف تو تیری ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جتنا بھی مرتبہ ہو' بہر صورت وہ تیری مخلوق ہیں' تیرے بھیجے ہوئے رسول ہیں اور تیرے محبوب و مقرب بندے ہیں۔ محمد تو تیرا نام ہونا چاہئے تھا کہ سب سے زیادہ تعریف تو تیری ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال غلط ہے۔ میں نے کبھی کوئی نام غلط نہیں رکھا' میں غلطی سے پاک ہوں۔ میں نے اگر اپنا نام محمود اور اپنے محبوب کا نام محمد رکھا ہے تو درست رکھا ہے۔ دیکھتے نہیں ہو کہ جس ذات کی تعریف تمام مخلوقات کے ساتھ ساتھ میں خود کروں تو وہ محمد ہوگا کہ نہیں! حضور نبی کریم ﷺ کو مقامِ محمدیت اس لئے ملا کہ اللہ رب العزت آپ کی تعریف بیان کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی تعریف بیان نہ کرتا تو آپ ﷺ مقامِ محمدیت تک نہ پہنچتے۔ مقامِ محمود تو نوافل کا صلہ تھا اور مقامِ محمدیت حضور ﷺ کے فرائض کا صلہ ہے۔ مگر اصل بات اس سے بھی بڑھ کر ہے کہ حمد کسی عمل کے صلہ میں نہیں ہوتی اور وہ عمل کے صلہ سے بے نیاز ہے۔ اس لئے حضور نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے تو بعد میں بنے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اوّل دن سے محمد کر دیا۔ جس کی تعریف اللہ کرے' اُس کی تعریف حد سے بڑھ گئی۔ حضور ﷺ کی تعریف تو اللہ تعالیٰ نے حد سے بڑھا دی۔ ہم کون ہوتے ہیں حد سے بڑھانے والے! ہم خود محدود ہیں' محدود کسی کو حد سے کیسے بڑھا سکتا ہے!''

''یہاں پر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ اے باری تعالیٰ! تو جو روزِ قیامت اپنے محبوب کی تعریف کرے گا' تو کیا تیرا یہ عمل صرف یومِ قیامت کے ساتھ خاص ہے یا یہ کام پہلے بھی کیا ہے؟ فرمایا: مقام کا نام آج رکھا ہے' کام پہلے سے کرتا چلا آرہا ہوں۔ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ (ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا)۔ محبوب کی حمد تو میں ہمیشہ سے کرتا چلا آرہا ہوں' اُسی سے تو ذکر بلند ہوتا آرہا ہے۔ کام ایک ہی رہا ہے عنوان بدلتے رہے ہیں۔ کبھی اس کو

Marfat.com

وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ کے پردے میں سمجھا دیا کبھی اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوۡنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَيۡهِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا کے حکم میں بیان کر دیا اور کبھی عَسٰٓى اَنۡ يَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا کے نام سے اجاگر کر دیا کہ میں حمد تو اول دن سے کر رہا ہوں اور روزِ قیامت بھی کروں گا۔ حمد کر رہا ہوں تو نام محمد رکھا ہے۔''

''یہی وہ مقام ہے جہاں سے آپ ﷺ شفاعتِ کبریٰ فرمائیں گے۔ جملہ مخلوق آپ کی تعریف کرے گی۔ تمام اہلِ محشر تو پُل صراط سے گزرنے میں مشغول ہوں گے مگر حضور شافع محشر ﷺ پُل صراط کے کنارے کھڑے کمال گریہ وزاری سے اپنی عاصی و گنہگار امت کی نجات کی فکر میں غلطاں و پیچاں اپنے خالق و مالک سے دعا کر رہے ہوں گے : رَبِّ سَلِّمۡ، رَبِّ سَلِّمۡ، پروردگار! اُنہیں سلامتی و عافیت سے پار لگا دے۔ مولا! ان خطا کاروں کو بچا لے، اُنہیں اپنے عفو و کرم میں پناہ عطا فرما دے۔ اے احکم الحاکمین! تجھے تیری رحمت کا واسطہ! اِن عاصیوں اور سیاہ کاروں کو نجات عطا فرما۔''

''نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ باپ بیٹے سے بھاگ رہا ہوگا، بیٹا باپ کو نہیں پہچانتا ہوگا۔ جن سے کچھ توقع اور امید تھی، وہ سب بیگانے ہو چکے ہوں گے۔ ہاتھ، پاؤں اور جسمانی طاقت جواب دے گئی ہوگی۔ ٹوٹی ہوئی کمریں اور اوپر سے گناہوں کا بوجھ عجیب ندامت کا سماں ہوگا۔ اب تمام اوّلین و آخرین کا بار حضور شافع محشر ﷺ کے کندھوں پر آ پڑے گا۔ یوم حشر حضور ﷺ تمام مقامات کا دَورہ فرمائیں گے۔ میزان قائم ہوگی، نامہ اعمال کھولے جا رہے ہوں گے، ہنگامہ دار و گیر گرم ہوگا اور وہاں آپ ﷺ جس کے اعمالِ حسنہ میں کمی دیکھیں گے، اُس کی شفاعت فرما کر نجات دلوائیں گے اور کبھی دیکھو تو حوضِ کوثر پر تشریف فرما ہیں اور تشنہ لب پیاسوں کو سیراب فرما رہے ہیں کہ پانی پی کر ہوش و حواس باقی رکھیں۔ اگر آپ ﷺ ایک ہی جگہ پر جلوہ افروز رہتے تو اللہ جانے میزان پر آفت رسیدوں اور غم زدوں پر کیا گزرتی! کون سا پلہ بھاری ہو جائے۔ اُدھر کرم نہ فرمائیں تو یہ بے کس و بے چارے، بے یار و مددگار برباد ہو جائیں۔ پھر وہاں سے پُل صراط پر رونق افروز ہوئے اور گرتوں کو تھام لیا۔ غرض ہر جگہ آپ کے نام کی دُہائی ہوگی۔ ایک آپ ﷺ کا دَم ہوگا اور جہاں بھر کی خبر گیری ہوگی۔ اتنا عظیم اژدہام اور اس قدر مختلف کام اور پھر عطائے مصطفیٰ ﷺ کی عطر بیز ضَوفشانیاں عجیب سماں بندھا ہوگا۔ زبان پر اللہ کا نام ہوگا، آنکھوں سے اشک رواں ہوں گے۔ اِدھر گرتوں کو سنبھال رہے ہوں گے اور اُدھر ڈوبتوں کو نکال رہے ہوں گے۔ یہاں روتوں کے آنسو پونچھے جا رہے ہوں گے اور وہاں آگ میں جلتوں کو دوزخ سے نکالا جا رہا ہوگا۔ الغرض ہر جگہ آپ ﷺ کی دُہائی ہوگی۔ ہر شخص عام و خاص آپ ﷺ ہی کو پکار رہا ہوگا اور آپ ﷺ مقامِ محمود پر فائز ہو کر اوّلین و آخرین کو فیضیاب فرما رہے ہوں گے۔'' (تلخیص: ماہنامہ منہاج القرآن، لاہور، جون ۲۰۰۷ء، صفحات ۵ تا ۱۰)

''شفاعت عامہ کا یہی مقام اوّل حضور ﷺ کا مقامِ محمود ہوگا کہ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ کی تعریف

Marfat.com

شروع ہو جائے گی اور تمام مخلوقات آپ ﷺ کی حمد کریں گی۔ قیامت کے اس مرحلہ کی ابتداء سے ہی حضور ﷺ کی تعریف شروع ہو جائے گی اور جنت کے داخلے تک آپ ﷺ کی حمد جاری رہے گی۔ یومِ قیامت کی ابتداء سے یومِ قیامت کی انتہاء تک حضور نبیِ اکرم ﷺ کا مقامِ محمود چھایا رہے گا۔ حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی درجِ ذیل حدیثِ مبارکہ میں نبیِ اکرم ﷺ اپنے اس مقامِ محمود کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ فِيْ بَعْضٍ فَيَأْتُوْنَ آدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ: اِشْفَعْ لَنَا اِلٰى رَبِّكَ فَيَقُوْلُ: لَسْتُ لَهَا وَ لٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِاِبْرٰهِيْمَ فَاِنَّه' خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ فَيَأْتُوْنَ اِبْرٰهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُوْلُ: لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُوْسٰى فَاِنَّه' كَلِيْمُ اللّٰهِ فَيَأْتُوْنَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُوْلُ: لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِعِيْسٰى فَاِنَّه' رُوْحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُه' فَيَأْتُوْنَ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُوْلُ: لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ ﷺ فَيَأْتُوْنِيْ فَأَقُوْلُ: أَنَا لَهَا فَاَسْتَأْذِنُ عَلٰى رَبِّيْ فَيُؤْذَنُ لِيْ وَ يُلْهِمُنِيْ مَحَامِدَ اَحْمَدُه' بِهَا لَاتَحْضُرُنِي الْاٰنَ فَأَحْمَدُه' بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَأَخِرُّلَه' سَاجِدًا فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَسَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُوْلُ: يَارَبِّ! أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ فَيُقَالُ: اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مِنْهَا مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ شَعِيْرَةٍ مِّنْ اِيْمَانٍ فَاَنْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ أَعُوْدُ فَأَحْمَدُه' بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَ أَخِرُّلَه' سَاجِدًا فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَ سَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُوْلُ: يَارَبِّ! أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ فَيُقَالُ: اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مِنْهَا مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ أَوْ خَرْدَلَةٍ مِّنْ اِيْمَانٍ فَاَنْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ أَعُوْدُ فَأَحْمَدُه' بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَأَخِرُّلَه' سَاجِدًا فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَ سَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ! أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ فَيُقَالُ: اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مِنْهَا مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ اَدْنٰى اَدْنٰى مِثْقَالِ حَبَّةِ خَرْدَلَةٍ مِّنْ اِيْمَانٍ فَاَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ ثُمَّ أَعُوْدُ الرَّابِعَةَ فَأَحْمَدُه' بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَأَخِرُّلَه' سَاجِدًا فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ وَ سَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُوْلُ: يَارَبِّ! اِئْذَنْ لِيْ فِيْمَنْ قَالَ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَيَقُوْلُ: وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَكِبْرِيَائِيْ وَعَظْمَتِيْ لَاُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

''قیامت کے دن لوگ دریا کی موجوں کی طرح بے قرار ہوں گے۔ پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ ہمارے لئے اپنے رب سے شفاعت کیجئے۔ وہ کہیں گے کہ میں اس کے لئے نہیں ہوں۔ لیکن تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ وہ خلیل الرحمن ہیں۔ تو لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ وہ کہیں گے کہ میں اس کے لئے نہیں ہوں۔ لیکن تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ وہ اللہ کے کلیم ہیں۔ تو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ وہ کہیں گے کہ میں اس کے لئے نہیں ہوں۔ لیکن تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ وہ اللہ کی پسندیدہ روح اور اُس کا کلمہ ہیں۔ تو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ وہ کہیں گے کہ میں اس کے لئے نہیں ہوں۔ لیکن تم پر لازم ہے کہ تم سیّدنا محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ پھر وہ میرے پاس آئیں گے۔ پس میں کہوں گا اَنَا لَهَا اَنَا لَهَا کہ میں ہی اس کے لئے ہوں۔ پھر میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا تو میرے لئے اجازت دی جائے گی اور میرے دل میں اللہ تعالیٰ کی حمد سے ایسے کلمات ڈالے

Marfat.com

جائیں گے جو اِس وقت مجھے مستحضر نہیں ہیں اور میں ان کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور اللہ کے لئے سجدہ میں گر جاؤں گا۔ پھر کہا جائے گا: یَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَکَ فَاشْفَعْ تُشَفَّعْ سَلْ تُعْطَ ''اے سراپا حمد وستائش! اپنا مُکھ تو دکھلایئے۔ آپ شفاعت کیجئے' آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور مانگ کے تو دیکھئے' خالی ہاتھ نہ لوٹاؤں گا۔'' میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت' میری امت۔ آپ سے کہا جائے گا کہ آپ جایئے اور دوزخ سے اُنہیں نکال لیجئے جن کے دل میں ایک جَو کے برابر بھی ایمان ہو۔ میں جاؤں گا اور اسی طرح کروں گا۔ پھر میں واپس آ کر انہی کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور پھر اللہ کے حضور سجدہ میں گر جاؤں گا۔ پھر کہا جائے گا: ''اے سراپا حمد وستائش! اپنا مُکھ تو دکھلایئے۔ آپ شفاعت کیجئے' آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور مانگ کے تو دیکھئے' خالی ہاتھ نہ لوٹاؤں گا۔'' میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت' میری امت۔ آپ سے کہا جائے گا کہ آپ جایئے اور دوزخ سے اُنہیں نکال لیجئے جن کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو۔ میں جاؤں گا اور اسی طرح کروں گا۔ پھر میں واپس آ کر انہی کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور پھر اللہ کے حضور سجدہ میں گر جاؤں گا۔ پھر کہا جائے گا: ''اے سراپا حمد وستائش! اپنا مُکھ تو دکھلایئے۔ آپ شفاعت کیجئے' آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور مانگ کے تو دیکھئے' خالی ہاتھ نہ لوٹاؤں گا۔'' میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت' میری امت۔ آپ سے کہا جائے گا کہ آپ جایئے اور دوزخ سے اُنہیں نکال لیجئے جن کے دل میں ادنیٰ' ادنیٰ رائی کے درجہ کے برابر بھی ایمان ہو۔ میں جاؤں گا اور اسی طرح کروں گا۔ پھر میں چوتھی بار جاؤں گا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا۔ پھر اللہ کے لئے سجدہ میں گر جاؤں گا۔: ''اے سراپا حمد وستائش! اپنا مُکھ تو دکھلایئے۔ آپ شفاعت کیجئے' آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور مانگ کے تو دیکھئے' خالی ہاتھ نہ لوٹاؤں گا۔'' میں کہوں گا: اے میرے رب! مجھے اُس شخص کے لئے اجازت دیجئے جس نے لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللہ پڑھا ہو۔ رب فرمائے گا: میری عزت' میرے جلال' میری کبریائی اور میری عظمت کی قسم! جس شخص نے لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللہ پڑھا ہو' میں اُسے دوزخ سے نکال لوں گا۔'' (صحیح بخاری' کتاب التوحید' باب: قول اللہ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ رقم الحدیث: ۷۵۱۰ ؛ صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۹۳ ؛ السنن الکبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۱۱۲۴۳؛ سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۴۳۱۲)

''اس حدیث سے یہ اہم بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے بندوں سے شفاعت کا سوال کریں گے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کی عدالت ہوگی اور لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے شفاعت کا سوال اللہ کے انبیاء علیہم السلام سے کریں گے تو لوگوں کے اس عمل سے اللہ تعالیٰ ناراض نہیں ہوگا کہ پریشانی اور مشکل کو تو میں نے ختم کرنا ہے تو پھر کیوں کسی اور سے مانگنے جا رہے ہو' مجھ ہی سے مانگو بلکہ وہ اپنے انبیاء' اولیاء اور صلحاء کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ نیز یہ بات بھی غور طلب ہے کہ توحید کا عروج اُس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ عرش پر جلوہ افروز ہوگا اور یہ آواز آ رہی ہوگی: لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ (آج کس کی بادشاہی ہے؟) اُسی ربِّ جبّار کی جو آج کے دن کا مالک ہے۔ جس رب نے قیامت کے دن توسل' وسیلہ اور شفاعت کو سنت بنا رکھا ہے' وہ رب آج توسل اور شفاعت کو کیسے منع فرمائے گا۔ معلوم ہوا کہ توسل اور شفاعت توحید کے منافی نہیں۔''

Marfat.com

(51)(i) لَوْاَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَه' خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ(الحشر: ۲۱)
(ii) نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ O عَلٰی قَلْبِكَ (الشُّعراء: ۱۹۳، ۱۹۴)
(i) ''اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل فرماتے تو (اے مخاطب!) تو اُسے دیکھتا کہ وہ اللہ کے خوف سے جھک جاتا، پھٹ کر پاش پاش ہو جاتا۔'' (۵۹ : ۲۱)
(ii) اِسے روح الامین (جبریل علیہ السلام) لے کر اترا ہے۔ آپ کے قلبِ (انور) پر'' (۱۹۳، ۱۹۴ : ۲۶)

اِن دونوں آیاتِ مبارکہ کو اکٹھا ملا کر پڑھنے سے ختمی مرتبت آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خداداد مقامِ رفعت وعظمت کا معلوم ہونا چنداں مشکل نہیں۔ پہلی آیت (۲۱) میں فرمایا جا رہا ہے کہ پتھر کے پہاڑ پر جو جمود اور بے حسی کا انتہائی نمونہ معلوم ہوتا ہے اگر ہم قرآن نازل کرتے اور پہاڑ میں بہ قدرِ ضرورت فہم وعقل کا مادّہ رکھ دیتے تو پہاڑ تک فرطِ تاثر سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ جبکہ دوسری آیات ۱۹۳، ۱۹۴ میں ارشاد ہوا کہ ہم اِسی قرآن کو جس کے سہارنے کی پہاڑ جیسی سخت ترین مخلوق میں تاب نہ تھی، اپنے محبوب علیہ السلام کے قلبِ اطہر پر اتارا جسے وہ میرے فضل وکرم اور عنایتِ خاصہ سے سہارنے کے قابل ہو گئے یعنی میں نے اُن کے قلبِ اطہر میں پہاڑ سے بھی بڑھ کر صلابت اور قوّتِ برداشت ودیعت فرما دی۔ سُبحانَ اللہ! کن کن طریقوں اور جہتوں سے خالقِ لم یزل اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ رسالت کو اجاگر کر رہا ہے!!

(52) لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ O وَاَنْتَ حِلٌّ'' بِهٰذَا الْبَلَدِ O (اَلْبَلَد: ۱، ۲)
''میں اِس شہر (مکّہ) کی قسم کھاتا ہوں (اے محبوبِ محتشم!) اس لئے کہ آپ اِس شہر میں تشریف فرما ہیں۔'' (۱، ۲ : ۹۰)

مکّہ مکرّمہ کی مسجدِ حرام میں بذاتِ خود حجرِ اَسوَد، مطاف، مَسْعٰی، میلینِ اخضرَین، زمزم، ملتزم، مقامِ ابراہیم، حطیم، میزابِ رحمت، رکنِ یمانی، رکنِ شامی، اور سب سے بڑھ کر کعبۃ اللہ سبھی مقدّس ترین مقامات ہیں۔ لیکن ربِّ ذوالجلال والاکرام نے اِن مقدّس مقامات میں سے کسی کی بھی قسم نہیں کھائی بلکہ اُس نے شہرِ مکّہ کی قسم کھائی ہے جس کی وجہ آیت ۲ میں بیان کی جا رہی ہے کہ پیارے! کیونکہ تیرے سانسوں کی عطر بیزیاں اِس شہر کو فرحت آشنا کر رہی ہیں اور تیرا وجودِ مسعود یہاں تشریف فرما ہے، اس لئے میں نے اس شہر کی قسم کھانے کو ترجیح دی ہے اور اس کے مقابل کسی اور مقدّس مقام کی قسم نہیں کھائی (اُن مقاماتِ مذکورہ کو بھی تقدّس دینے والا میں اور اپنے گھر کعبہ کو بھی تقدّس دینے والا میں ہی ہوں)۔ شہرِ مکّہ کی قسم اٹھانے کے پسِ پردہ مقصد فخرِ ہر جہاں ﷺ کی عظمت ورفعت کو اجاگر کرنا ہے (تفسیر مظہری)۔

وَاَنْتَ حِلٌّ'' بِهٰذَا الْبَلَد کی دو دیگر تاویلات بھی کی گئی ہیں: (۱) کفارِ مکّہ کی جانب سے نبی ﷺ

Marfat.com

اور آپ کے صحابہ کرام کو دی جانے والے تشدّد اور اذیتیں حیران کن ہیں کیونکہ شہرِ مکّہ تو خود اِن کفار کے نزدیک بھی امن وراحت کا شہر ہے لیکن اُنہوں نے میرے رسولِ مکرّم اور آپ کے ساتھیوں پر ظلم و بربریت کو جائز قرار دے رکھا ہے۔ (۲) پیارے حبیبِ لبیب! یہ شہرِ مکّہ آپ کے لئے حلال ہے اور آپ کو اپنے دشمنوں کو سزا دینے اور اُنہیں قتل کرنے کا پورا اختیار ہے۔

حِلّ" کے لفظ میں اس بات کی پیشگوئی اور پیغام بھی ہے کہ ہم آپ کو عنقریب آپ کے آبائی وطن مکّہ کو واپس پہنچا دیں گے جس کا ذکر ذیل کی آیت میں کیا گیا ہے :۔

(53) اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ (القصص : ۸۵)
"جس اللہ نے آپ پر قرآن کو فرض کیا ہے' وہ آپ کو آپ کے وطن میں پہنچا کر رہے گا۔" (۲۸:۸۵)

"یعنی اُس وقت آپ آزاد' غالب اور صاحبِ حکومت ہوں گے۔ یہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تسلی میں اُس وقت ارشاد ہوا جب ہجرت کے بعد مفارقتِ وطن سے آپ کو طبعی صدمہ ہو رہا تھا۔ کیا ربِّ ذوالجلال والاکرام نے اپنے حبیب علیہ السلام کو مکہ کی شاندار فتح کی صورت میں اُن کے وطنِ مالوف مکہ میں پہنچا کر شادکام کر کے اپنا وعدہ پورا نہیں کر کے دکھایا؟"

(54) وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْا اَنْ یُّلْقٰۤى اِلَیْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (القصص : ۸۶)
"(اے حبیبِ مکرّم!) آپ کچھ اس کا آسرا لگائے ہوئے نہ تھے کہ آپ پر (یہ) کتاب اُتاری جائے گی مگر آپ کے پالنہار کی رحمت سے نازل ہوئی۔" (۸۶ : ۲۸)

درحقیقت اللہ کے نبی یا رسول پر وحی کا نازل ہونا رب تعالیٰ کی عظیم نعمت اور انعام ہے جو نبی/رسول کی طرف غیر متوقع طور پر آتی ہے جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام پر وحی اُن کی درخواست کے بغیر نازل ہوئی۔ اس حقیقت کا ثبوت سورۃ القصص میں موسیٰ علیہ السلام کے تذکرے میں موجود ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اِسی بے مثال خدائی انعام کی یاددہانی کرائی جا رہی ہے کہ اے محبوبِ محتشم! آپ کو یہ امید نہ تھی کہ قرآن آپ پر نازل ہوگا تاہم آپ کو ہماری طرف سے منصبِ رسالت عطا کئے جانے کی امید ضرور تھی۔ اس لئے زیرِ نظر آیت (۸۶) میں رَحْمَة سے مراد رسالت ہے جیسا کہ سورۃ الزّخرُف (۴۳) کی آیت ۳۲ میں "وحی" سے مراد رسالت ہے۔

(55) وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ O
(الشوریٰ: ۵۲)

Marfat.com

''سو اِسی طرح ہم نے آپ کی طرف وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے اور آپ (وحی سے قبل اپنی ذاتی درایت و فکر سے) نہ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان (کے شرعی احکام کی تفصیلات کو ہی جانتے تھے جو بعد میں نازل اور مقرر ہوئیں) مگر ہم نے اُسے نور بنا دیا' ہم اِس نور کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں' ہدایت سے نوازتے ہیں اور بے شک آپ ہی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرماتے ہیں۔''
(۴۲ : ۵۲)

یہاں ''روح'' سے مراد قرآنِ حکیم ہے۔ جس طرح روح سے جسم میں جان آجاتی ہے اور وہ زندہ رہتا ہے' اسی طرح قرآن مجید دلوں کو ابدی زندگی عطا کرتا ہے۔ لفظ کَذٰلِکَ (اسی طرح) سے مراد وحی کی وہ تمام اقسام ہیں جن کا ذکر اس سے سابقہ آیت ۵۱ میں ہوا۔

آیت میں آپ ﷺ کی شانِ اُمیّت کی طرف اشارہ ہے تاکہ کفار آپ کی زبان سے قرآن کی آیات اور ایمان کی تفصیلات سن کر یہ بدگمانی نہ پھیلائیں کہ یہ سب کچھ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے ذاتی علم اور تفکر سے گھڑ لیا ہے' کچھ نازل نہیں ہوا۔ سو یہ از خود نہ جاننے کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عظیم معجزہ بنا دیا گیا۔

یہ بات تحقیق طلب ہے کہ آیا انبیاء علیہم السلام کو ایمان اور صحیفے کا علم ہوتا ہے کہ نہیں؟ آیئے دیکھیں کہ اس سلسلہ میں ہمیں قرآن و حدیث سے کیا ثبوت ملتا ہے:۔

(۱) سورہ مَرْیَم کی آیت (۱۲) کی رُو سے اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اُن کے بچپن ہی میں حکمت و دانش عطا فرمادی تھی۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق آپ کی عمر اُس وقت تین سال تھی۔

(۲) سورہ مَرْیَم کی آیات ۳۰'۳۱ کی رُو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود ہی میں شیر خوارگی کے زمانہ میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ ''میں اللہ کا بندہ ہوں' اُس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے اور جہاں کہیں بھی میں ہوں' مجھے بابرکت بنایا ہے۔''

(۳) جب یوسف علیہ السلام کو اُن کے برادران کنوئیں میں ڈال رہے تھے تو رب تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو یہ مژدہ سنایا کہ تم اُنہیں یقیناً اُن کا یہ کام جتلاؤ گے اور اُنہیں (تمہارے بلند رتبہ کا) شعور نہ ہوگا۔ (بحوالہ سورہ یوسف: آیت ۱۵)

(۴) جناب اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنے والدِ محترم جناب ابراہیم علیہ السلام سے اپنے لڑکپن میں عرض کیا تھا: ''اے پدرِ بزرگوار! جس کام کے کرنے کا آپ کو حکم دیا گیا ہے' اُسے کر ڈالئے' انشاء اللہ آپ مجھے صابرین میں سے پائیں گے۔'' (بحوالہ سورۃ الصّافات : آیت ۱۰۲)

اگر اِن مقدّس ہستیوں کو اُن کے بچپنے میں اُن کے مقام و مرتبہ کے متعلق بتا دیا گیا تھا۔ تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ امام الانبیا ﷺ کو نہ تو کتاب کا علم تھا اور نہ ہی ایمان کا پتہ تھا؟ بعثت سے قبل آپ کی حیاتِ طیّبہ کا مطالعہ اس

Marfat.com

مفروضے کی تکذیب کرتا ہے۔ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا :
''جب میں بڑا ہوا تو بتوں کے خلاف نفرت اور بغض میرے دل میں بڑھ گیا اور میں نے زمانہ جاہلیت کے کسی بھی کام کے کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔''

اپنے لڑکپن کے زمانہ میں آپ ﷺ اپنے چچا جناب ابو طالب کے ہمراہ ملکِ شام کو گئے۔اُس سفر کے دوران بحیرہ نامی ایک راہب آپ کو ملا۔آپ میں علاماتِ نبوّت دیکھ کر بحیرہ نے بطور آزمائش لات اور عزّٰی نامی دو مشہور بتوں کی قسم کھانے کو کہا لیکن کم عمر ہونے کے باوجود آپ نے فرمایا:

لَا تَسْئَلْنِیْ بِھِمَا فَوَاللّٰہِ مَا اَبْغَضْتُ شَیْئًا قَطُّ بُغْضَھُمَا (ضیاء القرآن' ج۴' ص۳۹۴)
''(اے راہب!) مجھ سے ان بتوں کے واسطہ سے کوئی بات مت پوچھو۔بخدا! مجھے جتنی نفرت اِن سے ہے اور کسی سے نہیں۔''

جب حقیقتِ حال یہ ہے تو اب اس آیت کا مفہوم کیا ہے۔علامہ قرطبی نے متعدد جواب نقل کیے ہیں جن میں سے زیادہ قابلِ ترجیح اُن کا یہ جواب ہے :

مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَاالْكِتٰبُ لَوْلَاۤ اِنْعَامُنَا عَلَیْكَ وَلَا الْاِیْمَانُ لَوْلَا هِدَایَتُنَا لَكَ
''آپ پر اگر ہمارا لطف وانعام نہ ہوتا تو آپ کتاب کو نہ جان سکتے اور اگر ہم آپ کی راہ نمائی نہ فرماتے تو آپ کو ایمان کا بھی علم نہ ہوتا۔'' (تفسیر قرطبی)

نیز درایت کی نفی سے علم کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ درایت کہتے ہیں کسی چیز کو ظن وتخمین سے یا اٹکل پچو سے جاننا۔تاج العروس میں اس کا یہ معنیٰ لکھا ہے کہ کسی حیلہ سے کسی چیز کے جاننے کو درایت کہتے ہیں' اسی لئے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں ہوتا۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ ہیں جنہیں دلائلِ عقلیہ سے پہچانا جا سکتا ہے اور دوسری وہ ہیں جن کی معرفت دلائلِ سمعیہ کے بغیر ممکن نہیں۔یہ دوسری قسم کی معرفت نبوت سے پہلے آپ کو حاصل نہ تھی۔(تفسیر کبیر بحوالہ ضیاء القرآن' جلد چہارم' صفحہ ۳۹۵)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کندھوں کے درمیان مہرِ رسالت کندہ تھی جس کے متعلق مارٹن لنگز کہتا ہے :
''محمد (ﷺ) اپنا کرتہ اوپر کرنے میں نہیں جھجکے جب راہب نے بالآخر آپ سے کہا کہ وہ آپ کی پشت دیکھنا چاہتا ہے۔بحیرہ نامی راہب کو پہلے علم الیقین تھا لیکن وہ اب عین الیقین سے اُس مہرِ نبوّت کو دیکھنا چاہتا تھا جیسا کہ اُس کی اپنی کتاب (انجیل) میں اُسی مقام پر مُہرِ نبوّت ہونے کی نشاندہی کی گئی تھی۔''

("Muhammad--- His Life Based on the Earliest Sources".. Martin Lings, p. 30)

Marfat.com

(56) وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِن قَبْلِهِ مِن كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِينِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ○
(العنکبوت: ۴۸)

"اور (اے حبیبِ محتشم!) اس سے پہلے آپ کوئی کتاب نہیں پڑھا کرتے تھے اور نہ ہی آپ اُسے اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے ورنہ اہلِ باطل اُسی وقت شک میں پڑ جاتے۔" (۴۸ : ۲۹)

یعنی اُس وقت کچھ تو منشائے اشتباہ ان لوگوں کے پاس ہوتا اور یہ لوگ آپ ﷺ کی بابت یہ کہنے لگتے کہ آدمی پڑھے لکھے ہیں، کسی دوسری آسمانی کتاب سے مضامین چُرا لیتے ہیں حالانکہ قرآن کے وجوہِ اعجاز اتنے کھلے ہیں کہ اُس وقت بھی دعویٰ کو چلنے نہ دیتے لیکن بہرحال کچھ تو گنجائش ہوتی اور اب تو اتنی بھی نہیں۔ رسولِ کریم ﷺ کی اُمیّت اور ناخواندہ ہونے پر اس سے بڑھ کر صریح شہادت اور کیا ہوگی۔ اس پر بھی ناحق شناسوں کا ایک گروہ (خصوصاً مسیحی پادریوں کا) آج تک اس پر مصر چلا آ رہا ہے کہ آپ ضرور پڑھے لکھے تھے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اُمّی ہونا تسلیم شدہ اور متفق علیہ تاریخی حقیقت ہے جسے اسلام کے انتہائی متعصب اور پکے، عادی دشمنوں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ مثلاً:

(۱) "اس نوجوان کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم نہیں دی گئی تھی۔" ("Decline and Fall of the Roman Empire",... Edward Gibbon, p. 376)

(۲) "جہاں تک تحصیلِ علم کا تعلق ہے تو یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ محمد (ﷺ) نے اس میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔" (Preliminary Discourse to the Translation of the Koran" ... George Sale, p. 730

(۳) "بات غالباً یہی ہے کہ محمد (ﷺ) نہ ہی لکھنا اور نہ ہی پڑھنا جانتے تھے۔" ("The Quran" -- Introduction --- Palmer, p. XLVII)

(۴) "اس بات کی کوئی شہادت نہیں مل سکی کہ محمد (ﷺ) نوشت و خواند سے واقف تھے۔"
(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا، جلد ہشتم، صفحہ ۴۸۳)

(۵) "یہ بات یقینی ہے کہ محمد (ﷺ) نے نہ تو بائبل پڑھی تھی اور نہ ہی کوئی دوسری کتب۔"
(Historians' History of the World, Vol. VIII, p. 11)

Marfat.com

(۶) ''اگر محمد (ﷺ) واقعی ناخواندہ تھے جیسا کہ مسلمان آپ کے بارے میں بتاتے ہیں تو اُن کے اس نتیجہ نکالنے سے فرار ممکن نہیں کہ قرآن آپ کا مستقل معجزہ ہے۔''
("The Koran" Preface
--- Rodwell, p. 21)

(57) قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوْحٰى إِلَيَّ
وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ O (الاحقاف : ۹)

''فرما دیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں اور میں ازخود (یعنی محض اپنی عقل و درایت سے) نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا' (میرا علم تو یہ ہے کہ) میں صرف اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے اور میں تو صرف واضح ڈر سنانے والا ہوں۔'' (۴۶:۹)

علمائے محققین نے آیت کے اس مفہوم کو مسترد کر دیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی عاقبت اور انجام کے بارے میں (معاذ اللہ) کچھ خبر نہ تھی اور نہ ہی دوسرے لوگوں کے احوالِ آخرت کا کوئی علم تھا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو حکم دیں کہ تم کفار کو بتا دو کہ مجھے اپنے اور تمہارے انجام کی کوئی خبر نہیں۔ کفار بڑی آسانی سے یہ کہہ کر حضور علیہ السلام کی دعوت کو مسترد کر سکتے تھے کہ جب آپ کو اپنے بارے میں کچھ خبر نہیں تو پھر ایک غیر یقینی چیز کی طرف دعوت دینے کے لئے یہاں کیسے آ دھمکے؟ چنانچہ ابن جریر طبری' قرطبی' مظہری اور دیگر اکابر نے اس قول کو تسلیم نہیں کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روزِ ازل سے اپنی نجات کا یقین تھا۔

''قرآن کریم کی کثیر التعداد آیات میں اہلِ ایمان کو مغفرت کا مژدہ ہے اور منکرین کو دوزخ کی وعید۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعزازات کا ذکر قرآن مجید اور احادیثِ طیبہ دونوں میں بڑی شرح و بسط سے موجود ہے۔ مقامِ شفاعتِ کبریٰ اور کوثر وغیرہ جیسے امور کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے؟ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ بِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَآدَمُ وَمَا سِوَاهُ تَحْتَ لِوَائِيْ وَلَا فَخْرَ

''قیامت کے دن اولادِ آدم کا میں سردار ہوں گا' حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا' آدم اور دیگر پیغمبروں کو میرے جھنڈے کے نیچے پناہ ملے گی۔ یہ باتیں فخریہ طور پر نہیں' اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں۔''

''ایسی بے شمار احادیثِ صحیحہ ہیں جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقاماتِ رفیعہ اور درجاتِ سنیہ کا ذکر موجود ہے۔ حضور سرورِ ہر عالم ﷺ نے تو اپنے متعدد غلاموں کے نام لے لے کر اُن کے جنتی ہونے کی بشارت دی۔ عشرۂ مبشرہ کے ناموں سے کون واقف نہیں۔ حسنین کریمین کے بارے میں فرمایا: سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ ''یہ دونوں شہزادے اہلِ جنت کے جوانوں کے سردار ہوں گے۔'' اپنی نورِ نظر صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا: هِيَ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ ''وہ جنتی عورتوں کی سردار ہوں گی۔'' حضرت

Marfat.com

ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق فرمایا: اے ثابت! اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَعِیْشَ حَمِیْدًا وَّتُقْتَلَ شَهِیْدًا وَّتَدْخُلَ الْجَنَّةَ ''کیا تم اِس بات سے راضی نہیں کہ تم عزت و اکرام سے زندگی بسر کرو، تمہیں شہادت کا شرف بخشا جائے اور تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔'' اور یہ وہی ثابت بن قیس ہیں جنہیں خلافتِ صدیقی کے دوران جنگِ یمامہ میں شہادت کا شرف حاصل ہوا۔

اس قسم کے سینکڑوں واقعات سے کتبِ احادیث بھری پڑی ہیں اور اِن آیاتِ محکمات اور احادیثِ صحیحہ کی موجودگی میں یہ کہنا بڑی گستاخی ہے کہ (معاذ اللہ) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے انجام کی خبر نہ تھی۔

اب آیئے آیتِ مذکورہ کے لفظ مَا اَدْرِیْ کی طرف جس کی تحقیق کرنے سے ساری تشویش دُور ہو جاتی ہے۔

علامہ راغب اصفہانی اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''مفردات القرآن'' میں اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
''درایت اُس معرفت کو کہتے ہیں جو ظن و تخمین (Self-estimation) سے حاصل ہوتی ہے اور فہم و ذہانت سے کسی چیز کو سمجھنا درایت کہلاتا ہے۔''

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ درایت کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔

علامہ ابنِ عابدین شامی نے درایت کی تشریح اس طرح کی ہے:
''عقل کا بذریعہ قیاس کسی چیز کو جاننا درایت کہلاتا ہے۔'' (ردّ المختار، جلد اوّل، صفحہ ۹۷)

''اِن تصریحات سے واضح ہو گیا کہ درایت کا مفہوم یہ ہے کہ غور و فکر، ظن و تخمین اور قیاس آرائی سے کسی چیز کا علم حاصل کرنا۔ یہ مفہوم ذہن نشین کر کے اب آیت میں غور کیجئے تو ادنیٰ سا شبہ بھی باقی نہیں رہے گا اور آیاتِ قرآنی میں باہمی تضاد یا احادیثِ صحیحہ سے تعارض کی نوبت بھی نہ آئے گی۔''

''اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ مکرّم ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ ان کفار کو بتا دیجئے کہ میں اپنی عقل و فہم، ذہانت و فطانت اور قیاس سے نہ یہ جانتا ہوں کہ آخرت میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا، نہ میں یہ جان سکتا ہوں کہ اس دنیا میں میرا اور مجھ پر ایمان لانے والوں کا اور میری اِس دعوت کا انجام کیا ہو گا یا تمہاری سرکشی کی تمہیں کب اور کیا سزا ملے گی۔ اِن امور کو میں اپنی فہم و فراست سے نہ تفصیلاً جان سکتا ہوں اور نہ اِجمالاً۔ میرا علمی سرمایہ میری عقل و شعور کا اثر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ اگر میں نے غور و فکر سے اِن حقائق کو جانا ہوتا تو اس میں شک و شبہ کی گنجائش ہو سکتی تھی اور تمہیں یہ حق پہنچتا تھا کہ اُسے جانچو اور اپنی کسوٹی پر پرکھو لیکن میرا علم تو اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ اس میں شک وشبہ کا ذرا شائبہ نہیں۔ مَا اَدْرِیْ سے درایت کی نفی ہے۔ مَا یُوْحٰی اِلَیَّ سے علمِ خداداد کا ثبوت ہے۔ سکھلانے والا اللہ تعالیٰ ہو اور سیکھنے والا مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ہو، استادِ عالم الغیب والشہادۃ ہو اور تلمیذ غارِ حرا کا گوشہ نشین ہو، بھیجنے والا ربّ العالمین ہو اور آنے والا رحمۃ للعالمین ہو، وہاں کمی رہے گی تو کیسے؟ کوئی نقص ہوگا تو کس جانب سے؟''

''آخر میں چند مفسرین کی آراء بھی ملاحظہ فرمائیے۔ آپ کا آئینۂ دل ہر قسم کے گرد وغبار سے پاک ہو جائے گا۔''

''علامہ ابن جریر طبری نے اِس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے متعدد اقوال لکھے ہیں۔ اُن میں سے ایک قول حضرت حسن بصری کا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام کو یہ علم نہ تھا کہ آخرت میں آپ ﷺ کے ساتھ کیا کیا جائے گا تو ایسی نازیبا حرکت سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کو اُس وقت سے اپنے ناجی ہونے کا علم تھا جب روزِ اوّل ارواحِ انبیاء سے حضور علیہ السلام پر ایمان لانے کا وعدہ لیا گیا تھا۔ بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ دنیا میں مجھے سابقہ انبیاء کی طرح جلاوطن کر دیا جائے گا یا نہیں۔''

''ابنِ جریر طبری، حسن بصری کے مذکورہ قول کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو اِس دنیا میں جو معاملہ آپ علیہ السلام سے کیا جانے والا تھا اور جو سلوک آپ کی قوم اور دوسرے کذّابین کے ساتھ ہونے والا تھا، اُس کو بیان کر دیا۔''

''علامہ نیشاپوری لکھتے ہیں:

''آیت میں خود بخود جان لینے کی نفی کی گئی ہے اور جو بذریعہ وحی عطا ہو، اُس کی نفی نہیں۔''

''علامہ سید محمود آلوسی نے بڑی شرح وبسط کے ساتھ اس حقیقت کو بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''میرے نزدیک پسندیدہ قول یہ ہے کہ نفی اُس درایت کی ہے جو وحی کے بغیر ہو خواہ تفصیلی ہو یا اجمالی، اُس کا تعلق دُنیوی واقعات سے ہو یا اُخروی حالات سے۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِس دنیا سے انتقال نہیں فرمایا جب تک حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی ذات، اُس کی صفات اور اُس کے شئون کا علم اور تمام ایسی اشیاء کا علم جو وجہِ کمال ہے، نہ دے دیا گیا ہو۔'' (روح المعانی)

(58) وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ (البقرۃ: ۴)

''اور وہ لوگ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا، (سب) پر ایمان لاتے ہیں۔'' (۲ : ۴)

Marfat.com

اِس آیت میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس پر خاتمیتِ رسالت کا بیان ہے کیونکہ آیت میں وحی کے دو زمانوں کا ذکر ہے ایک تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور دوسرا انبیائے سابقہ پر وحی کے نزول کا ذکر۔ اگر آپ ﷺ کے بعد کسی اور نبی یا رسول نے آنا ہوتا تو اُس پر بھی ایمان لانے کا ذکر یہاں یا قرآن میں کسی اور جگہ ضرور ہوتا۔ قرآن مجید میں ہر جگہ اسی طرزِ بیان کو اختیار کیا گیا ہے جس سے ختمِ نبوّت کا بالوضاحت ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً فرمایا:

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتٰبِ الَّذِي نَزَّلَ عَلٰى رَسُولِهِ وَالْكِتٰبِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ (النسآء : ۱۳۶)

''اے ایمان والو! اللہ پر اور اُس کے رسول (ﷺ) پر اور اُس کتاب پر جو اُس نے اپنے رسول (ﷺ) پر نازل فرمائی ہے اور اُس کتاب پر جو اُس نے (اس سے پہلے) نازل فرمائی ہے' ایمان لے آؤ۔'' ☆ (۴ : ۱۳۶)

(۲) لٰكِنِ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (النسآء : ۱۶۲)

''لیکن اُن میں سے پختہ علم والے اور مومن لوگ اس (وحی) پر جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے اور اُس (وحی) پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی (برابر) ایمان لاتے ہیں۔'' (۱۶۲ : ۴)

(۳) قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ (المائدة : ۵۹)

''(اے نبیِ محتشم!) فرما دیجئے: اے اہلِ کتاب! تمہیں ہماری کون سی بات بری لگی ہے سوائے اس کے کہ ہم اللہ پر اور اس (کتاب) پر جو ہماری طرف نازل کی گئی ہے اور اُن (کتابوں) پر جو پہلے نازل کی جا چکی ہیں' ایمان لائے ہیں۔'' (۵ : ۵۹)

(59) يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (النسآء : ۱۷۰)

''اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے یہ رسول (ﷺ) حق کے ساتھ تشریف لایا ہے' سو تم (اُن پر) اپنی بہتری کے لئے ایمان لے آؤ اور اگر تم کفر (یعنی اُن کی رسالت سے

☆ یہاں مومنوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ ایمان لے آؤ' اس میں تحصیلِ حاصل ہے جو محال ہے۔ پھر یہ حکم کیوں دیا گیا' وہ تو پہلے ہی سے مومن ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مومنوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اسی طرح ایمان پر قائم رہو۔ نماز میں مسلمانوں کو اس دعا کی تعلیم دی گئی: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (اے اللہ! ہمیں سیدھی راہ دکھا) نمازی تو پہلے ہی سے سیدھی راہ پر ہوتا ہے۔ مطلب وہی ہے کہ ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت پر قائم رکھ۔ یا جیسے سورۃ الاحزاب کی اوّل آیت میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطاب ہوا: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ (اے نبیِ مکرم! اللہ سے اِسی طرح ڈرتے رہیے۔) (تفسیرِ نعیمی)

Marfat.com

انکار) کرو گے تو (جان لو وہ تم سے بے نیاز ہے کیونکہ) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' یقیناً (وہ سب) اللہ ہی کا ہے۔'' (۴ : ۱۷۰)

غور کیجئے کہ شانِ صمدیت کا حامل رب کس طرح آرزومند ہے کہ تمام نوعِ انسانی اُس کے آخری رسول ﷺ پر ایمان لے آئے کیونکہ یَـا اَیُّهَـاالنَّاسُ کے الفاظ میں خطاب تمام نوعِ انسان سے ہے نہ کہ صرف قومِ عرب سے۔ رب تعالیٰ کا یہ حکم ہمارے اپنے مفاد میں ہے نہ کہ اُس بے نیاز ذات کا جو ہر چیز سے مستغنی ہے اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ اُسی کا محتاج ہے۔ یہاں بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کل کائناتی اور آفاقی مشن کا پتہ چلتا ہے۔

(60) یَا اَیُّهَاالنَّاسُ قَدْجَآءَ کُمْ بُرْهَان" مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًاO (النساء: ۱۷۴)

''اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے (ذاتِ محمدی کی صورت میں) دلیلِ قاطع آگئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف (بہ صورتِ قرآن) واضح اور روشن نور (بھی) اتار دیا ہے۔'' (۴:۱۷۴)

بُرْهَان کا معنیٰ سب سے زیادہ مضبوط' کامل اور واضح دلیلِ قاطع کا ہے جسے توڑا نہ جاسکے۔ تقریباً سب مفسرین کے نزدیک یہاں بُرْهَان سے مراد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔ غور کیجئے کہ یہاں بھی خطاب پوری نوعِ انسانی سے ہے نہ کہ صرف قومِ عرب سے جس کا مفہوم یہی ہے کہ کائنات و آفاق کے تمام لوگ اکٹھے ہو کر میرے حبیبِ مکرّم کو خوب خوب پرکھ لیں اور آزمالیں۔ جس زاویہ اور جس جہت سے بھی وہ اُن کی آزمائش کریں گے' ہر طرح اُنہیں مکمل و اکمل اور اتم پائیں گے۔ اکملیت اور اِتمامیت میرے حبیبِ محتشم پر ختم ہے۔ وہ تمہارے رب کی دلیل ہیں۔ تم بگاڑنے کی کوشش کرو گے' نہیں بگاڑ سکو گے۔ تمہارا مقدّر تو بگڑ سکتا ہے مگر یہ دلیل نہیں بگڑ سکتی کیونکہ برہانِ ربانی ہونے کی حیثیت سے اُن کی حیاتِ طیّبہ اور اُن کی عزت و آبرو ہماری حفاظت میں ہے۔

<u>دعویٰ اور دلیل کا باہمی تعلق</u>: اصول یہ ہے کہ آدمی پہلے دعویٰ کرتا ہے اور پھر اُس پر دلیل دیتا ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ دعویٰ کچھ بھی نہ ہو اور دلیل دینا شروع کر دیا جائے۔ تو ہمیں قرآن و حدیث کی روشنی میں دیکھنا یہ ہے کہ محمد رّسول اللہ ﷺ کو آخر کس دعویٰ کی دلیل کہا گیا ہے۔ اسلام کا دعویٰ ہے : لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ' اور اس دعویٰ کی دلیل ہیں: مُحَمَّد'' رَّسُوْلُ اللّٰهِ. پہلے دلیل کو سمجھاتے ہیں تب دعویٰ سمجھ میں آتا ہے۔ دلیل کا بذاتِ خود سمجھانا مقصود نہیں ہوا کرتا بلکہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ دعویٰ کو سمجھ لیں۔

اس ناگزیر حقیقت کو سمجھنے کے لئے ایک مثال ذہن نشین کر لیں۔ مثلاً میں اگر کوئی دعویٰ کروں تو آپ چاہیں دعویٰ کو مانیں یا نہ مانیں۔ فوراً یہی کہیں گے کہ دلیل دو۔ دعویٰ کی مخالفت فوراً شروع نہیں کی۔ پہلے فرمایا کہ

دلیل دو۔ میں نے جب دلیل دے دی تو کہنے لگے: یہ کیسی دلیل دی' اس میں یہ نقص ہے' یہ تو بہت کمزور دلیل ہے۔ میں نے دوسری دلیل دی' کہا: اس میں یہ عیب۔ تیسری دلیل دی گئی کہا کہ اس میں یہ کھوٹ۔ میں نے چوتھی دلیل دی۔ غرضیکہ میں دلیل پر دلیل دیۓ جا رہا ہوں اور وہ دلیل کو بگاڑتے جا رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ دعویٰ سے کوئی نہیں الجھا کرتا' الجھتے ہیں تو دلیل سے الجھتے ہیں۔ اسی لئے ہمیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے کوئی کلمہ گو ٹکراتا ہوا نظر نہیں آیا۔ جو بھی الجھ رہا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ سے الجھ رہا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ دلیل ناقص ثابت ہوگئی تو دعویٰ خود بخود ناقص ہو جائے گا اور اگر یہ دلیل ٹوٹ گئی تو دعویٰ بھی ٹوٹ جائے گا۔ یاد رہے کہ شیطان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا منکر کبھی نہ تھا۔ جب امتحان کی منزل آئی تو کہا گیا کہ تم دعویٰ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کی دلیل مُـحَـمَّـدٌ رَّسُـوْلُ اللّٰہِ کی روشنی میں مانتے ہو کہ نہیں؟ تو وہ انکار کر گیا۔ تو جو دلیل کا منکر ہوا' اُسے دعویٰ کا بھی منکر سمجھا گیا۔

جب تک آدمی دلیل کو نہیں سمجھتا' دعویٰ پر ایمان نہیں لاتا۔ جب مصر کے جادوگروں نے موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے مقابلہ کیا تھا جس کے نتیجہ میں وہ جادوگر رب العالمین پر ایمان لا رہے ہیں جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا رب ہے۔ غور طلب مقام ہے کہ کمال تو دیکھا موسیٰ علیہ السلام کا اور ایمان لا رہے ہیں ربِّ موسیٰ پر۔ معجزہ دیکھا حضرتِ کلیم اللہ کا اور ایمان لائے ربِّ موسیٰ پر۔ معلوم ہوا کہ جو دلیل کو مانتا ہے' اُسے دعویٰ کو ماننا پڑتا ہے اور جب تک بندہ دلیل سے دُور رہتا ہے' دعویٰ اُس کی سمجھ میں نہیں آتا۔ مثال اس کی عمر (جو ابھی فاروق نہیں بنا) سے سمجھئے۔ نبی علیہ السلام کا (معاذ اللہ) خاتمہ کرنے وہ ننگی تلوار لئے جا رہا ہے' تیور ٹھیک نہیں ہیں۔ قدرت کا انتظام تو دیکھئے' دعویٰ کو اپنی دلیل کے قریب کر رہا ہے۔ بڑے ہی غصّے میں ہیں لیکن چشمِ کائنات نے دیکھا کہ۔

عمر سوئے نبی گئے' نظر سوئے عمر گئی　　پڑی نگاہِ مصطفٰی تو زندگی سنور گئی

دیکھا آپ نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دلیل کو سمجھ لیا تو دعویٰ کا ماننا پڑ گیا۔

طریقہ تبلیغ: حبیبِ محتشم ﷺ نے فاران کی چوٹی سے اپنی قوم کو بلایا۔ اُن کے بلانے کے بعد جس قوم میں فخرِ ہر جہاں ﷺ نے چالیس سال تک خاموش زندگی گزاری تھی' اُن سے پوچھا: دیکھو تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟ سب نے بہ یک زبان کہا: آپ صادق و امین ہیں۔ فرمایا: اچھا اگر تم مجھے ایسا ہی سمجھتے ہو تو اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں ایک لشکر تم پر حملہ آور ہونے کو ہے تو کیا میرے کہنے سے تم اس بات کو مان لو گے؟ سب نے کہا: ضرور' اس لئے کہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اچھا تو جب تم میرے کہنے سے اُس بن دیکھے لشکر کو مان رہے ہو تو پھر میرے ہی کہنے سے اُس بن دیکھے وحدہٗ لاشریک لہٗ اللہ کو بھی مان لو۔ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ ڈالو' نجات پا جاؤ گے)۔ دیکھئے رسول نے پہلے اپنے آپ کو منوالیا پھر لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ کا پیغام اُن کے سامنے رکھا۔ اس لئے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ دعوت ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ داعی ہیں۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ ہدایت ہے' مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہادی ہیں۔ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰہُ ارشاد ہے' مُـحَـمَّـدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ مرشد ہیں۔ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کلام ہے' مُـحَـمَّـدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ متکلم ہیں۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ ذکر ہے' مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ذاکر ہیں۔ جو داعی کو نہ مانے وہ دعوت کو کیا

Marfat.com

مانے گا؟ جو ہادی کو نہ مانے' وہ ہدایت کو کیا مانے گا؟ جو قائل کو نہ مانے' وہ قول کو کیا مانے گا۔ جو ذاکر کو نہ مانے' وہ ذکر کو کیسے مانے گا؟ تو رسول نے تبلیغ کا جو طریقہ ہمیں دیا ہے' وہ یہی ہے کہ پہلے ہمیں منواؤ' پھر اللہ کو وہ خود ہی مان لیں گے۔

بُرھان کے حوالہ سے یہاں چند اہم نکات کا ذکر کرنا ضروری ہے:

(۱) ہر شخص کا علم برابر نہیں ہوا کرتا۔ میں نے ایک دلیل دی تو میرے استاد نے اُسے توڑ دیا اس لئے کہ میرے استاد کا علم میرے علم سے زیادہ ہے۔ میرے استاد نے دلیل دی تو اُن کے استاد نے اُسے توڑ دیا۔ معلوم ہوا کہ جب علم بڑھتا جاتا ہے تو دلیل کو توڑنے اور اُس کے اندر نقص پیدا کرنے کی بھی صلاحیت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ تمہارے رب کی دلیل ہے۔ اب اُسے توڑنے کے لئے رب کے علم سے بڑھ کر یا کم از کم رب کے برابر علم لے آؤ۔ اور جب دونوں چیزیں محال ہیں تو اس کے اندر عیب اور نقص کا ہونا بھی محال ہے۔

(۲) یہ بات بھی محلِ نظر رہے کہ اگر دلیل ٹوٹے گی تو دلیل کا کیا ہوگا؟ یہ تو دلیل دینے والے کے ناموس کا سوال ہے۔ ہم کوشش کرتے ہیں کہ ہماری دلیل ٹوٹنے نہ پائے لیکن ہم اپنی کوشش میں ناکام ہو سکتے ہیں۔ اگر قادرِ مطلق یہ چاہے کہ اُس کی دلیل ٹوٹنے نہ پائے تو کون اُسے توڑ سکے گا؟ جسے خدا سنوارے' اُسے کون بگاڑ سکتا ہے!

(۳) دیکھنے والے اس دلیل کو اس حیثیت سے نہیں دیکھ رہے کہ یہ لَآ اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰہُ کی دلیل ہیں بلکہ اس حیثیت سے دیکھ رہے ہیں کہ یہ چلتا پھرتا ہے' کھاتا پیتا ہے' سوتا ہے' جاگتا ہے' اُٹھتا بیٹھتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اے میرے رسول کی زندگی کا مطالعہ کرنے والو! میرا یہ اصرار ہرگز نہیں ہے کہ میرے رسول کا اُٹھنا بیٹھنا نہ دیکھو' اُن کا چلنا پھرنا نہ دیکھو' اُن کا سونا جاگنا اور کھانا پینا نہ دیکھو۔ اے دیکھنے والو! دیکھو اور ضرور دیکھو۔ اگر تم میرے رسول کا اُٹھنا بیٹھنا نہ دیکھو گے تو تمہیں اُٹھنے بیٹھنے کا طریقہ کہاں سے آئے گا' اگر تم اُن کا کھانا پینا نہ دیکھو گے تو تمہیں کھانے پینے کا سلیقہ کہاں سے آئے گا۔ مگر اے دیکھنے والو! میری گزارش صرف اِتنی ہے کہ ایک ہی منظر مت دیکھو۔ زمین پر چلتا پھرتا دیکھو تو کہکشاں سے گزرتا ہوا بھی دیکھ لو۔ مکّہ کی گلیوں میں کسی کا بوجھ اُٹھاتا دیکھو تو سورج کا پلٹانا بھی تو دیکھ لو۔ اگر دندان مبارک کا شہید ہونا دیکھو تو سینہ مبارک شق ہونے کے باوجود قطرۂ خون نہ نکلا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بھی دیکھو وہ بھی دیکھو اس لئے کہ جب تک تم میرے رسول کو اُٹھتا بیٹھتا' چلتا پھرتا' کھاتا پیتا' سوتا جاگتا اور اُن کے دندانِ مبارک کا شہید ہونا دیکھو گے' جب تک تم یہ سب دیکھتے رہو گے' اُس رسولِ خدا کو خدا نہیں کہہ سکو گے۔ اور جب قابَ قوسین میں دیکھو گے' جب سدرہ کے اوپر دیکھو گے' جب سورج کو پلٹاتا دیکھو گے' جب چاند کو دولخت کرتا دیکھو گے' جب جانوروں سے سجدہ کراتا دیکھو گے' جب سنگریزوں سے کلمہ پڑھاتا دیکھو گے تو اس رسول کو اپنے جیسا نہ کہہ سکو گے۔ اسی لئے کہتا ہوں کہ یہ بھی دیکھو' وہ بھی دیکھو۔ نہ اُنہیں خدا کہہ سکو اور نہ اپنے جیسا کہہ سکو۔

Marfat.com

جیسا کہ بیان ہوا کہ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دعویٰ ہے اور مُحَمَّد'' رَسُولُ اللّٰہ اُس دعویٰ کی دلیل ہے۔ دعویٰ اور دلیل کو اکٹھا ملا کر پڑھنے سے وہ کلمہ طیبہ بن گیا جس کے دو حصّے ہیں۔ پہلے حصّے (یعنی لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ) کا تعلق خالق یعنی الوہیت سے اور دوسرے حصّے (یعنی مُحَمَّد'' رَسُولُ اللّٰہ) کا تعلق مخلوق یعنی رسول سے ہے۔ اصول یہ ہے کہ جب دو باتیں کہنی ہوں تو دونوں کے درمیان عربی زبان میں واؤ' اردو میں ''اور'' اور انگریزی میں لفظ And لاتے ہیں جیسے میں نے کھانا کھایا اور پانی پیا۔ زید آیا اور بکر گیا۔ یہ ''اور'' کا لفظ بتا رہا ہے کہ پہلے اور دوسرے جملہ میں مغایرت (یعنی غیریت) ہے۔ اس اصول کی روشنی میں کلمہ یوں ہونا چاہئے تھا: لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَمُحَمَّد'' رَسُولُ اللّٰہ مگر نہیں' یہاں درمیان میں واؤ لانے سے ایمان رخصت ہو جائے گا۔ تو گویا اصل کلمہ طیبہ میں رب تعالیٰ نے اپنے اور رسول کے درمیان واؤ کی ہمراہی کو بھی برداشت نہیں کیا۔ اگر واؤ درمیان میں لایا جاتا تو دونوں جملوں یعنی دعویٰ اور دلیل میں مغایرت (غیریت) ثابت ہو جاتی۔ اگر دلیل دعویٰ سے جدا ہو جائے تو دعویٰ کو کون سمجھائے؟ رسالت کو الوہیت سے جدا کرنا کج روی ہے اور قرآنِ مجید ایسی کج روی کے بارے میں حسبِ ذیل وعید سناتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًاO اُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا وَ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًاO وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِکَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًاO (اَلنِّسَآء: ۱۵۰-۱۵۲)

''بلاشبہ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اُس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اِس (ایمان و کفر) کے درمیان کوئی راہ نکال لیں۔ ایسے ہی لوگ درحقیقت کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ اللہ اور اُس کے (سب) رسولوں پر ایمان لائے اور ان (پیغمبروں) میں سے کسی کے درمیان (ایمان لانے میں) فرق نہ کیا تو عنقریب وہ اُنہیں اُن کے اجر عطا فرمائے گا اور اللہ بخشنے والا' بڑا مہربان ہے۔'' (۴ : ۱۵۰-۱۵۲)

ہمارا ایمان ہے کہ اللہ کا آخری رسول ﷺ اپنے خالق و مالک اللہ کا محبوب ہے اور اللہ اُس کا محب ہے۔ ہر زبان کا دستور یہ ہے کہ محبوب کا نام اُس کے محب کے نام سے پہلے ہوتا ہے جیسے سسی پنوں۔ ہیر رانجھا۔ شیریں فرہاد وغیرہ۔ لیکن یہاں معاملہ الٹ ہے کہ کلمہ طیبہ میں محب (اللہ) کا نام پہلے اور محبوب (یعنی محمد) کا نام بعد میں ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی نے اِس معمہ کا جواب دیا ہے کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے نورِ محمدی کو پیدا فرمانا چاہا تو اُس نے ارشاد فرمایا: مُحَمَّد'' رَسُولُ اللّٰہِ۔ نورِ محمدی نے پیدا ہو کر جواب میں کہا: لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ رب نے پھر فرمایا: مُحَمَّد'' رَسُولُ اللّٰہِ۔ نورِ محمدی نے پھر کہا: لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ تو لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ رسول کا کلام ہے اور مُحَمَّد'' رَسُولُ اللّٰہِ خدا کا کلام ہے۔ اب کلمہ کی ترتیب سمجھ میں آ گئی۔ پہلے لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ اس لئے کہ جو لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ کہے گا وہ سنتِ مصطفیٰ ادا کرے گا اور جو مُحَمَّد'' رَسُولُ اللّٰہِ کہے گا وہ سنتِ کبریاء ادا کرے گا تو پہلے سنتِ

Marfat.com

مصطفیٰ ہے، پھر سنتِ کبریاء ہے اور مقصد یہ ہے کہ جب تک سنتِ مصطفیٰ ادا نہ کر پاؤ گے، ہم تمہیں آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔ عارفینِ کاملین نے اس سے بڑھ کر ادب و محبت کی بات کی ہے کہ کلمہ طیبہ میں رب نے اپنے نام کو محبوب کے نام سے پہلے اس لئے رکھا کہ اے کلمہ کے پڑھنے والے! میرا نام پہلے لے کر اپنے ظاہر و باطن اور زبان کی صفائی کر لے، پھر اس کے بعد میرے محبوبِ محتشم کا نام زبان پر لے آنا۔☆

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ دلیل کا کام اطمینان و سکون دینا اور دعویٰ کا کام اضطراب و بے قراری دینا ہوتا ہے۔ دعویٰ اگر اضطراب دیتا ہے تو دلیل سکون بخشتی ہے۔ انسانی زندگی کے لمحات کا آخری مرحلہ نزع کی کیفیت ہے جو بہت ہی سخت مرحلہ ہے۔ یوں محسوس کریں کہ کیکر کے خاردار درخت پر بھیگی ہوئی ہلکی چادر ڈال کر اُسے کھینچیں تو ریشے ریشے کی حالت خراب نظر آتی ہے۔ یوں محسوس ہوگا جیسے جسم کے ہر حصّے سے کوئی کانٹے کو کھینچ رہا ہو مگر میرے اور آپ کے رسولِ معظم نے فرمایا کہ مؤمن کی روح ایسے نکلے گی جیسے پھول سے خوشبو نکل جاتی ہے۔ دعویٰ نے تو بہت ہیبت دے رکھی تھی، دلیل نے سکون دے دیا۔ تفسیر روح البیان میں اس کی تفسیر ہمیں ملی کہ ایک بزرگ نے خواب میں رسولِ پاک ﷺ کی زیارت کی تو پوچھ لیا کہ حضور! نزع کی تکلیفیں تو بہت ہیں مگر آپ فرماتے ہیں کہ مؤمن کی روح ایسے نکلے گی جیسے پھول سے خوشبو نکل جائے۔ سرکار! آپ کا یہ کلام بلاغت نظام ہماری سمجھ میں نہ آسکا۔ تو سرکار نے فرمایا: سورہ یوسف میں غور کرو کہ جمالِ یوسفی جب مصر کی عورتوں کے سامنے بے حجاب ہوا تو اُن کے سارے ہوش و حواس جمالِ یوسفی میں گم ہو گئے اور اُنہوں نے پھلوں کی بجائے اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں اور اُنہیں درد کا احساس تک نہ ہوا۔ سارے احساس اُدھر متوجہ ہو گئے۔ تو رسول اللہ ﷺ فرمانا یہ چاہتے ہیں کہ جب مؤمن کی روح نکلے گی تو جمالِ مصطفیٰ نگاہوں کے سامنے ہوگا، سارے ہوش و حواس گم ہو جائیں گے۔ روح نکل جائے گی، پتہ نہ چلے گا۔ درد ہوگا مگر محسوس نہ ہوگا۔ (رب تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اُس حالت کا مصداق بنائے!) تو لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه نے ایک اضطراب پیدا کر دیا تھا، جمالِ مصطفیٰ نے سکون دے دیا کیونکہ دلیل کا کام ہی سکون دینا ہے☆☆

دوسری سخت منزل قبر کی ہے۔ وہاں بھی جہاں دعویٰ ہے، وہیں دلیل ہے۔

تیسری منزل میدان حشر کی ہے جس میں آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عجیب کیفیت ہوگی۔ کبھی آپ باب

---

☆ اسی سے عارفینِ کاملین نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ بیت اللہ شریف کا حج دو طرح کا ہے۔ پہلے حج کیا جائے اور پھر روضہ رسول ﷺ پر حاضری دی جائے۔ دوسرا طریقہ اس کے برعکس ہے یعنی پہلے دربارِ رسول میں حاضری دی جائے اور پھر حج کیا جائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دونوں طرح اگرچہ حج ہو جاتا ہے لیکن افضل یہ ہے کہ پہلے حج کیا جائے تاکہ بندہ گناہوں کی کثافت و آلائش سے منزہ و مطہر اور پاک و صاف ہو کر اپنے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔

☆☆ زائرین نے لازماً محسوس کیا ہوگا کہ مکّہ مکرمہ میں رب کا جلال ہی جلال ہے لیکن مدینہ منورہ میں آقا علیہ السلام کا جمال ہی جمال ہے۔ وہاں کی گلیاں اور کوچے نو وارد کو بھی جانی پہچانی اور مانوس معلوم ہوتی ہیں کہ وہ رحمۃ للعالمین کا شہر ہے۔

Marfat.com

جہنم پر دکھائی دے رہے ہیں، کبھی پُل صراط پر ہیں، کبھی میزان کے سامنے ہیں۔ تاجداروں کی طرح آرام سے بیٹھ کر آپ ہر حکم نافذ کر سکتے تھے مگر ایسا نہیں۔ بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کو تو ایک عجیب منظر پیش کرنا ہے۔ اُنہیں جہنم کے دروازے پر بھی رہنا ہے، پُل صراط پر بھی رہنا ہے، میزان کے پاس بھی رہنا ہے۔ صرف حکم دینے پر آپ اکتفا نہیں فرما رہے، اس لئے کہ جب میری اُمّت کے گنہگار جہنم کی طرف لائے جائیں گے، اُس وقت اُن کے قدم ڈگمگا رہے ہوں گے، اُن کے دلوں میں اضطراب ہوگا اور جب جہنم کے دروازے پر مجھے دیکھیں گے تو اُنہیں سکون مل جائے گا کہ میرا نکالنے اور بچانے والا تو پہلے ہی سے موجود ہے۔ تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ نے بے قرار کیا تو رسول ﷺ نے اطمینان دے دیا۔ اسی طرح جب بندہ گناہوں کی گٹھڑی لے کر لرزتے ہوئے قدم، دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ میزان کی طرف بڑھے گا تو کتنی پریشانی اور کتنا اضطراب ہوگا مگر جب وہ وہاں رسول کو دیکھے گا تو اُسے اطمینان ہو جائے گا۔ یہی حال پُل صراط پر سے گزرنے کا ہوگا۔ غرض جہاں جہاں دعوے کا جلال ہے، وہاں وہاں دلیل کا جمال ہے۔ جہاں جہاں دعوے کی ہیبت ہے، وہاں وہاں دلیل کی رحمت ہے۔

ذرا یاد تو کیجئے رسول کے دستِ مبارک سے لگے ہوئے اُس رومال کو جو صحابیِ رسول کے پاس محفوظ تھا۔ وہ رومال جب میلا ہو جاتا یا اُسے کبھی دھونے کی ضرورت پیش آتی تو وہ اُسے جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیتے تھے اور جب اُسے وہاں سے نکالتے تھے تو وہ بالکل دُھل کر صاف و شفاف نکلتا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ نارِ نمرود میں ابراہیم علیہ السلام کے جانے سے وہ آتش کدہ گل کدہ ہو گیا اور آگ ٹھنڈی ہو گئی لیکن خیال رہے کہ جنابِ ابراہیم علیہ السلام کی ذاتِ بابرکات وہاں گئی تھی۔ یہاں رومال کے حوالے سے رسول خود تنور میں نہیں گئے تھے، رسول کی نسبت گئی تھی۔ وہاں آتش کدہ گل کدہ بن گیا مگر یہاں آگ ہے اور اپنی حرارتوں کو جس نے کھویا نہیں ہے لیکن جلانے کی ہمت نہیں ہے۔ یہیں سے معلوم ہو گیا کہ جب نسبت لے کر ایک کپڑا تنور میں جاتا ہے تو آگ نہیں جلا پاتی۔ اگر ہمارے دل میں رسول ﷺ کی محبت ہو تو جہنم میں جلانے کی طاقت کہاں سے آئے گی!

<u>حرفِ آخر</u> : ایک سچا اور سُچا مسلمان ہونے اور غیر متزلزل ایمان والا ہونے کے لئے رسول اللہ ﷺ کو اس سے زیادہ برہانِ الٰہی ماننا لازمی امر ہے کہ وہ کھاتا پیتا، چلتا پھرتا، سوتا جاگتا اور نکاح کرتا ہے۔ افضل الملائکہ جبریل علیہ السلام نے کیا رسول اللہ ﷺ کے چلنے پھرنے، کھانے پینے اور سونے جاگنے کے بشری حالات کو نہیں دیکھا تھا؟ تو پھر بات کیا ہے کہ جب شبِ معراج رسول نے جبریل امین سے کہا تھا کہ یہ کیسی رفاقت کہ یہاں ٹھہر گئے تو سیّدنا جبریل علیہ السلام نے جو عرض کیا، شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اس کی کیا خوب ترجمانی کی ہے!

اگر یک سرموئے برتر پرم — فروغِ تجلّی بسوزد پرم

(اے رسولِ معظم! آپ تشریف لے جایئے۔ میں اب اگر آپ کے ساتھ آگے چلا تو تجلی کے فروغ سے میرے پر جل جائیں گے۔ گویا جبریل علیہ السلام نے اپنے اس عمل سے ظاہر کر دیا کہ میرے پر جل

Marfat.com

جائیں گے، وہ نہ جلیں گے۔ غور کا مقام ہے کہ سیّدنا جبریل علیہ السلام اپنے آپ کو رسول کی طرح نہ سمجھ سکے اور رسول کو اپنی طرح نہ سمجھ سکے۔ اگر اپنے آپ کو رسول کی طرح سمجھتے تو آگے بڑھ جاتے اور اگر رسول کو اپنی طرح سمجھتے تو روک لیتے۔ نہ آگے بڑھے، نہ روکا اور دکھا دیا کہ میں رسول کی طرح نہیں ہوں اور نہ رسول میری طرح ہیں۔ مقامِ فکر و غور ہے کہ سیّد الملائکہ سدرہ نشیں اور حاملِ وحی اپنی طرح نہ سمجھ سکے، معصوم فرشتے اپنی طرح نہ سمجھ سکے، اب اگر دو ٹانگ کا جانور اُنہیں اپنی طرح سمجھے تو یہ دماغ کی خرابی نہیں تو اور کیا ہے؟

اگر خموش رہوں تو تو ہی سب کچھ ہے　　جو کچھ کہا تو تیرا حُسن ہو گیا محدود

(61) یٰاَہۡلَ الۡکِتٰبِ قَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمۡ کَثِیۡرًا مِّمَّا کُنۡتُمۡ تُخۡفُوۡنَ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ یَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ قَدۡ جَآءَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ نُوۡرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ ۞ یَّہۡدِیۡ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ بِاِذۡنِہٖ وَ یَہۡدِیۡہِمۡ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۞ (المائدۃ: ۱۵، ۱۶)

''اے اہلِ کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارے (یہ) رسول تشریف لائے ہیں جو تمہارے لئے بہت سی ایسی باتیں (واضح طور پر) ظاہر فرماتے ہیں جو تم کتاب میں سے چھپائے رکھتے تھے اور (تمہاری) بہت سی باتوں سے درگزر (بھی) فرماتے ہیں۔ بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور ایک روشن کتاب آگئی ہے۔ اللہ اُس کے ذریعے اُن لوگوں کو جو اُس کی رضا کے پیرو ہیں، سلامتی کی راہوں کی ہدایت فرماتا ہے اور اُنہیں اللہ کے حکم سے (کفر و جہالت کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان و ہدایت کی) روشنی کی طرف لے آتا ہے اور اُنہیں سیدھی راہ کی سمت ہدایت فرماتا ہے۔'' (۱۵، ۱۶ : ۵)

اہلِ کتاب میں خطاب اُن یہود و نصاریٰ سے ہے جو تورات و انجیل میں نبی آخر الزماں ﷺ کے متعلق بیان کی گئی افضلیت اور فوقیت کو چھپاتے تھے۔ اُنہیں اِن آیات میں بتایا جا رہا ہے کہ تمہاری اپنی سماوی کتابیں (تورات و انجیل) ہمارے اس نبی علیہ السلام کے بارے میں گواہ ہیں کہ آپ پڑھے لکھے نہیں بلکہ نبیِ اُمّی ہیں اور اُمّی اور ناخواندہ ہونے کے باوجود اُنہیں خداداد علم کی راہ نمائی حاصل ہے۔ اپنے خالق کی مدد اور نصرت کے ذریعے وہ تمہاری بہت سی باتوں کو جو تم تورات و انجیل میں سے چھپاتے ہو، بے نقاب کرتے ہیں۔ اور اسی بات میں آپ کی رسالت کی صداقت چھپی ہوئی ہے اور یہ کہ اُمّی ہونے کے باوجود وہ صداقت کو چھپانے کی تمہاری کوششوں کو لاحاصل اور بے ثمر بنا دیتے ہیں۔

آپ ﷺ کا نظر انداز کرنا اور اُن کی کوتاہیوں کو برداشت کرنا آپ کی رسالت کی اخلاقیات کا مظہر ہے۔

یہاں نور سے مراد نبی علیہ السلام کی ذاتِ اقدس اور کتابِ مبین سے مراد قرآن مجید ہے جیسا کہ کچھ مستند تفاسیر میں آیا ہے:۔

Marfat.com

(۱) يَعْنِيْ بِالنُّوْرِ مُحَمَّدًا ﷺ الَّذِیْ اَنَارَاللّٰهُ بِهِ الْحَقَّ وَاَظْهَرَ بِهِ الْاِسْلَامَ وَمَحَقَ بِهِ الشِّرْكَ فَهُوَ نُوْرٌ" لِمَنِ اسْتَنَارَ بِهٖ وَكِتَابٌ" مُّبِيْنٌ" هُوَالْقُرْآنُ الَّذِیْ اُنْزِلَ عَلٰی نَبِيِّنَا ﷺ (تفسیرابن جریر)

''نور سے مراد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حق وصداقت کو روشن کیا' کلمہِ حق کو بلند کیا اور شرک کی بیخ کنی کی۔ پیغمبر علیہ السلام واقعی نور ہیں لیکن آپ نور اُس کے لئے ہیں جو اپنے دل کو آپ کے ذریعے روشن کرنا چاہتا ہے اور کتابِ مبین سے مراد قرآن پاک ہے جسے اُس نے ہمارے نبی اکرم ﷺ پر نازل فرمایا۔'' (تفسیر ابن جریر)

(۲) نُوْرٌ" قِيْلَ مُحَمَّدٌ" ﷺ عَنِ الزُّجَاجِ وَكِتَابٌ" مُّبِيْنٌ" اَیْ اَلْقُرْآنُ فَاِنَّهٗ يُبَيِّنُ الْاَحْكَامَ (قرطبی)

''جیسا کہ زجاج نے کہا کہ نور سے مراد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس ہے۔ کتابِ مبین سے مراد قرآن پاک ہے کیونکہ وہ احکام کو بیان کرتا ہے اور اُن کی وضاحت کرتا ہے۔'' (قرطبی)

رَسُوْلُنَا (ہمارا رسول) کے لفظ نے عظمتِ رسول ﷺ کو چار چاند لگا دئے ہیں کہ رب تعالیٰ آپ ﷺ کو ''ہمارا رسول'' فرما رہا ہے۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ ''نور'' سے مراد قرآن مجید ہے کیونکہ جیسا کہ پہلے بیان ہوا' درمیان کا واوِ عاطفہ (وَ) مغایرت (یعنی غیر ہونے) کا ہے بہ ایں معنیٰ کہ نور اور کتابِ مبین دو مختلف چیزیں ہیں اور ایک ہی جملہ میں ایک ہی چیز کا تکرار قرآن کی فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔

مُبِيْـــن کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن مجید نہ صرف بذاتِ خود روشن نور ہے بلکہ وہ دوسروں کو بھی روشن اور نورانی بنا دیتا ہے۔ سُبُلَ السَّلَامِ اللہ تعالیٰ کی راہیں ہیں کیونکہ اَلسَّلَامُ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام بھی ہے (بحوالہ سورۃُ الحشر: آیت ۲۳) (تفسیر قرطبی' تفسیر بیضاوی)

آیتِ مذکورہ (۱۶) اس حقیقت کو واضح طور پر آشکار کر رہی ہے کہ قرآن مجید سے صرف وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو اس کے ذریعے مدد حاصل کرنے کے لئے آمادہ ہوں اگرچہ تحفظ کی راہیں ہر کس و ناکس کے لئے کھلی ہیں۔

(62) يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰی فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ" وَّ نَذِيْرٌ" (اَلْمَآئِدَة: ۱۹)

''اے اہلِ کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارے (یہ) رسول تشریف لائے ہیں جو تمہیں ایسے وقت میں صاف صاف بتاتے ہیں کہ رسولوں کا آنا بند تھا کہ کہیں تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی بھی بشارت دینے والا' نہ تنبیہ کرنے والا آیا۔ (اب تو) تمہارے پاس بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا آ گیا ہے۔'' (۵:۱۹)

Marfat.com

فَتْـرَة کے لفظی معنیٰ انقطاعِ عمل اور سکون کے ہیں۔ اصطلاح میں اس کا معنیٰ دو نبوتوں کا درمیانی زمانہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبیِ مکرّم ﷺ کے درمیان وقفہ کم وبیش چھ سو سال کا ہے۔ حضور علیہ السلام کا سنِ ولادت ۵۷۰ عیسوی اور سالِ بعثت ۶۱۰ عیسوی ہے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا صدہا سال سے وحیِ تازہ کی نعمت سے محروم تھی۔ ہمارے اس رسولِ معظم کی آمد آمد تم اہلِ کتاب مُدّت سے سنتے چلے آ رہے تھے۔ انجیل میں بار بار ذکر ''وہ نبی'' (The Prophet) کا یہود کی زبان سے آتا ہے جس کے صاف معنیٰ یہ ہیں کہ ایک متعارف نبی کا آنا مدتوں سے مسلّم چلا آرہا تھا۔ تو اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) سے یہ کہا جا رہا ہے کہ سن لو کہ یہ اُسی کی قدرت کا ایک ظہور ہے کہ اُس نے صدیوں بعد ایک پیغمبر اور وہ بھی سب پیغمبروں کا سردار مبعوث کر دیا۔ اب روزِ قیامت عذر کی کوئی گنجائش تمہارے پاس باقی نہیں رہی۔ آگے ماننا نہ ماننا تمہارا فعل ہے۔ آیت کے اس ٹکڑے سے یہ پہلو بھی صاف ہوا جاتا ہے کہ گو ہم نے تمہاری حجت قطع کرنے کو یہ پیغمبر مبعوث کر دیا' تاہم اگر ہم چاہتے تو اس کے بغیر بھی تم پر حجت قائم کر دیتے اور تمہیں دَم مارنے کی مجال نہ تھی۔

فَتْـرَة کا کم وبیش یہ چھ صدیوں کا زمانہ درحقیقت قرونِ مظلمہ (Dark Ages) کا دَور تھا۔ مذہب تخریب و بگاڑ کا شکار ہو چکا تھا' اخلاقی اقدار کا جنازہ نکل چکا تھا' متعدد جھوٹے نظاموں اور بدعقیدگیوں نے سماج میں جڑ پکڑ لی تھی۔ اس طول طویل عرصہ کے بعد رحمان و رحیم اللہ نے اپنی رحمتِ خاصہ سے اپنے برگزیدہ پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو دنیا سے اِن برائیوں کو پاک وصاف کرنے کے لئے مبعوث فرمایا۔ اہلِ کتاب سے فرمایا جا رہا ہے کہ میرے اس نبیِ موعود کے خلاف سازشیں کرنے کی بجائے اُن پر ایمان لا کر موقع سے فائدہ اٹھا لو اور صحابیتِ رسول کے زمرے میں شامل ہو کر اپنی بدبختی کو خوش بختی میں تبدیل کر لو ورنہ قیامت کے دن تمہارے عذرِ لنگ کو کوئی پذیرائی حاصل نہ ہو گی۔

(63) اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ (اَلشُّورٰى : ۲۴)

''کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اِس (رسول ﷺ) نے اللہ پر جھوٹا بہتان تراشا ہے' سو اگر اللہ چاہے تو آپ کے قلبِ اطہر پر (صبر و استقامت کی) مُہر ثبت فرما دے (تاکہ آپ کو اُن کی بیہودہ گوئی کا رنج نہ پہنچے)۔'' (۴۲ : ۲۴)

کفار عموماً ہرزہ سرائی کرتے کہ حضور (ﷺ) کا یہ کہنا کہ یہ اللہ کا کلام ہے' محض غلط اور بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی اس بے باکی پر اظہارِ حیرت کرتے ہوئے اُن کے الزام کی تردید فرما رہا ہے کہ اُن کے اس الزام کی کوئی وقعت نہیں کیونکہ کلامِ الٰہی کا حسن و جمال اور اُس کی اثر پذیری کی قوّت افترا پردازی اور جھوٹ میں نہیں پائے

Marfat.com

جاتے۔ اُس کی نصرت و مدد تو ہمیشہ حق و صداقت کے ساتھ رہتی ہے نہ کہ جھوٹ کے ساتھ۔ پیارے محبوب! اگر آپ جھوٹے اور افترا پرداز ہوتے تو رب تعالیٰ آپ کے دل پر اسی طرح مہر لگا دیتا جس طرح وہ جھوٹے شخص کے دل پر مہر لگا دیا کرتا ہے جس سے آپ کسی چیز کا ادراک نہ کر سکتے، نہ کسی حرف یا لفظ کا تلفظ کر سکتے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل پر ایسی مُہر نہیں لگائی تو معلوم ہوا کہ پیارے! آپ نے اللہ پر افترا نہیں باندھا اور کفار کا یہ دعویٰ جھوٹا اور لغو ہے۔ اس طرح یہ آیت آپ کی رسالت کی رفعت اور عظمت کو سلام کر رہی ہے۔ جس طرح سورۃ الحآقّۃ کی ذیل کی آیت عظمتِ رسالت کو چار چاند لگا رہی ہے۔

(64) وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ O ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ O فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ O (الحآقّۃ : ۴۴۔۴۶)

''اور اگر نبی (علیہ السلام) ہم پر کوئی (ایک) بات بھی گھڑ کر کہہ دیتے تو ہم یقیناً اُنہیں پوری قوت وقدرت کے ساتھ پکڑ لیتے، پھر ہم ضرور اُن کی شہ رگ کاٹ دیتے، پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اُس سے روکنے والا نہ ہوتا۔'' (۶۹ : ۴۴۔۴۶)

قضیہ صغریٰ : اگر نبی ہم پر کوئی (ایک) بات بھی گھڑ کر کہہ دیتے تو ہم یقیناً اُن کی شہ رگ کاٹ دیتے۔
قضیہ کبریٰ : محذوف ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کی شہ رگ کبھی نہیں کاٹی گئی۔
نتیجہ: لہٰذا نبی مکرّم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی بھی بات نہیں گھڑتے اور آپ اللہ کے سچے رسول ہیں ﷺ۔

محولہ بالا آیات میں مقامِ نبوّت کی نازک اور گراں ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے یعنی جس کی نبوت کو ہم معجزات اور دلائل سے ثابت کر دیں، وہ ہرگز ہرگز اپنے رب کے کلام میں اپنی طرف سے کوئی ملاوٹ نہیں کرتا۔ بفرضِ محال اگر وہ اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر بھی دے تو یہ کوئی معمولی سا جرم نہیں جس کا نوٹس نہ لیا جائے یا جس سے چشم پوشی کی جائے بلکہ یہ تو اتنا بڑا گناہ اور سنگین جرم ہے کہ اگر اُسے گوارا کر لیا جائے تو سلسلہِ نبوّت کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا اور کسی کو نبی کی بات پر اعتماد ہی نہیں رہے گا۔ اس لئے بفرضِ محال اگر ہمارا کوئی فرستادہ ایسی حرکت کرے تو ادنیٰ توقف کے بغیر ہمارے انتقام کی تلوار بے نیام ہو جائے گی اور آنِ واحد میں اُس کی رگِ دل کاٹ کر رکھ دی جائے گی تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ اگر خدا کا بھیجا ہوا نبی بھی (معاذ اللہ) ایسی قبیح حرکت کرے تو عذابِ الٰہی ایک لحظہ بھی اُسے مہلت نہیں دیتا اور فوراً اُسے فنا کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔

اس طرح درج بالا آیات نبی آخر المرسلین ﷺ کی ذاتِ والا صفات کے حق میں پُر عطر خراجِ تحسین کا

Marfat.com

سدا بہار سہرا اور نبوت کے ماتھے کا پُر نور اور لازوال جھومر ہیں۔ یہ آیات آپ ﷺ کی مذمت میں ہرگز ہرگز نہیں ہیں جیسا کہ بعض پُر عنا د طبقات کی جانب سے سننے میں آتا ہے۔ نبوت کے مقام کو سمجھنے کے لئے:

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب ‏ ‏ ‏ ‏ کہ آنکھ کا نور دل کا نور نہیں ‏ ‏ ‏ ‏ (اقبال)

''اِس آیت سے مرزا قادیانی کے چیلے یہ استدلال کرتے ہیں کہ ''اگر مرزا سچا نبی نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف غلط باتیں منسوب کرتا تو اِس ارشادِ الٰہی کے مطابق اُس کی رگِ دل کاٹ دی جاتی اور اُسے اُسی وقت ہلاک کر دیا جاتا لیکن چونکہ ایسا نہیں کیا گیا اس لئے ثابت ہوا کہ وہ (معاذ اللہ) سچا نبی تھا۔''

''اگر عقل کے یہ اندھے اس آیت میں ذرا سا غور کرتے تو اُنہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ سزا اُس جھوٹے شخص کے لئے نہیں جس نے نبوّت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہو بلکہ اُس کے لئے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا نبی بنا کر بھیجا ہو' پھر معجزات اور دلائلِ قطعیہ سے اُس کی نبوت کی صداقت کو ثابت کیا ہو۔ اگر ایسا نبی کوئی غلط بات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے گا تو اُسے یہ سزا ملے گی اور اِن دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ مرزا صاحب پہلے شخص تو نہیں جنہوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہو۔ اُن سے پہلے بھی کئی طالع آزما لوگوں نے نبوت کا سوانگ رچایا۔ کیا مرزا صاحب اور اُن کے چیلے بتا سکتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی رگِ جاں کاٹ کر اُنہیں ہلاک کر دیا گیا؟ کیا اُن کے ساتھ ایسا معاملہ نہ ہونا اُن کی نبوّت کی دلیل بن سکتا ہے؟ لوگ تو خدا بننے کا بھی دعویٰ کرتے رہے ہیں اور بڑے ٹھاٹھ سے اُنہوں نے اپنی زندگیاں گزاری ہیں۔ فرعون وغیرہ کی بیسیوں مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔'' (ضیاء القرآن' ج ۵' صفحات ۳۵۴' ۳۵۵)

(65) اَمۡ لَمۡ یَعۡرِفُوۡا رَسُوۡلَهُمۡ فَهُمۡ لَهٗ مُنۡکِرُوۡنَ ○ اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ بِهٖ جِنَّةٌ ''بَلۡ جَآءَهُمۡ بِالۡحَقِّ وَ اَکۡثَرُهُمۡ لِلۡحَقِّ کٰرِهُوۡنَ ○ (المؤمنون: ۶۹' ۷۰)

''کیا اُنہوں نے اپنے رَسول کو نہیں پہچانا سو (اِس لئے) وہ اس کے منکر ہو گئے ہیں' یا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس (رسول ﷺ) کو جنون (لاحق) ہو گیا ہے (ایسا ہرگز نہیں) بلکہ وہ اُن کے پاس حق لے کر تشریف لائے ہیں اور اُن میں سے اکثر لوگ حق کو پسند نہیں کرتے۔'' (۶۹' ۷۰ :۲۳)

ایک جاندار سوال کفار سے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا اُنہوں نے میرے رسول کا اس لئے انکار کیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی امانت و دیانت سے متعارف نہیں ہیں؟ یا اس لئے کہ اُنہیں آپ کے خلوص اور دیانت پر شک ہے۔ یہ بات بڑی عجیب ہے کہ کل تک تو تم اُنہیں ''صادق و امین'' کے معزز القاب سے نوازتے رہے اور آج جب اُنہوں نے حق و صداقت کو تمہارے سامنے پیش کیا ہے' تو اُن کے بارے میں تمہاری رائے یکسر بدل گئی ہے! اور اب وہ تمہارے نزدیک (معاذ اللہ) دیوانے اور عقل سے عاری ہیں! دراصل تمہارے انکار کی وجہ یہی ہے کہ ہمارا پیغمبر ﷺ رشد و ہدایت اور ایسا ضابطہ حیات لایا ہے جو تمہارے دنیاوی' مادّی مفادات اور تمہارے آبائی عقائد

Marfat.com

کے خلاف ہے جسے تم پسند نہیں کرتے۔ لیکن تمہاری اس ناپسند کی کوئی معقول بنیاد نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد تمہاری اس سوچ پر ہے کہ اگر تم نے اُن کی رسالت کو تسلیم کر لیا تو تمہاری سرداری ختم ہو کے رہ جائے گی اور تمہاری مادر پدر آزادی، فحاشی اور رنگ رنگیلی زندگی کی شیطانیت رک جائے گی۔

یہ بات بھی بڑی عجیب اور حیران کن ہے کہ آج ''یورپ کا جاہل طبقہ'' بھی اُس زمانہ کے عرب کفار کے خیالات میں برابر کا شریک ہے۔ ایک طرف تو اُنہیں اس بات کا اعتراف ہے کہ محمد (ﷺ) نے اپنی ذہانت اور بہترین حکمتِ عملی اور منصوبہ بندی کے ذریعے عرب کے باہم متحارب (لڑنے والے) قبیلوں کو ایک اخوت اور ایک دین میں متحد کر دیا اور مشرکوں اور یہودیوں جیسے اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کر لیا جبکہ دوسری طرف وہ یہ کہتے تھکتے نہیں کہ آپ (معاذ اللہ) دیوانے اور مرگی کے مریض تھے۔ آخر ایسی تضاد بیانی کو کیا نام دیا جائے؟

(66) وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَ هُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ O اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ''وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ O وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ O (المؤمنون : ۷۱ تا ۷۳)

''اور اگر حق (تعالیٰ) اُن کی خواہشات کی پیروی کرتا تو (سارے) آسمان اور زمین اور جو (مخلوقات و موجودات) اُن میں ہیں، سب تباہ و برباد ہو جاتے بلکہ ہم اُن کے پاس وہ (قرآن) لائے ہیں جس میں اُن کی عزت و شرف (اور ناموری کا راز) ہے، سو وہ اپنی عزت ہی سے منہ پھیر رہے ہیں۔ کیا آپ اُن سے (تبلیغِ رسالت پر) کچھ اُجرت مانگتے ہیں؟ (ایسا بھی نہیں ہے) آپ کے رب کا تو اجر (ہی بہت) بہتر ہے اور وہ سب سے بہتر روزی رساں ہے۔ اور بے شک آپ تو (اُنہی کے بھلے کے لئے) اُنہیں سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہیں۔'' (۷۱۔۷۳ : ۲۳)

اللہ تبارک و تعالیٰ سراپا حکمت و دانش، سراپا بھلائی اور اپنی مخلوقات کا خیر خواہ ہے۔ کائنات کی تعمیر میں اُس کا منصوبہ بے خطا اور ہر طرح مکمل ہے۔ اگر کائنات کے نظام کو اِن خود غرض، جاہل اور کوتاہ نظر مخلوقات کی خواہشات اور توہمات کے مطابق چلایا جائے تو دنیا ہیبت ناک شکل اختیار کر جائے اور چاروں طرف تباہی و بربادی کا دَور دَورہ ہو اور نتیجہ اس کے سوا کچھ بھی نہ ہو۔

''ذکر'' عموماً نصیحت اور یاد دہانی کے معنیٰ میں لیا جاتا ہے لیکن یہاں ''ذکر'' سے مراد اُن دشمنوں کی عزت و ناموری ہے جنہوں نے امام الانبیاء ﷺ کی رسالت کا انکار کر کے اپنی بدبختی کو خود ہی خرید لیا۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ ہم نے اُنہیں ایسی بے مثال کتاب عطا کی ہے جو اُنہیں اقوام عالم میں عزت و ناموری دینے کے لئے کافی ہے۔ اگر اُن کا اِس کتاب (قرآن) پر ایمان ہو اور وہ اس پر عمل پیرا ہوں تو اُن کی عزت اور شان و

Marfat.com

شوکت چوگنی ہو جائے۔ وہ کتنے ہی کوتاہ نظر، غیر محتاط اور بدقسمت ہیں کہ جب اُن کی شان و شوکت کا آفتاب طلوع ہونے کو ہے تو وہ اپنے مقدر اور خوش بختی کو دھکا دے رہے ہیں اور غصے میں جل بھن کر یہ کہہ رہے ہیں کہ ''آخر یہ کیوں ہو رہا ہے؟''

کیا ہمارا پیغمبر کریم ﷺ اُن سے اپنی تبلیغِ رسالت کی اجرت کا طلب گار ہے؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں بلکہ اُنہوں نے تو دنیاوی دھن دولت کو اپنے پائے حقارت سے ٹھکرا دیا ہے بلکہ یوں کہئے کہ گلشنِ خلیل کا یہ لالہ رنگین قبا شرفِ انسانیت کی جاوداں اور ہر دم جواں عظمتوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ تو پھر یہ دشمنانِ رسول ہمارے پیغمبر کی بے غرض، بے لوث اور نہایت وفادارانہ کوششوں کا اپنے مفاد و بہتری کو برقرار رکھنے کی خاطر کیوں انکار کر رہے ہیں؟ نوعِ انسان کو صراطِ مستقیم کی طرف لانا اور نبی اکرم ﷺ کی بے لوث کوششوں کا جدید ناقدین تک کو بھی اعتراف ہے۔ ولیم میور کہتا ہے:

''محمد (ﷺ) کا اپنے پیروکاروں کے ساتھ برتاؤ جو اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی اُس سے کم نہ تھا، اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ آپ نائب خدا ہیں اور اُس کی مرضی کے ترجمان ہیں۔'' ("The Life of Mahomet" ... Sir William Muir, p. 126)

(67-71) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ O يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ O إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ O إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ O وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ O (الْحُجُرٰت)

''اے ایمان والو! (کسی بھی معاملے میں) اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) سے آگے نہ بڑھا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو (کہ کہیں رسول ﷺ کی بے ادبی نہ ہو جائے)، بے شک اللہ (سب کچھ) سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبیِ مکرم (ﷺ) کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور اُن کے ساتھ بلند آواز سے بات (بھی) نہ کیا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بلند آواز کے ساتھ کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے سارے اعمال ہی (ایمان سمیت) غارت ہو جائیں اور تمہیں (اُن کے برباد ہونے کا) شعور تک بھی نہ ہو۔ بے شک جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں (ادب و نیاز کے باعث) اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے چُن کر خاص کر لیا ہے، ان ہی کے لئے بخشش ہے اور اجرِ عظیم ہے۔ بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، اُن میں سے اکثر (آپ کے بلند مقام و مرتبہ اور

Marfat.com

آدابِ تعظیم کی ) سمجھ نہیں رکھتے ۔ اور اگر وہ لوگ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود ہی اُن کی طرف باہر تشریف لے آتے تو یہ اُن کے لئے بہتر ہوتا' اور اللہ بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے ۔'' (۴۹:۵-۱)

اِن آیاتِ مبارکہ کے شانِ نزول کے ضمن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث امام شعبی نے بیان کی ہے کہ کچھ صحابہ کرام نے یوم الاضحٰی کو رسالتمآب ﷺ کی طرف سے قربانی ہونے سے پہلے قربانی کر لی ۔ اُنہیں حکم ہوا کہ اپنی قربانیاں دوبارہ کرو اور سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث بروایت حضرت مسروق یہ ہے کہ رمضان المبارک کا چاند نظر آنے سے پہلے اور رسالتمآب ﷺ کا روزہ رکھنے سے پہلے کچھ صحابہ کرام نے روزہ رکھ لیا ۔ اس موقع پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی ( حاشیہ تفسیر جلالین از جلال الدین سیوطی )

مقامِ غور ہے کہ صحابہ کرام نے کسی برائی کا ارتکاب نہیں کیا تھا ۔ قربانی ہو یا روزہ' دونوں بہر حال عبادات ہیں اور اپنے خالق و مالک کو راضی کرنے کا ذریعہ ہیں لیکن چونکہ صاحبِ قرآن ﷺ کے عمل سے پہلے اُن کا ارتکاب ہوا لہٰذا ضائع گئے اور ربّ المشرقین والمغربین کو یہ منظور نہ ہوئے کہ ابھی میرے محبوبِ محتشم نے قربانی کی نہیں' تم نے کیسے کر لی ؟ ابھی میرے محبوبِ مکرّم نے روزہ رکھا نہیں' تم نے کیسے رکھ لیا ؟ لہٰذا میرے محبوب کے عمل سے پہلے یہ دونوں نامنظور ۔

انسانی سوچ کو ایک مہمیز سی لگی کہ یہ سبقت تو رسول معظم ﷺ پر سبقت تھی' رب تعالیٰ پر تو نہ تھی کہ رسول نے ابھی قربانی کی نہیں' صحابہ نے پہلے کر لی ۔ رسول نے ابھی روزہ شروع کیا نہیں' اُنہوں نے شروع کر دیا تو اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ پر سبقت کی نہ کہ اللہ پر اور اللہ تو قربانی کرنے اور روزہ رکھنے دونوں سے پاک ہے' لہٰذا یہاں اللہ کے ذکر کی کیا ضرورت تھی ؟ نکتہ یہاں یہی سمجھانا مقصود ہے کہ رسول سے سبقت کرنے والا گویا اللہ سے سبقت کرنے والا ہے ۔ چنانچہ مؤمنوں کو سبق یہ ملا کہ وہ ایسی بے ادبی نہ کر بیٹھیں کہ رسول جس کام کا آغاز نہ فرمائیں' مؤمن از خود اُن سے پہلے کرنے لگیں ۔ رسول ﷺ نے یہ کب فرمایا کہ میرے برابر یا میرے آگے آگے چلو ؟ بلکہ رسول نے تو یہی فرمایا : فَاتَّبِعُوْنِیْ ( میرے پیچھے پیچھے آؤ ) تو پیچھے پیچھے آنے والا پہلے کام نہیں کرتا اور نہ ہی اُن سے آگے آگے چلتا ہے ۔

سورۃ الحُجُرات کی دوسری آیت میں ارشاد ہوا کہ میرے نبی علیہ السلام کی آواز سے اپنی آوازوں کو بلند مت کرو ۔ آواز ایک فطری چیز ہے مگر اس فطری چیز کو بھی قابو میں رکھنے کا حکم ہے کہ نبی کی بارگاہ میں اپنی فطری آواز کو بلند نہ ہونے دینا اور آپ ( علیہ السلام ) کو ایسے گھک کر نہ پکارنا جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو وگرنہ تمہارے اعمال چھن جائیں گے اور تمہیں اس کا احساس تک نہ ہوگا ۔ عقل نے بارگاہِ ایزدی میں عریضہ پیش کیا کہ اے احکم الحاکمین ! قیس بن ثابت تیرے رسول کے صحابی ہیں ۔ وہ ایک عارضے کی وجہ سے اونچا بولنے کے عادی ہیں ۔ تیرا

Marfat.com

اپنا فرمان ہے کہ میں کسی جان کو اُس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔ لہٰذا قیس کی مجبوری پر اُنہیں کسی حد تک چھوٹ عطا فرمائی جائے تو جواب ملا کہ قیس مجبور و معذور ضرور ہیں مگر یہاں میرے رسول کی بارگاہ کے ادب کا سوال آ گیا۔ ایسا نہ ہو کہ میں کوئی قانون نہ دوں تو مستقبل کا انسان اونچی آواز سے بارگاہِ نبوت میں شور مچائے اور کہے کہ صحابیِ رسول حضرت قیس کی یہ سنت ہے' لہٰذا قانون کا دینا ضروری ہو گیا۔

اگرچہ صحابہ کرام کے نزدیک دیدارِ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں تھی مگر جنابِ قیس رضی اللہ عنہ نے حکمِ خداوندی کی سنجیدگی کو بھانپتے ہوئے بارگاہِ نبوی میں آنا چھوڑ دیا۔ سرکار کی فرمائش پر کچھ صحابہ جنابِ قیس کے پاس پہنچے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یاد فرما رہے ہیں۔ عرض کیا کہ آیت میرے لئے اتری ہے' میں تو جہنم کا مستحق ہو گیا۔ سرکار نے جب یہ سنا تو فرمایا: نہیں' وہ جنتی ہیں اور رب نے اُن کی خطاؤں کو معاف فرما دیا ہے۔ علاوہ ازیں ختمی مرتبت رسول علیہ السلام نے اُنہیں شہادت کے مرتبہ جلیلہ کا بھی مژدہ سنایا۔

اعمال کا چھن جانا اور اس کا احساس تک نہ ہونا بہت بڑی سزا اور بہت ہی خطرناک بات ہے۔ فرمایا کہ اے رسول کے بے ادبو! ہم تم سے نمازیں بھی پڑھوائیں گے' روزے بھی رکھوائیں گے' زکوٰۃ بھی دلوائیں گے' حج بھی کرائیں گے اور دیگر اعمالِ خیر بھی کرائیں گے اور تم اپنی دانست میں اپنے کو بڑے ہی اللہ والے' متقی سمجھتے پھرو گے۔ ادھر میں ان اعمال کو مٹاتا چلا جاؤں گا مگر مٹنے کا احساس تک تمہیں نہ ہونے دوں گا۔ یعنی تم سے کام بھی کراؤں گا اور کچھ دوں گا بھی نہیں۔ اس طرح روزِ قیامت تم سے زیادہ کوئی محتاج نہ ہو گا۔

اس آیت کے نزول پر صحابہ کرام بالخصوص صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا تو یہ حال ہو گیا تھا کہ بارگاہِ رسالت کو کئی بار ان سے پوچھنا پڑتا تھا کہ کیا کہتے ہو۔ اس کے باوجود ادب والوں نے اپنے انداز کو نہیں بدلا اور انتہائی مدھم آواز میں بارگاہِ رسالت کے ادب کو ملحوظ رکھا۔ اُن کی شان میں سورہ مذکورہ کی تیسری آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ بارگاہِ رسالت میں اپنی آواز پست رکھتے ہیں یعنی جسے ابھارنے کی طاقت ہے' اُسے دبا رہے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے چن کر خاص کر لیا ہے۔

یہاں یہ نہیں فرمایا کہ نماز پڑھنے والوں یا روزہ رکھنے والوں یا زکوٰۃ و خیرات دینے والوں یا حج کرنے والوں کو تقویٰ کے لئے چن لیا بلکہ فرمایا کہ رسول کی بارگاہ میں ادب کرنے والوں کو تقویٰ کے لئے چن لیا جس میں اشارہ یہی ہے کہ عبادت سے تقویٰ نہیں ملا کرتا بلکہ یہ تو عطائے خداوندی اور فضلِ ربّانی سے ملتا ہے اور اُنہی لوگوں کو ملتا ہے جو رسول کی بارگاہ میں اپنی آواز کو پست رکھتے ہیں۔ بے ادبوں کو وہ تقویٰ نہیں دیتا اور صرف یہی نہیں بلکہ رسول کے اِن نیاز مندوں کے لئے مغفرت بھی ہے اور اجرِ عظیم بھی ہے۔ یہ بارگاہِ رسول ﷺ کا دوسرا ادب ہے۔

Marfat.com

اب آیئے بارگاہِ نبوت کے تیسرے ادب کی طرف۔ قبیلہ بنو تمیم کے کچھ لوگ دوپہر کے وقت بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ سرکار اپنے حجرہ مبارکہ میں آرام فرما رہے تھے۔ ان لوگوں نے باہر ہی سے سرکار کو اُن کا نام لے کر پکارنا شروع کر دیا۔ نام سے پکارنا ربِّ مصطفیٰ کو ناگوار لگا۔ فوراً ادب کا ایک قانون بھیج دیا کہ اے محبوب! جو حجرے کے پیچھے سے آپ کو پکارتے ہیں ان میں سے اکثر ناسمجھ ہیں۔ اے حبیب! اگر وہ آپ کے انتظار میں کھڑے رہتے' آواز نہ دیتے یہاں تک کہ آپ خود ہی باہر تشریف لاتے تو اُن کے لئے یہ بہتر ہوتا۔ پکارنا ادب نہیں بلکہ کھڑے رہنا ادب ہے۔ فہم و ذکا نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ اللہ العالمین! ان نادانوں نے تو تیرے حبیب علیہ السلام کو اُن کا نام لے کر پکارا تھا جسے تیری غیرت نے گوارا نہ کیا اور فوراً ادب کا قانون بھیج دیا۔ اچھا تو اُنہیں اُن پیارے القاب سے پکارنے کی اجازت تو ہے جو تو نے خود اپنی اس مایہ ناز مخلوق کو پکارنے میں استعمال فرمائے ہیں یعنی یا رسول اللہ' یا رحمۃ للعالمین' یا سیّد المرسلین' یا شفیع المذنبین وغیرہ۔ فرمایا کہ ندا کرنا ہی جرم ہے' خود تشریف لائیں گے۔ اسلامی اصول تو یہی ہے کہ تین بار آواز دیں۔ صاحبِ خانہ سے اگر جواب مل گیا تو خیر' ورنہ پلٹ آیئے۔ یہاں پکارنے کی بھی اجازت نہیں تو پھر سرکار کو معلوم کیسے ہوگا کہ باہر کون آیا ہے؟ ارے نادان! پکارا اُسے جاتا ہے جو بے خبر ہو' آواز اُسے دی جاتی ہے جسے اطلاع نہ ہو۔ بھلا جو عرش کی بات بتاتا ہے کیا وہ اپنے دروازے سے بے خبر ہوگا؟ جو لوحِ محفوظ کے نوشتے پڑھ پڑھ کر سنا رہا ہو' کیا اُسے معلوم نہ ہوگا کہ ہمارے در پر کون آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ بے خبر کو پکارنا تو کوئی بات نہیں مگر خبر والے کے یہاں چلانا صریحاً بے ادبی ہے۔

رسالتمآب ﷺ کی بارگاہ میں رئیس صحابہ کرام بھی حاضر ہوتے تھے اور کافی دیر تک دین کے مسائل معلوم کرتے رہتے تھے۔ رب تعالیٰ کو ان قدسی صفات ہستیوں کا یہ انداز پسند نہ آیا اور فرمایا کہ اس بارگاہ کے آداب کا خیال رکھو۔ بعدہ' یہ حکم نازل ہوا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰكُمْ صَدَقَةً (المجادلة: ۱۲)

"اے ایمان والو! جب تم رسول (ﷺ) سے کوئی راز کی بات تنہائی میں عرض کرنا چاہو تو اپنی راز دارانہ بات کہنے سے پہلے کچھ صدقہ و خیرات کر لیا کرو۔" (۱۲ : ۵۸)

جناب علی کرّم اللہ وجہہ' نے رسالتمآب ﷺ سے دس مسائل پوچھے تھے تو دس بار صدقہ کیا تھا۔ اگرچہ اس آیت کا حکمِ وجوبی بعد میں ختم ہو گیا اور استحباب باقی رہا۔ سمجھانا یہی مقصود تھا کہ ایمان والے جب زر خرچ کر کے بارگاہِ نبوت میں آئیں گے تو کچھ اہمیت محسوس کریں گے۔ عقل سوچ میں پڑ گئی کہ رب اپنے ہاں بلاتا ہے تو کہتا ہے کہ وضو کر کے آؤ اور رسول ﷺ کے ہاں آؤ تو صدقہ کر کے آؤ۔

اسی سے ایک اور نکتہ سمجھ میں آیا کہ ہر محب چاہتا ہے کہ اُس کے محبوب کا گھر اُس کے اپنے گھر کے قریب ہو۔ تو یہ کیا بات ہوئی کہ رب تعالیٰ نے اپنے گھر یعنی خانہ کعبہ کو مکّہ مکرّمہ میں رکھا اور محبوب علیہ السلام کو مدینہ پہنچا دیا۔

Marfat.com

بات دراصل یہ ہے کہ اگر رسول ﷺ کا گنبدِ خضراء مکہ میں ہوتا تو اُس کی زیارت مسلمان حج کے طفیل کر لیتے اور رب تعالیٰ کو طفیلی زیارت پسند نہیں ہے بلکہ یہ پسند ہے کہ وہاں کے لئے ساڑھے چار سو کلومیٹر کے فاصلے کے لئے شدِّ رحال کیا جائے، رقم خرچ ہو اور سفر کی صعوبت اٹھائی جائے اور ادب کے ارادے سے جایا جائے۔ جو ارادہ نہ رکھے وہ وہاں پہنچ بھی نہ سکے۔

آخر میں آدابِ دربارِ رسالت کے حوالے سے ایک بات کہنا ضرور چاہوں گا کہ دنیاوی بادشاہوں اور شہنشاہوں نے اپنے درباروں کو خود سجایا، اپنے دربار میں آنے والوں کے لئے قواعد وضوابط خود متعیّن کئے کہ ان آداب کی پابندی ہر آنے والے کے لئے لازمی ہے۔ لیکن اس قانون بنانے والے کے رخصت ہونے کے ساتھ ساتھ اُس کا بنایا ہوا قانون بھی رخصت ہو گیا۔ اس کے بعد دوسرا بادشاہ آیا تو اُس نے ع ''ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت'' کے مصداق اپنے مزاج کے مطابق آداب اور ضابطے مقرر کئے۔ غرض کہ بادشاہ اور شہنشاہ آتے رہے اور جاتے رہے اور اُن کے جانے کے ساتھ اُن کے وضع کردہ ضابطے بھی جاتے رہے۔ لیکن اس فرشِ خاکی پر اور اسی آسمان کے نیچے ایک ایسا پیارا دربار بھی ہے کہ دربار کسی کا ہے اور قانون کوئی اور بنا رہا ہے۔ یہ دربار مصطفیٰ کا ہے اور قانون ہے کبریاء کا۔

آخر کیوں؟ اس کی کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہئے۔ جواب ملا کہ اے پیارے رسول! اپنی بارگاہ کے آداب و ضوابط تو آپ بھی مرتب کر سکتے ہیں لیکن ہم احکم الحاکمین ایسا ہونے نہیں دیں گے۔ اس لئے کہ اے حبیب! آپ اپنے دربار کے آداب وقوانین خود بنائیں گے تو وہ بن جائے گی حدیث اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُس پر قیل وقال ہوگی۔ بعض اُسے ضعیف کا درجہ دیں گے، بعض لوگ راویوں پر جرح وتنقیص کریں گے اور اس طرح آپ کی حدیث سے الجھ کر آپ کے دربار کے آداب سے پہلو تہی کرنا چاہیں گے جو ہمیں گوارا نہیں۔ لہٰذا اے محبوب! آپ خاموش رہیں۔ میں جبریل کو بھیج کر آپ کے دربار کے آداب کو حدیث نہیں رہنے دوں گا، قرآن بنا دوں گا۔

اس میں دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اے محبوب! اپنے دربار میں آنے کے آداب وضوابط اگر آپ نے خود وضع کئے تو انسان ہونے کے ناطے سے آپ کا وضع کردہ قانون صرف انسانوں پر لاگو ہوگا۔ لیکن میں خالق کا بنایا ہوا قانون میری ہر مخلوق پر چلے گا۔ اب آپ کی بارگاہ کا ادب صرف انسانوں ہی کے لئے ضروری نہیں بلکہ جن وانس، شجر وحجر، نباتات، جانوروں، سمندروں اور دریاؤں کے قطروں، آسمان کے ستاروں اور زمین کے ذرّوں سب کے لئے ضروری ہے کیونکہ سب میری مخلوق ہیں۔

اس میں تیسرا باریک نکتہ یہ ہے کہ یہ قانون حی وقیّوم کا قانون ہے۔ جب اُسے زوال نہیں تو اُس کے قانون کو کیسے زوال ہوگا؟ لہٰذا یہ خدائی قانون بھی ابدالآباد رہے گا۔ مصطفیٰ اِس دنیا میں جلوہ گر ہوں تو بھی اور اگر اِس خاکدانِ گیتی سے پردہ پوش ہو جائیں تو بھی۔ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم۔

Marfat.com

**(72)** لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَيۡنَكُمۡ كَدُعَآءِ بَعۡضِكُمۡ بَعۡضًا (اَلنُّور : ۶۳)
''تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے۔'' (۲۴ : ۶۳)

کہ جی چاہا آئے' نہ جی چاہا نہ آئے بلکہ رسول کا بلانا ایک حاکمانہ حیثیت رکھتا ہے جس کی اطاعت واجب ہے اور بلا اجازت چلے آنا حرام ہے۔

سورۃ الحجرات کی مذکورہ بالا آیات ۱ تا ۵ کی طرح ایک اور معنی کی رُو سے یہاں بھی امتِ مسلمہ کو آدابِ نبوی کی تعلیم دی جا رہی ہے کہ میرے پیغمبر کو تم ایسے نہ پکارا کرو جیسا تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو بلکہ اُن کے لئے خصوصی الفاظِ ادب و تعظیم کا اہتمام کیا کرو جیسا کہ سورۃ الفتح میں حکم ہوا :

وَتُعَزِّرُوۡهُ وَتُوَقِّرُوۡهُ (الفتح : ۹)
''اور ان (رسول) کی مدد کرو اور ان کی تعظیم کرو۔'' (۴۸ : ۹)

کوئی شک نہیں کہ امام الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام تمام نسلِ انسانی کے معلمِ اعظم ہیں۔ ایک اور مفہوم کی رُو سے یہاں جس نکتے پر زور دینا مقصود ہے وہ یہ کہ ایک متعلم کو اپنے معلم کے لئے باادب اور فرماں بردار شاگرد بن کر رہنا چاہیئے جسے نہ صرف اپنے قول میں صاف گو اور مخلص و ایماندار ہونا چاہیئے' بلکہ اُسے ہمہ تن گوش ہو کر اپنے معلم کے فرمودات کو سننا چاہیئے تاکہ معلم کو اپنے الفاظ دُہرانے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

**(73)** مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ عَلٰى مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَيۡهِ حَتّٰى يَمِيۡزَ الۡخَبِيۡثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطۡلِعَكُمۡ عَلَى الۡغَيۡبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجۡتَبِىۡ مِنۡ رُّسُلِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنۡ تُؤۡمِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَلَكُمۡ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ O (آلِ عمران : ۱۷۹)
''اللہ مسلمانوں کو ہرگز اِس حال پر نہیں چھوڑے گا جس پر تم (اِس وقت) ہو جب تک وہ ناپاک کو پاک سے جدا نہ کر دے اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ (اے عامۃ الناس!) تمہیں غیب پر مطلع فرما دے لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے (غیب کے علم کے لئے) چن لیتا ہے' سو تم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اگر تم ایمان لے آؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے۔'' (۳ : ۱۷۹)

آیت کے الفاظ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجۡتَبِىۡ مِنۡ رُّسُلِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ (لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے (غیب کے علم کے لئے) مجتبیٰ بنا لیتا ہے یعنی چن لیتا ہے) پر ذرا غور ہو کہ ہمارے نبی علیہ السلام کا ایک صفاتی نام مجتبیٰ بھی تو ہے جس میں اس بات کا صاف اشارہ ہے کہ میں نے علمِ غیب اپنے اس پیغمبر کو دے رکھا ہے جس کا ایک

Marfat.com

نام مجتبیٰ ہے۔

ہر نازک موقع پر منافقین مسلمانوں کے لئے افتراق اور خوف و ہراس پیدا کر کے اور اُن کے سیاسی رازوں کو بے نقاب کر کے رنج والم کا سبب تھے۔ اس لئے الٰہی حکمت و مصلحت مسلمانوں اور منافقوں کے دونوں طبقات کو ایک دوسرے میں گڈ مڈ رہنے کی اجازت نہیں دے سکتی تھی' اِس لئے اُن کا ایک دوسرے سے جدا ہونا لازمی امر تھا۔ اِن دونوں گروہوں کو الگ الگ کرنے کا انتظام اِن طریقوں سے کیا گیا: (۱) اچھے لوگوں کو مسلسل تکالیف اور مصائب کے ذریعے آزمایا گیا اور برے لوگوں کو دنیاوی حظ اندوزیوں میں مستغرق کر کے۔ (۲) اسلام کو فتحیاب کر کے اور کفر کو شکست و ہزیمت دے کر۔ (۳) اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ علم دے کر کہ کون سچا اور سُچا مسلمان ہے اور کون کافر و منافق ہے۔ منافقین نے یہ کہا تھا: ''اگر محمد (ﷺ) اللہ کا سچا رسول ہے تو وہ ہمیں بتائے کہ ہم میں کون مسلمان ہے اور کون نہیں۔'' اس سلسلہ میں امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذیل کی حدیثِ مبارکہ کا حوالہ دیا ہے:

اِنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ: عُرِضَتْ عَلَیَّ اُمَّتِیْ وَاَعْلَمْتُ مَنْ یُّؤْمِنُ بِیْ وَمَنْ یَّکْفُرُ فَقَالَ الْمُنَافِقُوْنَ: اِنَّہٗ یَزْعَمُ اَنَّہٗ یَعْرِفُ مَنْ یُّؤْمِنُ وَمَنْ یَّکْفُرُوْنَ نَحْنُ مَعَہٗ وَلَا یَعْرِفُنَا فَنَزَلَتْ

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اُمت میرے سامنے پیش کی گئی اور میں نے اُس شخص کو بھی پہچان لیا جس کا مجھ پر ایمان تھا اور اُسے بھی جس نے میری رسالت کا انکار کیا۔ اس پر منافقین نے طنزاً کہا: اس شخص کا دعویٰ ہے کہ اُسے مسلمانوں اور کافروں کا علم ہے لیکن اُسے ہماری حقیقت کا علم نہیں' حالانکہ ہم ہمیشہ اُس کی صحبت میں رہتے ہیں۔ اُس موقع پر سورہ آلِ عمران کی آیتِ بالا نازل ہوئی۔'' (بیضاوی)

سورہ آلِ عمران کی آیتِ بالا (۱۷۹) سے دو باتیں معلوم ہوئیں: اوّل تو یہ کہ نبی علیہ السلام کو منافقین کا بخوبی علم تھا اور دوم یہ کہ ضروری نہیں کسی چیز کے علم ہونے کو ظاہر نہ کرنے کا مطلب اُس چیز سے ناواقفیت ہو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو حبیبِ محتشم ﷺ کے وسیع و بیکراں علم پر شادماں ہو کر خوشیاں مناتے تھے جبکہ یہ بات منافقین کے لئے ناقابلِ تسلیم تھی اور الرجی زدہ اور مردم بیزار (Cynic) ہو کر اُنہوں نے ہمیشہ اس حقیقت کو اپنی رسواکن بدذاتی کا نشانہ بنایا۔

تفسیر خازن اور معالم التنزیل نے درج بالا حدیث کو شرح و بسط کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے:

فَبَلَغَ ذٰلِکَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَقَامَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَحَمِدَاللّٰہَ تَعَالٰی وَ اَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ: مَابَالُ اَقْوَامٍ طَعَنُوْافِیْ عِلْمِیْ لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ فِیْمَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ السَّاعَۃِ اِلَّا نَبَّأْتُکُمْ بِہٖ فَقَامَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ حُذَافَۃَ فَقَالَ: مَنْ اَبِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ فَقَالَ: حُذَافَۃُ فَقَامَ عُمَرُ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا وَّبِکَ نَبِیًّا فَاعْفُ عَنَّا عَفَااللّٰہُ عَنْکَ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ؟ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ؟ ثُمَّ نَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ (ضیاء القرآن' ج۱' ص۳۰۰)

''منافقوں کی اس طعنہ زنی کا علم اللہ کے رسول ﷺ کو ہوا تو آپ منبر پر جلوہ افروز ہوئے' اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: اُس قوم کا کیا حال ہوگا جو میرے علم پر اعتراض کرتے ہیں۔ اِس وقت سے لے کر قیامت

Marfat.com

تک ہونے والی کوئی بات مجھ سے پوچھو تو میں یہاں کھڑے کھڑے تمہیں اس کا جواب دوں گا۔ عبداللہ بن حذافہ اٹھے (جن کے نسب پر طعن کیا جاتا تھا) اور کہا: اے اللہ کے رسول! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہارا باپ حذافہ ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے معذرت طلب کی اور معافی کے خواستگار ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے دو مرتبہ فرمایا: کیا میرے علم پر اعتراض کرنے سے باز آؤ گے یا نہیں؟ پھر آپ منبر سے اترے۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔''

''علوم نبوّت : اللہ کے سچے رسول کو اللہ کی ذات' اُس کی صفات' اُس کے احکام اور اُس کی طرف وحی کی گئی کتاب کے مخفی معانی کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ اُسے اپنی اُمت کے ایمان و یقین والوں کا' اُن میں سے منافقین کا اور اُن کی نیکیوں اور بدیوں کا بھی علم ہوتا ہے۔ مرئی اور غیر مرئی (نظر آنے والی اور نظر نہ آنے والی) چیزوں پر اُس کی برابر نظر ہوتی ہے۔ جوہرِ نبوّت پر روشنی ڈالتے ہوئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''انسانی عقل سے ماوراء ایک مرحلہ ہر چیز کو جاننے کا بھی ہے جہاں قوّتِ مشاہدہ کی ایک اور آنکھ کھلتی ہے۔ جس کے ذریعے اللہ کا رسول مستقبل میں ہونے والے واقعات اور اُن حقیقتوں کو دیکھنے کے قابل ہوتا ہے جن کی رسائی عقل وفہم کے ذریعے نہیں ہو پاتی۔'' (اَلْمُنقِذ مِن الضَّلال' صفحہ ۵۴)

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے غیر مرئی (نہ دیکھی جانے والی) کی دو قسمیں بتائی ہیں: غیبِ اضافی اور غیبِ مطلق۔ غیبِ اضافی کچھ کو حاصل ہوتا ہے اور کچھ کو نہیں۔ مثلاً رنگ اور ہیئت نابینا شخص کے لئے غیر مرئی ہیں لیکن دوسروں کے لئے نہیں۔ جنت' جہنم اور جنات لوگوں کے لئے غیر مرئی ہیں لیکن فرشتوں کے لئے نہیں۔ بھوک' پیاس' غصہ اور شہوانی خواہشات فرشتوں کے لئے غیر مرئی ہیں لیکن انسانوں کے لئے نہیں۔ ان سب کا تعلق غیبِ اضافی سے ہے۔

غیب کی دوسری قسم یعنی غیبِ مطلق وہ ہے جسے تمام مخلوقات سے چھپا کر رکھا گیا ہے۔ حکیمِ مطلق اللہ اس غیر مرئی کا علم صرف اپنے رسولوں اور نبیوں کو دیتا ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس وضاحت سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ غیبِ اضافی کا علم ایک عام آدمی اور فرشتوں کو بھی حاصل ہوتا ہے لیکن غیبِ مطلق کی خصوصیت صرف رسولوں کے لئے مختص ہے جو غیبِ اضافی سے کلی طور پر مختلف ہے اور جسے غیرِ نبی سے چھپا کر رکھا گیا ہے۔ سورۃ الجن کی مندرجہ ذیل آیات میں غیبِ مطلق کی قسم کا ذکر ہے:

عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (الجنّ: ۲۶'۲۷)

''وہی غیب کا جاننے والا ہے' سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا بجز اُس رسول کے جسے اُس نے پسند فرما لیا ہو۔'' (۷۲: ۲۶'۲۷)

Marfat.com

اس سے معلوم ہو گیا کہ کوئی انسان خواہ کتنا ہی ذہین وفطین کیوں نہ ہو' اُس کے علم وعرفان کا پایہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو اور اُس کے درجات کتنے ہی اعلیٰ وارفع کیوں نہ ہوں' وہ نہ اپنے حواس سے' نہ قوّت شعور سے' نہ فراست سے' نہ قیاس اور عقل سے غیب کو جان سکتا ہے بجز اس کے کہ خداوندِ عالم جو عالم الغیب ہے' وہ خود کسی کو اس نعمت سے سرفراز فرما دے۔ یہ بھی بتا دیا کہ علمِ غیب کے دروازے ہرایرے غیرے کے لئے کھلے نہیں بلکہ وہ صرف اُن رسولوں کو اس نعمت سے نوازتا ہے جنھیں وہ چن لیتا ہے۔ یہ ہے وہ صاف اور سیدھا مطلب جو اِن آیات سے کسی تکلف کے بغیر سمجھ میں آتا ہے۔

علامہ زمخشری معتزلی ہیں۔ اپنے عقیدہِ اعتزال کے مطابق اس آیت سے اُنہوں نے اولیائے کرام کی کرامات کی نفی کی ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کے لئے علمِ غیب کا انکار اُنہوں نے بھی نہیں کیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے شیطان کو دیے گئے علم کا ذکر سورۃ الاعـــراف کی آیت ۲۷ میں ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہوا کہ اللہ کے رسول کا علم شیطان سے کہیں زیادہ ہو ورنہ شیطان کو فوقیت حاصل ہوگی اور وہ علم میں پیغمبر سے بڑھ جائے گا اور یہ بات دو وجہ سے لایعنی اور غیر معقول ہوگی: (۱) اللہ نے اعلان فرمایا: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ'' (السجادلة: ۲۱) (اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر غالب آکر رہیں گے' بے شک اللہ بڑی قوّت والا' بڑے غلبے والا ہے ۲۱: ۵۸)۔ (۲) اگر شیطان کے علم کو رسولوں کے علم سے برتر اور فائق مانا جائے تو دوسرے لوگوں کے گمراہ کرنے کی طرح اُسے العیاذ باللہ رسولوں کو بھی گمراہ کرنے کی قوت حاصل ہوتی جبکہ اُس نے روزِ ازل کو اللہ کے حضور اس بات کو تسلیم کیا تھا کہ اُس کا بس اُس کے مخلص بندوں پر نہیں چل سکے گا (سورہ صٓ: ۸۲' ۸۳)۔

چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے پکے دشمن شیطان کو تمام عالم کا علم عطا فرمایا ہے' اُس نے شیطان سے کہیں زیادہ اپنے رسولوں کو علم عطا کیا ہے اور یہ بات کتنی ہی تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے کہ کچھ لوگ شیطان کو تمام جہان کا عالم مانتے ہیں لیکن رسول کے پسِ دیوار تک کے علم کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔

اصولی طور پر یہ بات ذہن نشین رہے کہ امام الانبیاء ﷺ کا علم'' (۱) اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم کی طرح قدیم نہیں بلکہ حادث ہے یعنی پہلے نہیں تھا' بعد میں اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے سے حاصل ہوا۔ (۲) اللہ تعالیٰ کے علم کی طرح ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سکھانے سے حاصل ہوا۔ (۳) اللہ تعالیٰ کے علم کی طرح لامحدود نہیں بلکہ محدود اور متناہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط کے ساتھ آپ ﷺ کے علم کی نسبت اتنی بھی نہیں جتنی پانی کے ایک قطرے کو دنیا بھر کے سمندروں سے ہے۔''

''ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ آقائے نامدار ﷺ کا یہ حادث' عطائی اور محدود علم اتنا محدود نہیں جتنا بعض

Marfat.com

حضرات نے سمجھ رکھا ہے۔ اُس کی وسعتوں کو یاد دینے والا جانتا ہے یا لینے والا۔ یا سکھانے والے کو معلوم ہے یا سیکھنے والے کو۔ ہم شما کس گنتی میں ہیں! جبریلِ امین بھی وہاں دَم مارنے کی مجال نہیں رکھتا۔ علم و معرفت کی وہ وسعتیں اور بے کرانیاں جن پر بیان کا ہر جامہ تنگ ہے' اُن کی حد برآری ہم کرنے لگیں تو ٹھوکریں نہیں کھائیں گے تو اور کیا ہوگا۔''

''اُس تلمیذِ رحمٰن نے اپنی زبانِ حق ترجمان سے ہمیں خود جو کچھ بتایا ہے' ہم اُسے حق تسلیم کرتے ہیں اور اُسی پر ہمارا ایمان ہے۔ اُسی کی زبانِ پاک سے نکلا ہوا یہ قولِ طیب ہم نے سنا ہے :

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : رَأَیْتُ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ فِیْ أَحْسَنِ صُوْرَةٍ قَالَ : فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰی قُلْتُ: أَنْتَ أَعْلَمُ قَالَ: فَوَضَعَ کَفَّه' بَیْنَ کَتِفِیَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَه' بَیْنَ ثَدْیَیَّ فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (ضیاء القرآن' جلد سوم' صفحہ ۴۵۸)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آج میں نے اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی بڑی حسین اور پیاری صورت میں زیارت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی ہتھیلی میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھی جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی تو میں نے آسمانوں اور زمین کی چیزوں کو جان لیا۔''

اس حدیثِ پاک کی شرح کرتے ہوئے شیخ عبد الحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ کی شرح اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں کہ اس ارشادِ نبوی کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو تمام علوم جزوی اور کلّی حاصل ہو گئے اور آپ نے اُن کا احاطہ کرلیا ہے۔

علامہ علی القاری علیہ الرحمۃ نے بھی اپنی کتاب ''المرقاۃ شرح المشکوٰۃ'' میں اسی سے ملتی جلتی بات لکھی ہے۔

(74) عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ أَحَدًا o اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن:۲۶'۲۷)

''وہی علمِ غیب کا جاننے والا ہے' سو وہ غیب پر کسی کو بھی مطلع نہیں کرتا سوائے اُس رسول کے جسے اُس نے پسند فرما لیا ہو۔'' (۷۲: ۲۶ '۲۷)

آیت کے الفاظ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ أَحَدًا o اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (سو وہ غیب پر کسی کو بھی مطلع نہیں کرتا سوائے اُس رسول کے جسے اُس نے مرتضٰی بنالیا ہو) پر ذرا توجہ اور غور ہو کہ ہمارے نبی مکرّم کا ایک صفاتی نام مرتضٰی بھی تو ہے۔ جس میں اس بات کا صاف اشارہ ہے کہ میں نے علمِ غیب اپنے اس پیغمبر کو دے رکھا ہے جس کا ایک نام مرتضٰی ہے۔

''یہ پسند کیا گیا رسول'' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ بابرکات ہے جو ایک طرف تو اپنے خالق و

Marfat.com

مالک سے علم اور دیگر نوازشات و عطیات وصول کرتا ہے تو دوسری طرف اُنہیں اُس کی مخلوقات میں تقسیم فرماتا ہے جیسا کہ آپ کا فرمودہ بھی ہے : اَللّٰہُ مُعۡطِیۡ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِم" یعنی عطا کرنے والا تو اللہ پاک ہے' میں تو (اُس کی جانب سے) تقسیم کرنے والا ہوں ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خداداد علوم کی بے کرانیوں کا کچھ اندازہ اُن احادیثِ صحیحہ سے ہوتا ہے جن سے کتب احادیث بھری پڑی ہیں۔

(75) اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ نُھُوۡا عَنِ النَّجۡوٰی ثُمَّ یَعُوۡدُوۡنَ لِمَا نُھُوۡا عَنۡهُ وَ یَتَنٰجَوۡنَ بِالۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ وَ مَعۡصِیَتِ الرَّسُوۡلِ وَاِذَا جَآءُوۡكَ حَیَّوۡكَ بِمَا لَمۡ یُحَیِّكَ بِهِ اللّٰهُ وَیَقُوۡلُوۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ لَوۡلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوۡلُ حَسۡبُهُمۡ جَهَنَّمُ یَصۡلَوۡنَهَا فَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ۝

(المجادلہ : ۸)

"کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں سرگوشیوں سے منع کیا گیا تھا پھر وہ لوگ وہی کام کرنے لگے جس سے روکے گئے تھے اور وہ گناہ اور سرکشی اور نافرمانیِ رسول (ﷺ) سے متعلق سرگوشیاں کرتے ہیں اور جب وہ (منافقین) آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو ایسے لفظ سے سلام کرتے ہیں جس سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں کیا اور اپنے دل ہی دل میں کہتے ہیں کہ اللہ ہمیں ہمارے اس کہنے پر (فوراً) سزا کیوں نہیں دے دیتا؟ اُن کے لئے جہنم کافی ہے کہ اُس میں وہ داخل ہوں گے' سو وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔" (۵۸ : ۸)

منافقین کی خفیہ مجلسوں جن میں مسلمانوں کے خلاف ہر وقت سازشوں کے منصوبے بنتے رہتے تھے اور جن میں نبی علیہ السلام سمیت مداخلت کرنے والا کوئی نہ تھا' اُن کے متعلق آخر کس نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو باخبر کیا۔ ظاہر ہے کہ علم الغیب والشہادۃ اور قرآن کے نازل کرنے والے اُس اللہ نے اُن کے ناپاک عزائم کو بے نقاب کیا جو سات سمندروں کی اتھاہ گہرائیوں میں بھی موجود ہے۔ اس طرح آیت بارِ دگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منصب رسالت کی توثیق و تصدیق اور آپ ﷺ کی رفعتِ جلیلہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

یہود اور منافقینِ مدینہ کی بد نفسی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جب مجلسِ نبوی میں آتے اور عام ملکی تہذیب کے لحاظ سے شرماشری سلام کرنا ہی پڑتا تو اس میں بھی ایک پہلو اپنے خبث اور بے تمیزی کا ڈھونڈھ لیتے یعنی زبان سے بجائے اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ کے اَلسَّامُ عَلَیۡکُمۡ تلفظ کرتے جس کے معنی ہیں کہ تم پر موت آئے۔

یُحَیِّكَ بِهِ اللّٰهُ میں جو لطافت اور رسول مکرم ﷺ کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ کو جو التفاتِ واقعی ہے اُس کا مزا ہما شما کیا جانیں! سچ کہا کسی نے

آنکھ والا تیرے جلوے کا تماشا دیکھے　　دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے!

الفاظ کو توڑنے موڑنے' کج روذہنیت' بغض و عناد اور پیغمبرِ حق ﷺ کے ساتھ گستاخانہ رویہ میں

Marfat.com

اُن کی پیدائشی فطرت کو سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۰۴ میں بھی بے نقاب کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ پیغمبر علیہ السلام کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرنے کے لئے ان منافقوں کے نقشِ قدم پر نہ چلیں ۔

(75) یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰکُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَاَطْھَرُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ O (المجادلة : ۱۲)

" اے ایمان والو! جب تم رسول (ﷺ) سے کوئی راز کی بات تنہائی میں عرض کرنا چاہو تو اپنی راز دارانہ بات کہنے سے پہلے کچھ صدقہ وخیرات کرلیا کرو ۔ یہ (عمل) تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ تر ہے، پھر اگر (خیرات کے لئے) کچھ نہ پاؤ تو بے شک اللہ بخشنے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے۔" (۱۲ : ۵۸)

یہ حکم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حد درجہ خلوص اور نبی علیہ السلام کی تعظیم وتکریم کے مدِّ نظر کیا گیا تا کہ اُن کا صدقہ وخیرات کرنا اُن کے گناہوں کا کفارہ بن جائے ۔لیکن صدقہ وخیرات کا یہ حکم خوشحال صحابہ کے لئے تھا کہ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے پہلے اپنے غریب ومحتاج مسلمان بھائیوں کے لئے کچھ نہ کچھ خیرات کر دیا کریں ۔لیکن یہ مخصوص صدقہ وخیرات واجب نہیں تھا کہ کہیں کچھ لوگ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیماتِ عالیہ کے سننے سے محروم نہ رہ جائیں ۔ یہ حکم آپ کی رسالت کے ابتدائی دَور میں تھا اور بہت ہی تھوڑے عرصہ کے لئے رہا ۔ بعد میں اُسے کلیتاً منسوخ کر دیا گیا ۔آیت مذکورہ کا آخری حصّہ اور اس سے بعد کی آیت (۱۳) اس تنسیخ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں ۔

جناب علی کرّم اللہ وجہہ' نے رسالتمآب ﷺ سے دس مسائل پوچھے تھے تو دس بار صدقہ کیا تھا ۔ اگر چہ اس آیت کا حکمِ وجوبی بعد میں ختم ہو گیا اور استحباب باقی رہا ۔سمجھانا یہی مقصود تھا کہ ایمان والے جب زرخرچ کر کے بارگاہِ نبوّت میں آئیں گے تو کچھ اہمیت محسوس کریں گے ۔عقل سوچ میں پڑ گئی کہ رب اپنے ہاں بلاتا ہے تو کہتا ہے کہ وضو کر کے آؤ اور رسول ﷺ کے ہاں آؤ تو صدقہ کر کے آؤ ۔ (ضیاء القرآن' جلد پنجم' صفحہ ۱۴۸)

<u>نبی اکرم ﷺ کے ادب وتعظیم میں کیا چیز شامل ہے؟</u> ادبِ رسول ﷺ میں حسبِ ذیل شامل ہیں :

(۱) ہر شعبہ حیات میں آپ کی مکمل پیروی اور اتباع کا دوسرا نام آدابِ نبوی کا ملحوظ رکھنا ہے ۔

(۲) آپ کی محبت اور تعظیم وتوقیر کرنے میں کوئی آپ کا مقابل نہیں چاہے وہ والدین اور قرابتدار ہی کیوں نہ ہوں ۔اسی سلسلہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ فرمایا تھا :

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

" تم میں سے کوئی بھی کامل ایمان والا اُس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک میں اُس کے نزدیک اُس کے والدین' اُس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں ۔"

Marfat.com

(۳) مسلمان کے لئے یہ بات شایانِ شان ہے کہ وہ اپنے پیغمبر ﷺ کے دشمن کو اپنا دشمن اور اُن کے دوست اور پیاروں کو اپنا دوست اور محبوب سمجھے۔ اسی طرح پیغمبر علیہ السلام کے نزدیک پسندیدہ کاموں کو پسندیدہ اور اُن کے نزدیک مکروہ اور ناپسندیدہ کاموں سے نفرت کرے۔ پیغمبر علیہ السلام کی ناراضی کی موجب چیزوں پر غصے اور بیزاری کا اظہار بھی آدابِ نبوی کو ملحوظ رکھنے کی ایک صورت ہے۔

(۴) پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکرِ خیر پر اُن کی عظمت و رفعت کو مدِّ نظر رکھنا' اُن پر درود و سلام کے گلہائے عقیدت نچھاور کرنا' آپ کی عادات و شیم اور بے مثال خصوصیات کو عظیم تر سمجھنا بھی آدابِ نبوی میں شامل ہے۔

(۵) پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے اس دنیا اور آخرت سے متعلق تمام معلومات کی توثیق کرنا۔

(۶) آپ ﷺ کی سنتِ مبارکہ کا اِحیاء (زندہ کرنا)' شریعت کے احکام اور فیصلوں کو مشتہر کرنا' آپ کے پیغام کی تشہیر اور آپ کی وصیتوں کو نافذ کرنا بھی آدابِ نبوی کو ملحوظ رکھنا ہے۔

(۷) مسجد نبوی میں مواجہہ شریف کے سامنے کھڑے ہونے کی صورت میں آپ ﷺ پر مدھم آواز میں درود و سلام بھیجنا بھی آدابِ نبوی کا حصّہ ہے۔

(۸) نیک لوگوں سے محبت کرنا' اُنہیں دوست بنانا اور حبِّ رسول کی بنیاد پر اور سنتِ رسول کی اتباع میں لُچے لفنگوں سے نفرت کرنا اور اُن کے خلاف دل میں کینہ اور بغض رکھنا بھی آدابِ رسالت کو ملحوظِ خاطر رکھنا ہے۔ (''منہاج المسلم''۔۔۔ابوبکر الجزائری (اردو ترجمہ) صفحہ ۱۵۱)

(77) اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلَيۡهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا السُّفۡلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الۡعُلۡيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ○ (التوبة: ۴۰)

''اگر تم اُن کی (یعنی رسول اللہ ﷺ کی) مدد نہ کرو گے (تو کیا ہوا)' سو بیشک اللہ نے اُنہیں (اُس وقت بھی) نوازا تھا جب کافروں نے اُنہیں (وطنِ مکہ سے) نکال دیا تھا درآنحالیکہ وہ دو (ہجرت کرنے والوں) میں سے دوسرے تھے جبکہ دونوں غارِ (ثور) میں تھے جب وہ اپنے ساتھی (ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ) سے فرما رہے تھے: غمزدہ نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پس اللہ نے اُن پر تسکین نازل فرما دی اور اُنہیں (فرشتوں کے) ایسے لشکروں کے ذریعے قوّت بخشی جنہیں تم نہ دیکھ سکے اور اُس نے کافروں کی بات کو پست و فروتر کر دیا اور اللہ کا فرمان تو (ہمیشہ) بلند و بالا ہی ہے اور اللہ غالب' حکمت والا ہے۔'' (۹ : ۴۰)

اپنے وطن مالوف شہرِ مکہ سے نکالے جانے کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدینہ کو ہجرت لائقِ ذکر واقعہ ہے۔ آپ کے دشمنوں نے آپ کی حیاتِ طیبہ کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس سے پہلے آپ نے اپنے پیروکاروں کو مدینہ بھیج دیا تھا۔ حضرت علی کرّم اللہ وجھہ' نے کاشانۂ نبوی میں آپ کے دشمنوں سے نمٹنے کے لئے اپنے آپ کو

Marfat.com

رضا کارانہ طور پر پیش کیا تھا۔ رسالتمآب ﷺ کے اکیلے ساتھی جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ اِن دونوں بابرکات ہستیوں نے مکّہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلے پر ثور نامی غار میں اپنے آپ کو چھپا لیا جہاں وہ تین دن اور تین رات رہے جبکہ دشمن کی کثیر تعداد اُن کی بے ثمر تلاش میں مارے مارے پھرتی رہی۔ جنابِ صدیق بولے کہ ہم دو ہیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: نہیں، اللہ بھی تو ہمارے ساتھ ہے۔ ایمان و یقین نے اُن کے ذہنوں کو تسلی و تشفی دی اور وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہے۔ بالآخر وہ بہ فضلِ خدا مدینہ پہنچ گئے جس سے اسلام کا ایک نیا باب وا ہوا۔ اُن کی مدد کرنے والی قوّتیں دکھائی نہیں دیتی تھیں لیکن اُن کی قوّت و توانائی ناقابلِ دفاع تھی۔

اس مختصر سی جماعت میں ایک نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی تھی اور آپ کے اکیلے ساتھی جنابِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا اور کوئی نہ تھا جو آپ ﷺ کی وفات کے بعد اسلام کے پہلے خلیفہ بنے۔ ثَانِیَ اثْنَیْن (دو میں سے دوسرا) جناب صدیق اکبر کا انتہائی معزز لقب بن گیا۔

''آپ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کی حیات کو نقطۂ عروج مل گیا جب محمد (ﷺ) نے مکہ سے نکلنے پر آپ کو اپنا ساتھی بنانا منتخب کیا اور آپ کی خود کو قربان کر دینے کی دوستی کا صلہ یہ ملا کہ قرآن میں آپ کو ثَانِیَ اثْنَیْن کا لقب عطا کر کے آپ کو زندہ جاوید بنا دیا گیا۔'' (Houtsma and Wensink's Encyclopaedia of Islam, Vol. 1, p. 80)

مکّہ مکرمہ کے جنوب مشرق میں یہ غار ''ثور'' نامی پہاڑ پر ہے جہاں اِن دو مقدّس ہستیوں نے دشمن کی سرتوڑ تلاش سے بچتے ہوئے تین دن پناہ لی تھی۔ دشمن بھاگے ہوئے کو ڈھونڈ نکالنے میں ماہر تھا اور وہ ہر قیمت پر اِن دونوں کو اپنے قبضہ میں لینے کے لئے آمادہ تھا لیکن ان دونوں ہستیوں کا ان ماہر دشمنوں سے بچ نکلنا رب تعالیٰ کی مدد اور معجزہ تھا۔

''یہ غار بالکل تنہا اور دور دراز ہونے کی وجہ سے اِن دونوں (دشمن سے) فرار ہستیوں کے لئے حفاظت کی جگہ نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ دشمن کی تلاش مستعد اور فعال تھی۔ ایک مرتبہ تو متلاشی غار کے دہانے تک پہنچ چکے تھے اور پیغمبر (ﷺ) اور اُنؓ کے ساتھی نے اُن کی آوازوں کو سُن بھی لیا تھا۔'' ... ("The Saracens" Gilman, p. 121)

''اونٹوں پر مسلّح سوار پہاڑ پر آپ کی تلاش میں تھے۔ اُنہیں ایک چرواہا ملا تو اُنہوں نے ان مفرورین کے بارے میں اُس سے پوچھا۔ غار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اُس نے جواب دیا: ''شاید وہ اُدھر چھپے ہیں کہ وہ چھپنے کی مناسب جگہ ہے۔'' ابوبکر خوفزدہ ہو گئے اور کہا: ''اتنی بڑی تعداد کے خلاف ہم کر بھی کیا سکتے ہیں؟'' لیکن محمد (ﷺ) نے بڑے سکون سے جواب دیا: ''غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' ایک

Marfat.com

مکڑی نے غار کے دہانے پر اپنا بہت پیچیدہ جال بُن رکھا تھا اور ایک سفید فاختہ غار کے داخلے کی جگہ پر غُو غُو کر رہی تھی۔ دنیا کے اُس چھوٹے سے کونے میں سناٹا چھایا ہوا تھا اور تعاقب کرنے والوں نے فاختہ اور مکڑی کے جالے کو دیکھتے ہوئے غار کے اندر جانے کی تکلیف نہ کی۔ جونہی اُن کے قدموں کی چاپ ختم ہوئی تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔'' "Pilgrimage to Mecca"
.. Lady Cobbold, pp. 67-68)

آیت سے ماخوذ نکات: (۱) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کسی مخلوق کا محتاج نہیں بلکہ وہ سب اُس کے محتاج ہیں۔ اگر لوگ پیغمبر ﷺ کی تبلیغِ دین میں مدد کریں تو اس میں اُن کا اپنا مفاد اور بھلائی ہے وگرنہ آپ کا خالق آپ کے لئے کافی ہے (بحوالہ سورۃ الانفال: آیت ۶۴؛ سورۃ الزُّمر: آیت ۳۶) اور جیسا کہ دنیا نے آپ کی ہجرتِ مدینہ کے واقعہ میں دیکھ لیا۔ (۲) آیت میں دشمنانِ رسول کے لئے یہ کھلا چیلنج ہے کہ آپ کا لایا ہوا مشن بالآخر فتحیاب ہوگا اور دشمنوں کو منہ کی کھانی پڑے گی۔ (۳) سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے کیونکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آپ کے لئے یہ مژدہِ جاں فزا ہے کہ ''اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

(78) یٰسٓ O وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ O إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ O عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ O (یٰسٓ: ۱-۴)
''یاسین (حقیقی معنیٰ اور اُس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں) حکمت سے معمور قرآن کی قسم، بیشک آپ ضرور بالضرور رسولوں میں سے ہیں، سیدھی راہ پر قائم ہیں۔'' (۱-۴ : ۳۶)

یٰسٓ بالعموم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صوفیانہ لقب کہا جاتا ہے۔ نبی محتشم ﷺ کی بہترین اسناد اور تعارفی خطوط (۱) وحیِ الٰہی یعنی قرآن مجید (۲) آپ کی دلیرانہ، بےلوث و بےغرض زندگی ہے جو آپ نے ہمیشہ صراطِ مستقیم پر گزاری۔ اس لئے اُنہیں اللہ کا نبی مان لینے کی الٰہی ترغیب کو اِنہی دو حقائق کی بنیاد پر بنایا گیا۔

قرآن کی قسم کھانا اور دو تاکیدی الفاظ اِنَّ اور اس کے ساتھ لِ (اگرچہ اُن کی ضرورت نہ تھی کیونکہ کلامِ الٰہی سے بڑھ کر کس کا کلام سچا ہو سکتا ہے) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منصبِ رسالت کی توثیق وتصدیق کے لئے ہیں اور یہ بات کفارِ مکّہ کے اس اعتراض کے جواب میں ہے کہ (معاذ اللہ) آپ (ﷺ) خود اپنی طرف سے گھڑ کر اس کلام کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ نیز آیت میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تسکین وراحت کا سامان یہ کہہ کر کیا گیا ہے کہ اے پیارے نبی! اس قرآن کی قسم کھاتے ہوئے آپ کا رب آپ کی رسالت کا گواہ ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی بدنصیب آپ کی رسالت کا منکر ہو تو آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

یہاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سیدھی راہ پر گامزن بتایا گیا ہے جبکہ قرآن کا اتارنے والا رب بھی صراطِ

Marfat.com

مستقیم پر ہے (بحوالہ سورہ ھــود : آیت ۵۶)۔ جب قرآن کا بھیجنے والا اور اُس کا وصول کرنے والا دونوں صراطِ مستقیم پر ہیں تو اسلام کے مشن کی صداقت میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے؟

یہاں ایک انتہائی اہم نکتے کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ ایک حدیثِ مبارکہ کے مطابق سورہ یٰسٓ قرآن مجید کا دل ہے۔ دل خون کا امین اور خزینہ ہوتا ہے جو جسم کے مختلف اعضاء میں اُن کی ضرورت کے مطابق خون تقسیم کرتا ہے اور حدیث: ''دینے والا تو اللہ ہے' میں تو تقسیم کرنے والا ہوں۔'' کا ساف مطلب یہی ہے کہ کائنات میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیثیت دل کی سی ہے جبکہ سورہ یٰسٓ قرآن مجید کا دل ہے تو پھر اس سورۃ کا کتنا لطیف اور پیارا آغاز ہے کہ قرآن کے دل کو ساری کائنات کے دل (محمد ﷺ) کے ذکر سے شروع کیا جارہا ہے!

''اب ہمیں معلوم ہوا کہ مسلمان کے وقتِ آخر میں اس سورہ کو کیوں پڑھ کر اُسے سنایا جاتا ہے۔ اس دارِ فانی سے دارِ بقا کو جانے والے کے سامنے کئی حقیقتیں اور صداقتیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔ جب ہم اُسے اس سورۃ کی عظیم جمالیاتی نظم و تناسب اور خوش آہنگی کے ساتھ روزِ قیامت کا جاں فزا مژدہ سنائیں تو وہ اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ کے ساتھ دوسری دنیا میں داخل ہوگا اور اُس کے آخری سانسوں میں یہ بات کتنی حسین و جمیل اور راحت بخش ہے! یہ اُس مرنے والے شخص کو سبز درخت سے نکلنے والی اُس حیات بخش آکسیجن (بحوالہ سورہ یٰسٓ: آیت ۸۰) کی یاددہانی کرانا اور اُس کا دوسری دنیا کو پُرمسرت طور پر جانا صرف اُسی کا حصّہ ہے جو ایمان ہی سے حاصل ہوتا ہے۔'' ("The Holy Qur'an and the Facts of Science"... Dr. Haluk Nurbaki, p. 136)

(79) وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ O (اَلشُّعراء : ۲۱۵)
''اور آپ اپنا بازوئے (رحمت و شفقت) اُن مؤمنوں کے لئے بچھا دیجئے جنہوں نے آپ کی پیروی اختیار کر لی ہے۔'' (۲۱۵ : ۲۶)

یہ استعارہ اُس پرندے سے ہے جو اپنے پروں کو مشفقانہ اشتیاق کے ساتھ اپنے بچوں کے لئے بچھاتا ہے۔ پَر بچھانے کا ذکر سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۲۴ میں بھی بوڑھے والدین کی خدمت کرنے کے ضمن میں آیا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جنہیں ''امام الانبیاء'' جیسے انتہائی معظّم و مشرّف لقب کا سہرا پہنایا گیا' کو حکم دیا جارہا ہے کہ وہ مؤمنوں کے ساتھ اسی طرح مہربان و شفیق اور بُردبار رہیں جس طرح اونچی پرواز والا پرندہ اپنے بچوں کے لئے ہوتا ہے جب وہ اُن کے لئے نیچے آکر اپنے پروں کو بچھا دیتا ہے۔ پَر بچھانے کا ذکر سورۃُ الحِجر کی آیت ۸۸ میں بھی آیا ہے۔

مقام و مرتبہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے پیروکاروں میں بُعد المشرقین سے بھی کہیں زیادہ کا فرق ہے۔ لیکن یہاں مخدوم کو حکم دیا جارہا ہے کہ وہ اپنے خادموں کے ساتھ متواضع اور شفیق بن کر رہیں جو اعلیٰ اخلاقی

Marfat.com

اقدار کا ایسا سبق ہے جو کسی دوسرے مذہب میں نہیں پایا جاتا۔

لفظ وَاخْفِضْ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خداداد عالی اور رفیع مرتبہ کی طرف صاف اشارہ ہے کہ ''پیارے حبیب! اہلِ ایمان کے لئے اپنے پروں کو نیچا کر لیجئے۔ وہ پر جن کے لئے عرش کی بلندیاں بھی سمٹ آتی ہیں اور لامکان کی رفعتیں بھی سرنگوں ہو جاتی ہیں۔ ان پروں کو نیچا کیجئے تاکہ آپ کے غلام بھی آپ سے زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہو سکیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر حضور علیہ السلام مقامِ محبوبیت کی رفعتوں ہی میں محوِ پرواز رہتے تو خاک نشین اس دامنِ رحمت کا سہارا کیسے لے سکتے اور وہ اس چشمہِ فیض سے اپنی تشنہ لبی کا درماں کیونکر کر سکتے۔ فرمایا اپنے پروں کو نیچے کیجئے تاکہ تمہاری ردائے رحمۃ للعالمینی کا سایہ اُن کے سروں پر بھی پڑے۔ راعی اپنے ریوڑ کی کمزور اور لاغر بکریوں کو پیچھے چھوڑ کر چلا نہیں جاتا۔ تیز رفتار قائد کو اپنے ضعیف اور سست رَو ساتھیوں کا لحاظ رکھنا ہی پڑتا ہے۔ آیت کے اِس حصے میں جو مٹھاس اور معنویت ہے' اُسے اہلِ دل ہی سمجھ سکتے ہیں۔'' (ضیاء القرآن' جلد دوم' صفحہ ۵۵۰)

(80) اَلَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ O وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ O (اَلشُّعراء : ۲۱۸' ۲۱۹)

''(وہ) جو آپ کو (رات کی تنہائیوں میں بھی) دیکھتا ہے جب آپ (نماز تہجد کے لئے) قیام کرتے ہیں اور سجدہ گزاروں میں (بھی) آپ کا پلٹنا دیکھتا (رہتا) ہے۔'' (۲۱۸'۲۱۹: ۲۶)

اس آیت کے مختلف معانی بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً (۱) نماز کے دوران نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام حرکات وسکنات: قیام سے رکوع تک' رکوع سے قومہ تک' قومہ سے سجدہ تک اور پھر سجدہ سے قیام تک اللہ تبارک وتعالیٰ کی نظر میں ہیں اور اُس سے کچھ بھی مخفی نہیں ہے۔ (۲) آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ نماز پڑھائی۔ کچھ صحابہ نے آپ سے پہلے رکوع اور سجدہ کر لیا۔ نماز کے بعد آپ نے اُنہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور تنبیہ کی کہ یہ نہ سمجھو کہ جب میں قبلہ رُو کھڑا ہوتا ہوں تو میں تمہاری حرکات وسکنات سے بے خبر ہوتا ہوں:

فَوَاللّٰهِ مَا یَخْفٰی عَلَیَّ خُشُوْعُكُمْ وَلَا رُكُوْعُكُمْ اِنِّیْ لَاَرَاكُمْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِیْ (بخاری)

''بخدا! مجھ پر نہ تمہارا (قلبی) خشوع وخشوع چھپا ہوتا ہے اور نہ تمہارا رکوع۔ میں تمہیں اپنی پُشت کے پیچھے بھی دیکھ رہا ہوتا ہوں۔'' (صحیح بخاری)

حدیثِ مذکورہ میں اشارہ اس حقیقت کی طرف ہے کہ پیارے رسول! جب آپ کے صحابہ کی داخلی اور خارجی کیفیات آپ کی نظروں کے سامنے ہیں تو آپ کے خالق کی بھی نظر آپ کے تمام اعمال وافعال پر ہوتی ہے۔ غرض کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی نماز میں اپنے لئے بھی اور اپنے صحابہ کے لئے بھی حد درجہ پُرخلوص' گرم جوش اور سرگرم ہوا کرتے تھے۔ آپ کی طہارت اور راست روی اللہ تبارک وتعالیٰ کو بخوبی معلوم تھے۔

(81) وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ O (اَلْحِجر : ۸۹)

Marfat.com

''اور فرما دیجئے کہ بے شک (اب) میں ہی (عذابِ الٰہی کا) واضح ڈر سنانے والا ہوں۔'' (۱۵:۸۹)

اس آیت میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ دشمنانِ اسلام کو اپنے تبلیغ کا فریضہ انجام دیں۔ اگرچہ اُن کا ہدایت پر آنا' نہ آنا صرف اللہ پر موقوف ہے اور اُن کی کج روی اور گمراہی کا ذمہ دار پیغمبر علیہ السلام کو نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ پیارے! آپ نے جب فریضہ تبلیغ ادا کر دیا اور اُنہوں نے اِسے نہیں مانا تو اُنہیں اُن کی گمراہی میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے چھوڑ دیجئے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت و حاکمیت میں بناوٹ سے کام نہیں لیا جاتا تھا اور برائی اور بدی سے کوئی مصالحت نہیں ہوتی تھی۔ بدی کی غیر مبہم طور پر بیخ کنی کر دی گئی تھی اور لفظ ''مبیـــن'' کا مطلب واضح ہونے اور ابہام سے دُور ہونے کا ہے۔

(82) فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ O عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ O فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ O (اَلْحِجر: ۹۲ تا ۹۴)

''سو آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور بالضرور پُرسش کریں گے اُن اعمال سے متعلق جو وہ کرتے رہے تھے۔ پس آپ وہ (باتیں) اعلانیہ کہہ ڈالیں جن کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور آپ مشرکوں سے منہ پھیر لیجئے۔'' (۹۲ تا ۹۴ : ۱۵)

اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رنج و اَلم اور اعصاب شکن زندگی سے نجات دینے کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو تسلی دے رہا ہے اور وہ بھی اپنی قسم کھا کر کہ پیارے! میں ربِّ محمد ہونے کے ناطے سے تیرے دشمنوں سے یقینی طور پر پُرسش کر کے رہوں گا کہ وہ تیرے خلاف کیا کیا سازشیں کرتے رہے ہیں۔ یہ پُرسش سوال کے طور پر نہیں بلکہ اُن پر ہونے والی سزا کی خبر کے طور پر ہوگی۔ اُن سب لوگوں کی ضرور جواب طلبی ہوگی جو میرے کلام کا کسی بھی صورت میں مذاق اُڑاتے ہیں کیونکہ پیارے! وہ اور تجھے دکھ دینے والے ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔

آیت مذکورہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تسلی و تشفی تین طرح سے کی جا رہی ہے: (۱) اپنی ذات (یعنی ربِّ محمد) کی قسم کھا کر (۲) فعل سے (لَنَسْـَٔلَنَّ) پہلے لامِ تاکیدی لا کر اور (۳) اور اُسی فعل کے ساتھ نونِ ثقیلہ (نّ) لا کر جس سے معانی میں زبردست زور پیدا ہو گیا ہے۔

اِصْدَعْ کا معنیٰ کسی چیز کو بالوضاحت بیان کرنا' جیسا کہ امام راغب اصفہانی نے ''مفردات'' میں بیان کیا ہے۔

(83) اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ O الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ O (اَلْحِجر: ۹۵'۹۶)

Marfat.com

''بے شک مذاق کرنے والوں (کو انجام تک پہنچانے) کے لئے ہم آپ کو کافی ہیں۔ جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بناتے ہیں، سو وہ عنقریب (اپنا انجام) جان لیں گے۔'' (۹۵، ۹۶ : ۱۵)

امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کو ایک بار پھر یہ کہہ کر تسلی و تشفی دی جا رہی ہے کہ پیارے! اگر ساری دنیا بھی تیرے خلاف غم و غصہ سے بھر جائے اور تیرا مذاق اُڑائیں تو کیا ہم قادرِ مطلق ہوتے ہوئے تیری حفاظت کے لئے کافی نہیں؟ ہماری قوت اور قدرت اُن سب پر بھاری ہے۔ پیارے! فکر کی ضرورت نہیں کیونکہ تیرا یہ مذاق اُڑانے والے ایک دو روز کی مخلوق ہیں۔ جلد ہی وہ اپنے انجام کو پالیں گے اور اُنہیں باطل کو اپنانے کی سزا ملے رہے گی۔ اُن کی طرف آپ کا لایا ہوا پیغامِ الٰہی ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا اور آپ کے خلاف اُن کے کمینے منصوبوں کو ناکامی اور رسوائی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

''پیغمبر (ﷺ) جو چاروں طرف سے اپنے دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے اور بظاہر کوئی پناہ گاہ نظر نہ آتی تھی جبکہ اُن کے پیروکاروں کا مختصر سا دستہ جو شیر کے منہ میں نوالے کی طرح تھا، اِن سب حقائق کے باوجود آپ کا اللہ کی قدرت کاملہ پر پورا ایمان تھا اور اپنے آپ کو اُس کا سچا رسول ہونے کا پورا یقین تھا۔ آپ اپنے مشن کی تکمیل میں زندگی بھر مستقل مزاج رہے اور دشمنوں کی فریب کاریوں سے ذرہ بھر متاثر نہیں ہوئے۔ آپ کا یہ عظیم کردار اعلیٰ فطانت اور برگزیدگی کا ایسا نمونہ پیش کرتا ہے جس کا مقابلہ شاید ہی انبیائے سابقہ کا کوئی پیغمبر کر سکے۔'' ("The Life of Mahomet" ...: Sir William Muir, p. 126)

(84) وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ (اَلْحِجْر : ۹۷۔۹۹)

''اور بے شک ہمیں معلوم ہے کہ آپ کا سینہ (مبارک) اُن باتوں سے تنگ ہوتا ہے جو وہ کہتے ہیں۔ سو آپ حمد کے ساتھ اپنے رب کی تسبیح کیا کریں اور سجدہ کرنے والوں میں (شامل) رہا کریں۔ اور اپنے پالنہار کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو (آپ کی شان کے لائق) مقامِ یقین مل جائے (یعنی انشراحِ کامل نصیب ہو جائے یا لمحۂ وصالِ حق)۔'' (۹۷۔۹۹:۱۵)

یہاں ایک اور طریق سے پیغمبر علیہ السلام کی تسلی و تشفی اور راحت کا سامان کیا جا رہا ہے۔ آپ ﷺ کے دشمنوں کی جانب سے ایذارسانیوں کے لامتناہی سلسلے کے باعث آپ کی دل گرفتگی اور آپ کے سینہ مبارک کے تنگ ہونے کی تلافی اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (کیا ہم نے آپ کا انشراحِ صدر نہیں فرما دیا؟) کہہ کر کی گئی۔

آیتِ بالا ۹۸ (فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ) سے یہ سبق ملا کہ انسان جب بھی زندگی

Marfat.com

کی ناخوشگواریوں سے تنگ آجائے اور اس بھری دنیا میں کوئی بھی اُس کا مونس وغمخوار نہ ہو تو اُسے فوراً اپنے خالقِ برحق کے حضور سجدہ ریز ہو جانا چاہئے جس سے ناامیدی اور قنوطیت کے بادل چھٹ جائیں گے اور بفضلہٖ تعالیٰ اُمید ورجائیت اور زندگی کی نئی کرن پھوٹے گی۔

اَلْیَقِیْن کا یہاں معنیٰ موت کا ہے کیونکہ ہر جاندار کے لئے موت یقینی ہے۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

(۱) یَاْتِیَكَ الْیَقِیْنُ اَیْ یَاْتِیَكَ الْمَوْتُ (لسان العرب لابن منظور افریقی)

''آپ کو یقین آئے تو یہاں یقین سے مراد موت ہے۔''

(۲) اَلْیَقِیْنُ اَلْمَوتُ لِاَنَّہٗ تُیَقَّنُ لِحَاقَہٗ لِکُلِّ مَخْلُوْقٍ حَیٍّ (تاج العروس لجوھری)

''یقین سے مراد موت ہے کیونکہ وہ ہر جاندار مخلوق کے لئے یقینی بات ہے۔''

سورۃ المدثر میں بھی یقین کا لفظ موت کے معنیٰ میں آیا ہے:

وَکُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ○ حَتّٰۤی اَتٰنَا الْیَقِیْنُ ○ (اَلْمُدَّثِّر: ۴۶، ۴۷)

''اور ہم روزِ جزا کو جھٹلایا کرتے تھے یہاں تک کہ ہم پر جس کا آنا یقینی تھا (وہ موت) آپہنچی۔'' (۴۶، ۴۷ : ۷۴)

سیّدنا عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ کی شہادت پر بھی نبی مکرم ﷺ نے ''یقین'' کا لفظ موت کے معنیٰ میں استعمال فرمایا:

اَمَّا ھُوَ فَقَدْ جَآءَہُ الْیَقِیْنُ وَاِنِّیْ لَاَرْجُوْا لَہُ الْخَیْرَ (صحیح بخاری: کتاب الجنائز)

<u>ایک ایمان افروز نکتہ</u>: اوپر سورۃ الحِجر کی آیت ۹۹ میں ''موت'' کا لفظ چونکہ نبوت ورسالت کے شایانِ شان نہیں تھا، اس لئے اُسے عظمتِ رسول کے مدِّنظر اَلْیَقِیْن سے بدل دیا گیا۔

(85) مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ○ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ○ (اَلضُّحٰی: ۳، ۴)

''آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ ہی آپ سے ناراض ہوا ہے اور بیشک (ہر) بعد کی گھڑی آپ کے لئے پہلی سے بہتر (یعنی باعثِ عظمت ورفعت) ہے۔'' (۳، ۴ : ۹۳)

بعثتِ نبوی کے ابتدائی دنوں میں چند روز کے لئے وحی کا آنا بند ہو گیا تو کفار نے آپ پر تمسخر واستہزاء کے تیر برسانے شروع کر دئے کہ اُس کے خدا نے اُس سے ناراض ہو کر اُسے چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ روشن دن اور تاریک وپُرسکون رات کی قسم کھا کر کفار کے اعتراضات اور مطاعن کی تردید فرمائی، اور ساتھ ہی اپنے حبیب علیہ

Marfat.com

السلام کی دلجوئی کر دی کہ اے محبوبِ محتشم! آپ کے پروردگار نے نہ تو آپ کو چھوڑا ہے اور نہ ہی وہ آپ سے ناراض ہوا ہے بلکہ وحی کے نزول میں بھی اُس کی حکمت تھی اور اُس کے رُک جانے میں بھی کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ آپ پر تو آپ کے رب کے لطف و کرم اور انعام و احسان کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا' ہر آنے والی ساعت گزری ہوئی ساعت سے' ہر آنے والی گھڑی گزری ہوئی گھڑیوں اور ہر آنے والی حالت گزشتہ حالات سے اعلیٰ' بہتر سے بہتر اور ارفع سے ارفع ہوگی۔ اس ایک جملہ سے کفار کے طعن و تشنیع اور الزام تراشیوں کا سدِّ باب بھی ہو گیا اور اسلام کے درخشاں مستقبل کے بارے میں نویدِ جانفزا بھی سنا دی گئی۔''

''دعوتِ اسلام کے ابتدائی دَور کا تصوّر کیجئے جس میں یہ سورت نازل ہوئی۔ گنتی کے چند افراد نے اس دینِ حق کو قبول کیا تھا۔ باقی تمام اہلِ مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خون کے پیاسے تھے۔ اُنہوں نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اسلام کے چراغ کو بجھا کے رہیں گے' توحید کا یہ گلشن جو مصطفیٰ (ﷺ) لگا رہے ہیں' اُس کا ایک ایک پودا جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے۔ اُس وقت کون یہ خیال کر سکتا تھا کہ یہ دین چند سالوں میں اتنی ترقی کر جائے گا کہ سارا جزیرہ عرب اُس کے نور سے جگمگانے لگے گا۔ اِس نبی معظم کو رب تعالیٰ وہ عزت و سروری اور شانِ محبوبی عطا فرمائے گا کہ آج جو لوگ خون کے پیاسے ہیں' کل آپ کے اشارۂ ابرو پر اپنی جانیں قربان کرنا سعادت سمجھیں گے اور حضور علیہ السلام کے وضو کا پانی نیچے نہیں گرنے دیں گے بلکہ اُسے اپنے چہروں اور سینوں پر مَل لیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

أُرِیَ النَّبِیُّ ﷺ مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ عَلٰی أُمَّتِہٖ بَعْدَہٗ' فَسُرَّ بِذٰلِکَ وَنَزَلَ جِبْرَئِیْلُ بِقَوْلِہٖ تعالیٰ: وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ'' لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی

''حضور علیہ السلام کے بعد اُمّت جو فتوحات کرے گی وہ سب کی سب حضور ﷺ کو دکھا دی گئیں جنہیں دیکھ کر آپ بہت مسرور ہوئے۔ اُسی وقت جبریل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے: وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ'' لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی یعنی ہماری نوازشات صرف ان فتوحات ہی میں منحصر نہیں بلکہ آپ کی ہر آنے والی شان پہلی شان سے اعلیٰ و بالا ہوگی۔'' (''ضیاء القرآن''۔۔ پیر سیّد کرم شاہ الازہری' جلد پنجم' ص ص ۵۸۶'۵۸۷)

**(86)** وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی O (اَلضُّحٰی: ۵)

''اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔'' (۹۳:۵)

مستند روایات کی رُو سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انتہائی خوشی یہ ہے کہ وہ اپنے آخری اُمّتی کو بہ اذنِ الٰہی اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں۔ یہ بات آپ کے خالق کے حضور اپنی امت کے گنہگاروں' توبہ کرنے والوں' نادم و پشیمان لوگوں کے لئے شفیع ہونے کا مظہر ہے۔ امام غزالی (۴۵۰۔۵۰۵ھ/۱۰۵۸۔۱۱۱۱ء) کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا محمد (ﷺ) کو خوش کن تحفہ آپ کی امت کے لئے شفیع بنانا ہے۔'' (''احیاء علوم الدین'')

Marfat.com

## مقامِ محمود کی وضاحت میں چند احادیثِ نبویہ

(۱) حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبریلِ امین میرے پاس آئے اور مجھے پیغامِ الٰہی دیا:

فَخَیَّرَنِیْ رَبِّیْ بَیْنَ اَنْ یَّدْخُلَ نِصْفُ اُمَّتِیْ اَلْجَنَّةَ وَبَیْنَ الشَّفَاعَةِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ

''میرے رب نے مجھے اختیار دیا کہ وہ یا تو میری آدھی اُمت کو جنت میں داخل کر دے یا میں شفاعت کو قبول کر لوں، تو میں نے شفاعت کو پسند کیا۔'' (ابن ماجہ، ترمذی)

(۲) شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ

''میری شفاعت میری اُمت کے کبیرہ گناہوں کے مرتکب لوگوں کے لئے ہوگی (جو توبہ کرنے والے، پشیمان اور نادم ہوں)۔''

(۳) ''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ روزِ محشر میری اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کرائیں جس کا آپ نے وعدہ فرما لیا۔ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اُس دن میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا: پہلے تم مجھے پُل صراط پر پاؤ گے۔ میں نے پوچھا: اگر میں وہاں آپ کو نہ پاؤں تو کہاں؟ فرمایا: پھر میں تمہیں میزان پر ملوں گا (یہ وہ جگہ ہے جہاں لوگوں کے اعمال تولے جائیں گے)۔ میں نے پھر پوچھا: وہاں بھی اگر آپ نہ مل سکے تو؟ آپ نے فرمایا: تو پھر تم مجھے حوضِ کوثر پر پاؤ گے کیونکہ میں نے ان تین جگہوں میں سے کسی نہ کسی جگہ پر ملنا ہے۔'' (ترمذی)

(۴) حضرت سیّدنا علی کرّم اللہ وجھہٗ سے مروی ہے کہ حضور کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اپنی امت کے لئے شفاعت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ میرا رب مجھے ندا کرے گا اور پوچھے گا: کیا آپ راضی ہو گئے ہیں؟ میں عرض کروں گا: ہاں میرے پروردگار میں راضی ہوگیا۔

(۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی تھی: فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ (جس نے میری پیروی کی وہ میرے گروہ سے ہے) پھر یہ آیت پڑھی جس میں عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی تھی: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ O (سورۃ المائدۃ: ۱۱۸) (یعنی اگر تو اُنہیں عذاب دے تو وہ تیرے (ہی) بندے ہیں اور اگر تو اُنہیں بخش دے تو بیشک تو ہی بڑا غالب، حکمت والا ہے)۔ پھر اپنے دونوں مبارک ہاتھوں کو دعا کے لئے اٹھایا اور عرض کی: الٰہی! میری اُمت، میری اُمت۔ پھر آپ زاروقطار رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا کہ فوراً میرے حبیب کے پاس جاؤ اور اُنہیں یہ پیغام پہنچاؤ:

Marfat.com

إِنَّا سَنُرْضِيكَ فِي أُمَّتِكَ وَلَا نَسُوءُكَ (صحیح بخاری، صحیح مسلم بحوالہ تفسیر نعیمی، ج ا ص ۳۹۸)
''ہم یقیناً آپ کو آپ کی اُمّت کے بارے میں راضی کر کے رہیں گے اور آپ کو غم زدہ نہیں ہونے دیں گے۔''

(87) وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا (الطُّور : ۴۸)
''(اے حبیبِ مکرّم!) آپ اپنے رب کے حکم کی خاطر صبر جاری رکھئے، بیشک آپ (ہر وقت) ہماری آنکھوں کے سامنے رہتے ہیں۔'' (۵۱ : ۴۸)

أَعْيُن (عین کی جمع بمعنیٰ آنکھ) کا لفظ یہاں استعارۃً لایا گیا ہے جس کا معنیٰ حفاظت، نگہداشت اور ذمہ داری کا ہے جیسا کہ تفسیر روح البیان میں ہے۔ مطلب یہ کہ اے حبیب! اگر ان ظالموں اور بدبختوں نے آپ سے نگاہیں پھیر لی ہیں تو کیا ہوا، ہم تو آپ کی طرف سے نگاہیں ہٹاتے ہی نہیں کہ آپ کو ہم ہر وقت تکتے رہتے ہیں۔ آپ ہر وقت ہماری حفاظت میں ہیں اور کوئی آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ دشمن کی ایذا رسانیوں اور دل آزاریوں کا اُن سے انتقام لینے میں جلدی نہ کیجئے بلکہ رسالت کے اپنے عالی و ارفع منصب کے پیشِ نظر صبر و تحمل سے کام لیجئے اور اس انتظار میں رہیے کہ دیکھیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

مَعْنَاهُ التَّعْظِيمُ وَالتَّفْخِيمُ وَنَظِيرُهُ، فِي الْجَمْعِ لِلتَّفْخِيمِ وَالتَّعْظِيمِ قَوْلُهُ، تَعَالَى تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا وَقَوْلُهُ، تَعَالَى مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا (غرائب القرآن للسجستانی)
یعنی یہاں أَعْيُن (عین کی جمع بمعنیٰ آنکھ) کا لفظ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منصبِ رسالت کی حد درجہ عظمت و رفعت کو اجاگر کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔ ایسی اور مثالیں بھی قرآن پاک میں ہیں، مثلاً سورۃ القمر کی آیت ۱۴ میں (تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا) اور سورہ یٰسٓ کی آیت ۷۱ میں (مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا)۔

لیکن یہ خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کی پرورش کے تذکرے میں رب تعالیٰ نے اپنی صرف ایک آنکھ کا ذکر فرمایا: وَلِتُصْنَعَ عَلَى عَيْنِي (سورہ طٰہٰ : ۳۹) (تاکہ تمہاری پرورش میری آنکھ کے سامنے کی جائے)۔ لیکن خاتم الانبیاء ﷺ کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ پیارے رسول! ہم اپنی تمام ذاتی اور صفاتی آنکھوں سے آپ کو دیکھتے رہتے ہیں جس کی مثال نہ تو کہیں ملتی ہے اور نہ ہی کسی اور پیغمبر کے بارے میں ہم نے ایسی کوئی بات کہی ہے۔

(88) إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ، عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝ (الفتح : ۱-۳)
''(اے حبیبِ محتشم!) بے شک ہم نے آپ کے لئے (اسلام کی) روشن فتح (اور غلبہ) کا فیصلہ فرما دیا

Marfat.com

تاکہ آپ کی خاطر اللہ آپ کی اُمّت (کے اُن تمام افراد) کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے☆ اور یوں آپ پر اپنی نعمت (ظاہراً و باطناً) پوری فرمادے اور آپ (کے واسطہ سے آپ کی امت) کو سیدھی راہ پر ثابت قدم رکھے اور اللہ آپ کو نہایت باعزت مدد و نصرت سے نوازے۔'' (۴۸ : ۱-۳)

''فتح مبین'' سے مراد فتحِ مکّہ کی پیشگوئی ہے اور بعض مفسرین کے نزدیک اس سے مراد صلحِ حُدیبیہ ہے جس سے کفّارِ مکّہ نے اسلام کو اپنے برابر کی قوّت تسلیم کرلیا۔ دراصل پورے ملکِ عرب میں اور اُس کے بعد پوری دنیا میں اسلام کی تشہیر کا دروازہ اِسی واقعہ سے کُھلا۔

ذَنب اور اِثم میں فرق ہے۔ اِثم (بمعنیٰ گناہ) کا ارتکاب بالخصوص عمداً اور ارادتاً ہوتا ہے جبکہ ذَنب یا تو ارادی ہوتا ہے یا بے توجہی اور بے خیالی سے ہوتا ہے (E.W. Lane's Arabic English Lexicon, Part 3, p. 981) جب اس لفظ (ذَنب) کو پیغمبروں کے حوالہ سے بولا جائے تو اس میں بے خیالی کا عنصر غالب ہوتا ہے اور اُن کے لئے قابلِ الزام نہیں ہوتا لیکن اُن کے عالی مقام کے شایانِ شان بھی نہیں ہوتا۔ محض خطا یا کسی فیصلہ میں خطا جس میں کوئی اخلاقی لغزش نہ ہو' اُسے گناہ کا نام نہیں دیا جاسکتا۔

اگر آیت مذکورہ کے الفاظ کے ظاہر معنی لئے جائیں تو یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ سرورِ عالَم ﷺ صغیرہ وکبیرہ تمام گناہوں سے معصوم ہیں اور استغفار کی تو اُس وقت ضرورت پڑتی ہے جب کوئی گناہ سرزد ہوجائے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام معصوم عن الخطا ہیں تو پھر استغفار کا کیا مطلب ہے؟ اس اِشکال کے متعدد جواب دئے گئے ہیں:

<u>(۱) ''ذَنب'' کا معنیٰ عام طور پر ''گناہ'' کیا جاتا ہے۔ گناہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی کو</u>

☆ یہاں حذف مضاف واقع ہوا ہے، مراد مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِ اُمَّتِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ہے کیونکہ آگے اُمت ہی کے لئے نزولِ سکینہ' دخولِ جنت اور گناہوں کی بخشش کی بشارت کا ذکر ہے۔ یہ مضمون آیت ۱ تا ۵ تک ملا کر پڑھیں تو معنیٰ خود بخود واضح ہوجائے گا۔ جیسا کہ سورۃ المؤمن کی آیت نمبر ۵۵ کے تحت مفسرینِ کرام نے بیان کیا ہے کہ لِذَنْبِكَ میں ''امت'' مضاف ہے جو کہ محذوف ہے' لہٰذا اس بناء پر یہاں وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ سے مراد امت کے گناہ ہیں۔ امام نسفی' امام قرطبی اور علامہ شوکانی نے یہی معنیٰ بیان کیا ہے۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

(۱) وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ اَیْ لِذَنْبِ اُمَّتِكَ یعنی اپنی اُمت کے گناہ (نسفی' مدارک التنزیل وحقائق التاویل ۴:۳۵۹)

(۲) وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ اَیْ لِذَنْبِ اُمَّتِكَ حَذَفَ الْمُضَافَ وَاُقِیمَ الْمُضَافُ اِلَیْهِ مَقَامَهٗ ''وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد امت کے گناہ ہیں۔ یہاں مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو اُس کا قائم مقام کردیا گیا۔'' (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی' ۱۵:۳۲۴) بحوالہ ترجمہ قرآن از ڈاکٹر طاہر القادری)

Marfat.com

لیکن اہلِ لغت لفظ ''ذَنب'' کو ''الزام'' کے معنیٰ میں بھی استعمال کرتے ہیں اور الزام میں یہ ضروری نہیں کہ وہ فعل اُس شخص سے صادر بھی ہوا ہو بلکہ بسا اوقات بلا وجہ اِس فعل کی نسبت اُس شخص کی طرف کر دی جاتی ہے۔''

''قرآنِ کریم میں بھی ''ذَنب'' کا لفظ ''الزام'' کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ ایک دن موسیٰ علیہ السلام نے ایک اسرائیلی اور ایک قبطی کو باہم لڑتے دیکھا۔ قبطی' اسرائیلی کو زدوکوب کر رہا تھا۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو اُنہیں مدد کے لئے پکارا۔ آپ نے پہلے قبطی کو منع کیا کہ غریب اسرائیلی پر ظلم و زیادتی نہ کرے۔ جب وہ باز نہ آیا تو آپ نے اُسے ایک مُکّا دے مارا جو اُس کے لئے جان لیوا ثابت ہوا۔ اپنے زیردست ساتھی کی مدد کرنا' اُس کے بچاؤ اور اپنے دفاع کے لئے حملہ آور کو مُکّا مارنا نہ شرعاً کوئی جرم ہے' نہ عرف میں یہ فعلِ قبیح ہے لیکن فرعون چونکہ آپ کا دشمن تھا اور انہیں حکومت کا باغی سمجھتا تھا' اُس نے آپ پر قتل کا الزام رکھا تھا اور اگر اُس کا بس چلتا تو وہ آپ کو وہی سزا دیتا جو قتلِ عمد کی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اُسے دعوتِ حق دو تو آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی :

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنبٌ فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ O (الشُّعراء : ۱۴)

''اُنہوں نے مجھ پر الزامِ قتل لگا رکھا ہے' پس مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔'' (۲۶:۱۴)

''اِس آیت میں ''ذَنب'' سے مراد گناہ نہیں بلکہ الزام ہے کیونکہ آپ نے اپنے اور اپنے اُمّتی کے بچاؤ کے لئے یہ اِقدام کیا تھا۔ آپ کا ارادہ اُسے قتل کرنے کا ہرگز نہ تھا اور نہ عام طور پر مُکّا لگنے سے موت واقع ہوتی ہے۔''

''اِن آیات کے سیاق و سباق کو مدِّنظر رکھا جائے تو یہی معنیٰ (الزام) یہاں موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔ غَفَرَ کا معنیٰ چھپا دینا' دُور کر دینا۔ مَا تَقَدَّمَ سے مراد ہجرت سے پہلے اور مَا تَأَخَّرَ سے مراد ہجرت کے بعد۔ یعنی اے حبیبِ مکرّم ! جو الزامات کفار آپ پر ہجرت سے پہلے عائد کیا کرتے تھے اور جو الزامات ہجرت کے بعد اب تک وہ آپ پر لگاتے رہے ہیں' اِس فتحِ مبین سے وہ سارے کے سارے نیست و نابود ہو جائیں گے اور اُن کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔''

''پہلے ہم قرآنِ حکیم اور کتبِ حدیث سے اِن الزامات کی چھان بین کرتے ہیں اور اس کے بعد یہ وضاحت کریں گے کہ وہ الزامات اِس فتحِ مبین سے کس طرح دُور ہو گئے۔''

''ہجرت سے پہلے جو الزامات کفار کی طرف سے حضور سرورِ عالمیان ﷺ پر عائد کئے جاتے تھے' وہ یہ ہیں: یہ کاہن ہے' یہ شاعر ہے' یہ مجنون ہے' یہ ساحر ہے' یہ اوروں سے سن سن کر افسانے بنا لیتا ہے' اُسے کوئی اور پڑھاتا ہے' وغیرہ وغیرہ۔''

Marfat.com

''ہجرت کے بعد کے الزامات کی فہرست کچھ یوں ہے :

''وہ کہتے کہ یہ شخص قوم میں اختلاف' انتشار پیدا کرنے والا ہے' اُس نے جنگ کی آگ بھڑکا کر مکہ کو اُجاڑ ڈالا ہے' بھائی کو بھائی سے' اولاد کو اپنے ماں باپ سے جدا کرنے والا ہے۔ اُس نے ہمارے محفوظ تجارتی راستوں کو خطرناک بنا دیا ہے اور ہمارے قومی انتظامات کو درہم برہم کر دیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔'' (''ضیاء القرآن''۔۔ پیر کرم شاہ الازہری' جلد چہارم' صفحات ۵۳۲' ۵۳۳)

(۲) علامہ قرطبی نے سورہ محمد کی آیت ۱۹ کے الفاظ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ کے دو معنیٰ ذکر کئے ہیں: (۱) اِسْتَغْفِرِ اللّٰہَ اَنْ یَّقَعَ مِنكَ ذَنْب'' یعنی آپ اس بات سے اللہ کی مغفرت طلب کریں کہ آپ سے کوئی گناہ سرزد ہو۔ چنانچہ اوپر ترجمہ اِسی کے مطابق کیا گیا ہے۔ (۲) اِسْتَغْفِرْ لِیَعْصِمَكَ مِنَ الذُّنُوبِ یعنی استغفار کریں تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کو گناہوں سے بچائے رکھے۔''

(۳) ''علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درجات میں ہر لحظہ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اوپر والے درجے پر پہنچ کر جب نیچے والے درجے پر نگاہ پڑتی تو موجودہ رفعت کے مقابلہ میں وہ قصور محسوس ہوتا۔ اس لئے آپ ﷺ کثرت سے استغفار کیا کرتے۔'' (روح المعانی)

(۴) ''عارف باللہ حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ اِس حکم میں دو حکمتیں ہیں:

(i) ''اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُس کے احکام کی بجا آوری میں خواہ کتنی ہی کوشش کی جائے' انسان پر لازم ہے کہ اپنے قصور کا اعتراف کرتا رہے اور یہ سمجھے کہ جیسا مجھے کرنا چاہئے تھا مجھ سے نہیں ہو سکا۔ منعمِ حقیقی نے جو بے پایاں احسانات مجھ پر فرمائے ہیں' میں اُن کا شکر ادا نہیں کر سکا۔ یہ تصوّر انسان کا کمال ہے' نقص نہیں۔''

(ii) ''دوسری حکمت یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس لئے کثرت سے استغفار فرمایا کرتے تاکہ اُمّت آپ ﷺ کی اِس سنت پر عمل پیرا رہے اور کوئی بھی اُمّتی استغفار اور توبہ سے غفلت نہ برتے۔'' (مظہری)

(۵) ''امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ اِس آیت کی دو توجیہیں کی گئی ہیں: ایک توجیہ تو یہ ہے کہ خطاب اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے لیکن مراد اُمّت ہے۔ یہ توجیہ درست نہیں کیونکہ مؤمنین کے لئے استغفار کا علیحدہ حکم دیا گیا ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہاں ''ذَنْب'' سے مراد گناہ یا نافرمانی نہیں بلکہ ترکِ افضل ہے۔ امام لکھتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ والا صفات اس سے منزّہ ہے کہ وہ افضل کو چھوڑ کر غیر افضل کریں۔ اس لئے امام رازی نے اپنی توجیہ پیش کی ہے۔ فرماتے ہیں: اِنَّ الْمُرَادَ

Marfat.com

تَوفِیقُ الْعَمَلِ الْحَسَنِ وَاجْتِنَابُ الْعَمَلِ الشَّنِیْءِ یعنی اچھے کام کی توفیق اور بُرے کاموں سے پرہیز۔ کیونکہ استغفار کا معنیٰ طلبِ غفران ہے اور غفران کا معنیٰ کسی قبیح چیز کا ڈھانپ دینا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی قبیح چیز کے ارتکاب ہی سے محفوظ رکھے جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان ہے' یا گناہ کے ارتکاب کے بعد اُسے ڈھانپ دے جس طرح کہ مؤمنین اور مؤمنات کا حال ہے۔'' (''ضیاء القرآن'' ج ۴' ص ۵۱۵)

''رب تعالیٰ نے اپنے محبوبِ مکرّم ﷺ کو فتحِ مبین سے بہرہ ور کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے پے در پے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اے محبوب! ہم نے آپ پر اپنی نعمتوں کی انتہا کر دی' دین کو مکمل کر دیا' اسلام کی عظمت کا ڈنکا آفاقِ عالم میں بج رہا ہے اور اُس کے غلبہ کو دشمن نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ گویا کہ یہ ''تکمیلِ نعمت'' دین کی سربلندی اور دُور دراز ممالک میں اُس کے پھیل جانے سے عبارت ہے۔ اس کے علاوہ جو دینی اور دُنیوی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام پر نچھاور فرمائی ہیں' وہ سب اس میں داخل ہیں۔''

''فرائضِ رسالت کی انجام دہی اور احکامِ شریعت کی تنفیذ کوئی معمولی کام نہیں۔ اس میں سرِ مُو کوتاہی بھی ناقابلِ برداشت ہے اور سنگین نتائج کا باعث بن جاتی ہے۔ رب تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے میرے حبیب! ہم نے آپ کو اِن کٹھن' دشوار اور زہرہ گداز ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے خود راہِ راست تک راہ نمائی فرما دی ہے اور اب کوئی مشکل راہ میں حائل نہیں ہو سکتی اور کوئی اِشکال باعثِ اضطراب نہیں بن سکتا۔''

''اِن انعاماتِ خصوصی کے آخر میں فرمایا: وَیَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا یعنی اللہ تعالیٰ آپ کی ایسی نصرت فرمائے گا کہ آپ ہمیشہ غالب رہیں گے اور کسی قسم کی کمزوری رُوپذیر نہ ہو گی۔''

''یہاں ایک نکتہ غور طلب ہے کہ اِن آیات میں مذکور تمام افعال کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے لیکن لِیَغْفِرَ اور وَیَنْصُرَكَ کے بعد اللہ کے اسم کو ظاہراً ذکر کیا۔ اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ مغفرت کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے اور نصرت و غلبہ کا تعلق دنیا کے ساتھ ہے۔ گویا فرما دیا: اے محبوب! تیری دنیا اور تیری آخرت کے تمام امور ہمارے سپرد ہیں۔ نہ اس دنیا میں آپ کو فکرمند ہونے کی ضرورت ہے اور نہ عقبیٰ کے بارے میں کسی اندیشہ کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے دُنیوی اور اُخروی تمام امور کا ذمہ دار ہے۔''

(89) إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ○ لِّتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○ (الفتح: ۸' ۹)

''بے شک ہم نے آپ کو (روزِ قیامت گواہی دینے کے لئے اعمال و احوالِ امت کا) مشاہدہ فرمانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے تا کہ (اے لوگو!) تم اللہ

Marfat.com

اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اُن (کے دین) کی مدد کرو اور اُن کی بے حد تعظیم و تکریم کرو اور (ساتھ ہی) اللہ کی صبح و شام تسبیح کرو۔'' (۸، ۹ :۴۸)

سورۃ الاعراف کی ذیل کی آیت ۱۵۷ کے پیشِ نظر وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ میں ہٗ کی ضمیر نبی علیہ السلام کی طرف راجع ہے، اللہ کی طرف نہیں:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْ اُنْزِلَ مَعَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الاعراف : ۱۵۷)

''جو لوگ اِس رسول (ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جو اُمّی (لقب) نبی ہیں جن (کے اوصاف و کمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو اُنہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور اُن کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور اُن پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور اُن سے اُن کے بارِ گراں اور طوق (قیود) جو اُن پر (نافرمانیوں کے باعث مسلّط) تھے، ساقط فرماتے (اور اُنہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں، پس جو لوگ اس (رسول) پر ایمان لائیں گے اور اُن کی تعظیم و توقیر کریں گے اور اُن (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو اُن کے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں۔'' (۷ : ۱۵۷)

سورۃ الفتح کی محولہ بالا آیات ۸، ۹ میں تین باتوں کی حسین و جمیل ترتیب ملاحظہ ہو۔ سب سے پہلے ایمان کا ذکر فرمایا اور سب سے آخر میں اپنی عبادت کا اور درمیان میں اپنے محبوب ﷺ کی تعظیم و توقیر کا۔ اس لئے کہ بغیر ایمان، تعظیم کسی کام کی نہیں۔ بہت سے مستشرقین اور نصاریٰ و یہود و ہنود نے نبی آخر الزماں ﷺ کی تعظیم و تکریم کی اور آپ کی ذاتِ ستودہ صفات سے اعتراضات کا ردّ کیا لیکن یہ سب کچھ بیکار گیا کیونکہ وہ ایمان کی دولت سے محروم تھے۔ اگر آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر دل میں ہوتی تو ضرور ایمان لاتے۔ معلوم ہوا کہ اگر دل میں سرورِ ہر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچی عظمت نہ ہو، تو قائم اللیل اور صائم النہار ہونا حتی کہ بیت اللہ شریف کے صحن میں مرنا سب منہ پر مار دیا جائے گا۔

بہ نظرِ غائر اگر دیکھا جائے تو قرآنِ حکیم کی بسم اللہ کی ب سے لے کر وَالنَّاس کی س تک میں حُبِّ رسول ﷺ کی خوشبو رسی بسی نظر آتی ہے اور اُس کی ہر ہر آیت عظمتِ رسول کی ترجمان ہے۔ ہاں شرط یہ ہے کہ اس متاعِ بے بہا کو پانے کے لئے صدیق کی آنکھ اور بلالِ حبشی کا دل لے کر آنا ہوتا ہے (رضی اللہ عنہما)۔

(90) سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى الَّذِيْ

Marfat.com

بَارَکْنَا حَوْلَه، لِنُرِیَه، مِنْ آیٰتِنَا اِنَّه، هُوَالسَّمِیْعُ الْبَصِیْرُO (بنی اسرائیل : ۱)

"وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصّہ میں اپنے (محبوب) بندے کو مسجدِ حرام سے (اس) مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے گردونواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے تا کہ ہم اِس (بندۂ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں' بیشک وہی خوب سننے والا' خوب دیکھنے والا ہے۔" (۱ : ۱۷)

سورہ بنی اسرائیل کی اِس آیت میں نبی اکرم ﷺ کے واقعہِ معراج کے ضمن میں آپ کے مکّہ مکرّمہ سے مسجدِ اقصیٰ تک کے زمینی سفر کا ذکر ہے جبکہ مسجدِ اقصیٰ سے آگے سدرۃ المنتہیٰ اور پھر سدرۃ المنتہیٰ سے عالمِ بالا اور لامکاں تک کے سفر کا ذکر سورۃ النّجم کی ابتدائی آیات (۶ تا ۱۸) میں ہے۔☆

اس آیتِ اوّل کا شانِ نزول یہ ہے کہ نبوت کے دسویں سال جب آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو انتہائی غم گسار اور ہمدرد ہستیاں یعنی جنابِ ابو طالب اور سیّدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو یکے بعد دیگرے داغِ مفارقت دے گئیں اور کفارِ مکّہ کو اُن کی انسانیت سوز کارستانیوں سے روکنے والا اور اُن کی بہیمانہ روش پر ملامت کرنے والا کوئی بھی نہ رہا جس کے باعث اُن کی ایذا رسانیاں ناقابلِ برداشت حد تک بڑھ گئیں۔ آپ ﷺ اہلِ مکّہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے کہ شاید وہاں کے لوگ دعوتِ توحید کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں لیکن وہاں جو ظالمانہ اور بہیمانہ برتاؤ کیا گیا' اُس نے سابقہ زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔ اِن حالات میں جب بظاہر ہر طرف مایوسی کا اندھیرا پھیل چکا تھا' ظاہری سہارے ٹوٹ چکے تھے اور ہر طرف ظلم و بربریت کے گمبھیر سائے دراز سے دراز تر ہوتے چلے جا رہے تھے تو رحمتِ کبریاء نے اپنی عظمت و کبریائی کی آیاتِ بیّنات کا مشاہدہ کرانے کے لئے اپنے محبوب کو عالمِ بالا کی سیر کے لئے بلایا تا کہ آپ کو اپنے ربِّ کریم کی تائید و نصرت پر حق الیقین ہو جائے اور حالات کی ظاہری ناسازگاری خاطرِ عاطر کو کسی طرح پریشان نہ کر سکے۔ غور کیا جائے تو سفرِ اسریٰ کے لئے اس سے زیادہ موزوں ترین وقت کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔

اِس سفرِ مقدّس کی تفصیلات کا اجمالی ذکر از روئے احادیثِ صحیحہ یہاں کیا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام ایک رات خانہ کعبہ کے قریب حطیم میں اور بعض روایات کے مطابق اپنی پھوپھی اُمّ ہانی کے ہاں آرام فرما تھے کہ جبرئیلِ امین حاضرِ خدمت ہوئے' خواب سے بیدار کیا اور ارادۂ خداوندی سے مطلع کیا۔ آپ اُٹھے' چاہِ زمزم کے قریب لائے گئے' سینہ مبارک چاک کیا گیا' قلبِ اطہر میں ایمان و حکمت سے بھرا ہوا طشت اُنڈیل دیا گیا اور پھر سینہ مبارک درست کر دیا گیا۔ بیت الحرام سے باہر تشریف لائے تو سواری کے لئے بُراق نامی ایک تیز رفتار جانور موجود تھا جس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ تاحدِّ نگاہ اُس کا ایک قدم جاتا تھا۔ آپ اُس پر سوار ہو کر مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس) آئے جہاں جملہ انبیاء علیہم السلام آپ کے لئے چشم براہ تھے۔ حضور علیہ السلام کی اقتداء میں سب

☆ سیرت ابنِ ہشام کے مطابق معراجِ نبوی دسویں سالِ نبوّت میں ہوا۔ امام زُہری نے لکھا کہ ہجرت سے ۱۸ ماہ قبل ہوا۔

Marfat.com

نے نماز ادا کی اور اس طرح لَتُؤمِنُنَّ بِہٖ کا جو عہد روزِ ازل کو انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا تھا کہ تم میرے محبوب پر ضرور ایمان لانا' کی تکمیل ہوئی۔ بعد ازاں موکبِ ہمایوں بلندیوں کی طرف پرکُشا ہوا۔ مختلف آسمانوں پر مختلف انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ساتویں آسمان پر اپنے جدِّ اعلیٰ' ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جنہوں نے مَرحَبا بالنبیّ الصَّالح والابن الصَّالح کے محبت بھرے کلمات سے آپ کا استقبال کیا۔ آپ آگے بڑھے اور سدرۃ المنتہٰی تک پہنچے جو جبریلِ امین کا مسکن ہے اور انوارِ ربانی کی تجلی گاہ ہے۔ جبریل نے عرض کی کہ حضور! میری یہاں انتہا اور آپ کی یہاں سے ابتدا ہے۔ عقابِ ہمت یہاں بھی آشیاں بند نہیں ہوا۔ آگے بڑھے' کہاں تک گئے' اُسے ما و شما کیا سمجھیں۔ قرآنِ حکیم نے مقامِ قرب کا ذکر اس طرح کیا ہے: ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی (اَلنَّجم: ۸' ۹) ''یعنی پھر وہ (ربّ العزت اپنے حبیب محمد ﷺ سے) قریب ہوا' پھر اور زیادہ قریب ہو گیا☆۔ پھر (جلوۂ حق اور حبیبِ مکرّم ﷺ میں صرف) دو کمانوں کی مقدار کا فاصلہ رہ گیا یا (انتہائے قرب میں) اس سے بھی کم (ہو گیا)۔ وہاں کیا ہوا' یہ بھی میری اور آپ کی عقل کی رسائی سے بالاتر ہے۔ قرآن نے بتایا ہے: فَاَوۡحٰی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَاۤ اَوۡحٰی۔ علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''پھر شاہدِ مستورِ ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام عطا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت بارِ الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔'' (سیرت النبی' جلد سوم بحوالہ ضیاء القرآن)

اِسی مقامِ قرب میں دیگر انعامات کے ساتھ ساتھ پچاس نمازیں ادا کرنے کا حکم ملا۔ جنابِ موسیٰ علیہ السلام کی عرضداشت پر آپ ﷺ نے کئی مرتبہ بارگاہِ ربّ العزت میں تخفیف کے لئے التجا کی چنانچہ نمازوں کی تعداد پچاس سے کم کر کے پانچ کر دی گئی لیکن ثواب پچاس ہی کا رہا۔ فرازِ عرش سے محبوبِ کبریاء مراجعت فرمائے خاکدانِ گیتی ہوئے۔ ابھی یہاں رات کا سماں تھا' ہر سُو رات کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی' سپیدۂ سحر کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔#

''یہ تھا واقعۂ معراج کا انتہائی مختصر ذکر۔ اس طویل سفر میں پیش آنے والا ہر واقعہ واقعی عجیب و غریب ہے۔ اسی لئے وہ دل جو نورِ ایمان سے خالی تھے' اُنہوں نے اسے اسلام اور داعیٔ اسلام کے خلاف سب سے بڑا اعتراض قرار دیا۔ کئی ضعیف الایمان لوگوں کے پاؤں ڈگمگا گئے۔ لیکن جن کے دلوں میں یقین کا چراغ ضَوفشاں

☆ یہ معنیٰ امام بخاری نے حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے الجامع الصحیح میں روایت کیا ہے۔ مزید حضرت عبداللہ ابن عباس' امام حسن بصری' امام جعفر الصادق' محمد بن کعب القرظی التابعی' ضحاک اور دیگر ائمۂ تفسیر کا قول بھی یہی ہے۔

# حضرت خواجہ نظام الاولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''فوائد الفوائد'' میں حضور علیہ السلام کے اس مقدس مرحلہ وار سفر کے ضمن میں تین اصطلاحات استعمال فرمائی ہیں: (۱) اسراء: مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کا سفر۔ (۲) معراج: بیت المقدس سے مرحلہ وار ساتوں آسمانوں اور سدرۃ المنتہٰی کا سفر۔ (۳) اعراج: سدرۃ المنتہٰی سے مقامِ قابَ قوسَین تک عروج۔

Marfat.com

تھا' اُنہیں قطعاً کوئی پریشانی اور تذبذب نہیں ہوا اور نہ دشمنانِ اسلام کی ہرزہ سرائی اور غوغا آرائی سے وہ متاثر ہوئے بلکہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کا ذکر ابوجہل نے کیا تو آپ نے بلا جھجک اُسے یہ جواب دیا کہ اگر میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا فرمایا ہے تو یقیناً سچ ہے اور میں سب سے پہلے اس پر آمنّا و صدّقنا کہتا ہوں۔ اہلِ ایمان کے نزدیک کسی واقعہ کی صحت وعدمِ صحت کا انحصار اس پر نہیں تھا کہ اُن کی عقل اس بارے میں کیا رائے رکھتی ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ بے پایاں کے سامنے کسی چیز کو ناممکن خیال نہیں کرتے تھے۔ اُن کا یہ یقین تھا کہ وہ قادرِ مطلق جو چاہے' جس طرح چاہے کر سکتا ہے۔ ہمارے وضع کئے ہوئے قواعد و ضوابط اُس کی قدرت کی بیکرانیوں کو محیط نہیں ہو سکتے اور جو اِس واقعہ کی خبر دینے والا ہے وہ اِتنا سچا ہے کہ اُس کی صداقت کے متعلق شک و شبہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ جب محبوب علیہ السلام نے شبِ اسریٰ کی صبح کو حرم کعبہ میں کفار کے بھرے مجمع میں اِس عنایتِ ربانی کا ذکر فرمایا تو لوگ دو حصّوں میں بٹ گئے۔ بعض نے صاف انکار کر دیا اور بعض نے بلا چون و چرا تسلیم کر لیا۔''

''لیکن آج صورتِ حال قدرے مختلف ہے۔ ایک گروہ تو وہی منکرین کا ہے۔ دوسرا گروہ وہی ماننے والوں کا ہے لیکن اب تیسرا گروہ بھی نمودار ہو گیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اذہان اس منکر گروہ کی علمی اور مادّی ترقی کے حلقہ بگوش ہیں اور ادھر اسلام سے بھی اُن کا رشتہ ہے۔ نہ وہ اسلام سے رشتہ توڑنے پر رضامند ہیں اور نہ اپنے ذہنی مربّیوں کے مزعومات و نظریات ردّ کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔ ناچار وہ اس واقعہ کی ایسی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ واقعہ کا نام تو رہ جاتا ہے لیکن اس کے سارے حسن و جمال پر پانی پھر جاتا ہے اور اس کی معنویت کالعدم ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ اپنے اس طریقۂ کار پر بڑے مطمئن نظر آتے ہیں اور دل میں یہ سمجھتے ہیں کہ اُنہوں نے اسلام پر وارد ہونے والا ایک بہت بڑا اعتراض دُور کر دیا۔ اس لئے ہمیں مختصراً تینوں گروہوں کو ایسے دلائل فراہم کرنا ہیں کہ اگر وہ تعصب کو بالائے طاق رکھ کر اُن سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو اٹھا سکیں۔''

''جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت اور اُس کی شانِ کبریائی پر ایمان رکھتے ہیں اور فخرِ موجودات ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول مانتے ہیں' اُن کے لئے تو واقعۂ معراج کی صداقت پر اِس آیتِ نوید کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ اسی موقع پر اس آیتِ جلیلہ کی مختصر تشریح کی جاتی ہے :

''آیت کا آغاز سُبحان کے کلمہ سے کیا گیا ☆ جس کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیوب و نقائص سے

☆ جیسا کہ محبوب علیہ السلام ''غم کے اِس سال (عام الحزن)'' میں بڑے ہی دل گرفتہ اور غمگین تھے۔ پوری کائنات میں معراج جیسے عالی مرتبت واقعہ پر کوئی بھی تو سبحان اللہ کہنے والا نہ تھا۔ رب نے فرمایا: محبوب! کیا ہوا اگر تیری اس عظیم نعمت پر پوری کائنات میں سبحان اللہ کہنے والا کوئی نہیں تو سبحان اللہ ہم کہے دیتے ہیں۔

Marfat.com

مبرّا اور منزّہ ہے۔ سبحان کے کلمہ میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب و نقص' کمزوری اور بے بسی سے پاک ہے۔ اس کے لئے دلیل کی ضرورت تھی کیونکہ کوئی دعویٰ دلیل کے بغیر قابلِ قبول نہیں ہوتا۔ بطور دلیل ارشاد فرمایا: اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اپنے محبوب بندے کو رات کے تھوڑے سے حصّہ میں اتنا طویل سفر طے کرایا (لَیْلاً میں تنوین یعنی دوسرے لام پر ڈبل زبر تقلیل یعنی قلّت کی ہے) اور اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں اور آیات بیّنات دکھائیں' جو ذات اتنے طویل سفر کو اتنے قلیل وقت میں طے کرا سکتی ہے' واقعی اُس کی قدرت بے پایاں اور اُس کی عظمت بیکراں ہے اور اُس کی کبریائی کے دامن پر کسی قسم کی کمزوری اور بے بسی کا کوئی داغ نہیں' تو جس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی سبحانیت کی دلیل کے طور پر ذکر فرمایا وہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہو سکتا بلکہ کوئی بڑا!! ہم عظیم الشان اور محیّر العقل واقعہ ہوگا۔ اس لئے معراج کا انکار کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور سبوحیّت کی ایک قرآنی دلیل کو منہدم کرنا ہے۔

یہ سفر معراج جسم اور روح پاک دونوں کے ساتھ ہونے کے بھی متعدد دلائل ہیں کیونکہ (۱) خواب کے بیان پر تو کوئی جھگڑا نہیں ہوا کرتا۔ اگر کوئی ملتان میں رہتے ہوئے یہ کہے کہ گزشتہ شب میں بحالتِ خواب قطب شمالی یا قطب جنوبی کی سیر کر آیا ہوں تو کوئی سر پھرا بھی اُس سے جھگڑنے کو تیار نہیں ہوگا۔ معلوم ہوا کہ کفارِ مکّہ نے اس واقعہ پر جو شور و غوغا کیا' وہ سفرِ خواب پر ہرگز نہ تھا بلکہ بحالتِ بیداری پر تھا کہ آپ روح اور جسم دونوں کے ساتھ وہاں کیسے تشریف لے گئے! (۲) عَبْد کے لفظ نے بھی یہ عقدہ حل کیا کہ یہ سفر جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہوا کیونکہ عَبد نام ہے روح اور جسم دونوں کے ایک ساتھ اکٹھا ہونے کا' نہ ہم صرف روح کو عبد کہہ سکتے ہیں اور نہ صرف جسم کو جو روح سے خالی ہو' عبد کہہ سکتے ہیں۔ اس کی ایک مثال جنازہ اور ظعینہ کے الفاظ کی ہے کہ جنازہ نام ہے اُس میّت کا جو تابوت میں ہو۔ نہ تو محض میّت کو اور نہ ہی میت سے خالی تابوت کو ہم جنازہ کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح ظعینہ ہودج (کجاوہ) نشین عورت کا نام ہے۔ کجاوے سے باہر عورت کو یا عورت سے خالی کجاوے کو ہم

**نوٹ**: قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر فعل اپنے فاعل کی قوّت و استعداد کے لحاظ سے اپنی نوعیت میں مختلف ہوتا ہے۔ قرآن حکیم اعلان کر رہا ہے کہ عقل کے حصار میں پابند رہ کر ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے والو! یہ کام کسی بشری طاقت سے نہیں ہوا جو تمہاری عقل اُسے تسلیم نہ کرے۔ نبی خود نہیں گئے بلکہ لے جائے گئے۔ لے جانے والا کون ہے؟ وہی جو ہر قسم کی چھوٹی بڑی کمزوری سے پاک اور سبحان ہے۔ منکرین کے انکار کی بڑی وجہ یہی تھی کہ اُنہوں نے اس قدر قلیل وقت میں اس سفر مقدس کی طاقت کو انسان کی طرف منسوب کیا اور رب کی بے پناہ قدرت کی طرف اُن کی نگاہ نہیں گئی۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے جو ارشادِ نبوی نقل کیا ہے' وہ بھی اسی معنی کی تائید کرتا ہے۔

یہ بھی حقیقتِ ثابتہ ہے کہ قوّت کے اضافہ پذیر ہونے کی نسبت سے فاصلے اور مسافتیں سمٹ کر کم رہ جاتے ہیں۔ موٹر بائیک کی قوّت بائیسکل کی قوّت سے زیادہ ہے لہٰذا موٹر بائیک سے سفر کرنے سے فاصلہ بائیسکل کی نسبت کم رہ جائے گا۔ اسی طرح ریل گاڑی اور طیّارے کی مثال ہے۔ کون ہے جو عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر کی قوّت کا اندازہ لگا سکے۔ لہٰذا جب لے جانے والا وہ ہوا تو خود اندازہ لگا لیجئے کہ کتنے کم وقت میں یہ سفر طے ہوا ہوگا بلکہ زمانے کی قید لگانا بذاتِ خود بوالعجبی ہوگی۔

Marfat.com

ظـعـینـہ نہیں کہہ سکتے ۔ یہی حال لفظِ عبد کا ہے جو جسم اور روح دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ (۳) علامہ ابن العربی نے ''احکام القرآن'' میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر معراج عالمِ خواب کا واقعہ ہوتا تو کوئی اس سے فتنہ (آزمائش) میں مبتلا نہ ہوتا اور کوئی اس کا انکار نہ کرتا ۔ نیز اگر یہ سفر بحالتِ خواب ہوتا تو آیت کے الفاظ یہ ہوتے : 'اَسرٰی بِرُوحِ عَبدِہٖ نہ کہ اَسرٰی بِعَبدِہٖ (شرح شفا از مُلّا علی قاری جلد اوّل' صفحہ ۴۰۶)

آگے چل کر فرماتے ہیں :

وَيَدُلُّ عَلٰى كَوْنِهٖ يَقْظَةً لَّا مَنَامًا قَوْلُهٗ تعالىٰ : مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى اِذْ لَيْسَ لِلرُّوْحِ بَصَرٌ" بَلْ بَصِيْرَةٌ" وَلَوْ كَانَ الاسراءُ مَنَامًا لَمَا كَانَ فِيْهِ آيَةٌ لَقَدْ رَآى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى وَلَا مُعْجِزَةٌ" وَ اِنْ كَانَ رُؤْيَا الْاَنْبِيَاءِ حَقًّا وَاَخْبَارُهُمْ عَنْهَا صِدْقًا وَلما اسْتَبْعَدُوْهُ الْكُفَّارُ وَلَا كَذَّبُوْهُ فِيْهِ (اَيضًا)

''سفرِ معراج کے بحالتِ بیداری نہ کہ بحالتِ خواب ہونے کی ایک دلیل باری تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے۔ کہ میرے محبوب کی آنکھ نہ کسی اور طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی (جس کو تکنا تھا اُسی پر جمی رہی) کیونکہ روح کے لئے بَصَر کا لفظ استعمال نہیں ہوتا بلکہ بصیرت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اور اگر یہ سفر بہ عالمِ خواب ہوتا تو یہ آیت نہ ہوتی کہ ''آپ ﷺ نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔'' اور نہ ہی یہ سفر معجزہ کہلاتا اگرچہ انبیاء علیہم السلام کے خواب حق ہوا کرتے ہیں اور اُن کے بارے میں معلومات سچ پر مبنی ہوتی ہیں۔ اگر بہ عالم خواب سفرِ معراج ہوتا تو کفار اُسے نہ تو خلافِ عقل سمجھتے اور نہ ہی اُس کو جھٹلاتے ۔'' (شرح شفا از مُلّا علی قاری' جلد اوّل' صفحہ ۴۰۶)

آیت میں حضور علیہ السلام کا ذکر بِـعَبْـدِہٖ کے لفظ سے فرمایا گیا جس کی ایک حکمت تو یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے مثل رفعتِ شان اور علوِّ مرتبت کو دیکھ کر اُمّت اُس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے جس میں عیسائی کمالاتِ عیسوی کو دیکھ کر مبتلا ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضور ﷺ بارگاہِ صمدیت میں مقامِ قابَ قوسَین اَو اَدنیٰ پر فائز ہوئے تو رب تعالیٰ نے دریافت فرمایا: بِمَ اُشَرِّفُكَ يَا مُحَمَّدُ! (اے سراپا حمد وستائش! آج میں تمہیں کس لقب سے سرفراز کروں؟) تو حضور علیہ السلام نے جواباً عرض کی: بِنِسْبَتِيْ اِلَيْكَ بِالْعُبُوْدِيَّةِ (مجھے اپنا بندہ کہنے کی نسبت سے مشرف فرما دیجئے)۔ اس لئے رب تعالیٰ نے ذکرِ معراج کے وقت اسی لقب کو ذکر فرمایا جو اُس کے حبیب علیہ السلام نے اپنے لئے خود پسند فرمایا تھا۔

آیت کے اگلے کلمات میں اس سفر کی غرض و غایت بیان فرمائی کہ یہ سفر یوں نہیں کہ بھاگم بھاگ کرتے ہوئے حضور علیہ السلام گئے ہوں اور اُسی عجلت سے واپس آگئے ہوں' نہ کچھ دیکھا اور نہ کچھ سنا۔ نہیں' بلکہ صحیفہ کائنات کے ہر ہر صفحہ پر اور گلشنِ ہستی کی ہر ہر پتی پر اللہ تعالیٰ کی قدرت' عظمت' علم اور حکمت کے جتنے کرشمے تھے' سب بے نقاب کر کے اپنے محبوبِ محتشم کو دکھا دئے۔

Marfat.com

یہاں ایک اور نکتہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ سورہ بنی اسرائیل کی اوّل آیت میں سفرِ معراج کی غرض و غایت بتلاتے ہوئے فرمایا کہ تاکہ ہم اپنے محبوب کو اپنی نشانیاں دکھا دیں لیکن سورۃ النّجم کی آیت ۱۸ میں ارشاد ہوا کہ میرے محبوب نے (شبِ معراج) اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ فرق یہ ہے کہ یہاں عالمِ ارضی میں آپ بشریت کے جامے میں تھے اس لئے رب تعالیٰ نے آپ کو اپنے جمال کے جلوے دکھائے اور جب بشریت کے مدارج طے کرتے ہوئے جب عالمِ ملکوت میں پہنچے تو رب نے فرمایا: محبوب! ہم نے تمام حجابات اٹھا دیے ہیں، آپ خود ہی ملاحظہ فرماتے جائیے۔

اب ہم اُن لوگوں کے اعتراضات کی طرف آتے ہیں جو معراجِ جسمانی اور دیگر معجزات کو عقلِ انسانی کے خلاف سمجھتے ہوئے اُن کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فطرت کے قوانین اٹل ہیں اور اُن میں ردّ و بدل ممکن نہیں ورنہ کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے اس لئے معجزات کا تسلیم کرنا عقل کے خلاف ہے اور اسی لئے معراج بھی معجزہ ہونے کے لحاظ سے عقلاً محال ہے۔ اگر ان معترضین کی معجزہ کی اس تعریف کو مان لیا جائے کہ معجزہ وہ ہے جو قانونِ فطرت کے خلاف ہو تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ قانونِ فطرت ہمارے اِدراک کی حدود سے باہر ہو۔ فطرت کے تمام قوانین اور قدرت کے تمام نوامیس کا ذہنِ انسانی نے ابھی کہاں احاطہ کیا ہے اور وہ کہاں کلّی طور پر ابھی بے حجاب ہوئے ہیں؟ انسائیکلو پیڈیا آف بریٹینیکا کی پندرھویں جلد کے صفحہ ۵۸۶ پر مقالہ نگار معجزہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''یہ ایک خوش فہمی اور غیر معقول تصوّر ہے جس کے مطابق فطرت کا طریق کار اتنا دانشمندانہ اور بہترین ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی ناقابلِ یقین اور ناجائز ہے۔''

اِن منکرینِ معجزات سے ہمارا یہ سوال بھی اہم ہے کہ اگر یہ لوگ ذاتِ خداوندی کے وجود اور اُس کی بے پناہ طاقتوں اور قدرتوں کے منکر ہیں تو ان سے معجزات کی بحث کرنا ہی بے فائدہ ہے لیکن اگر یہ لوگ اُس کے وجود کو ماننے کے ساتھ ساتھ اس کی بیکراں قدرت اور بے پایاں اختیارات کو بھی تسلیم کرتے ہیں تو پھر قوانینِ فطرت کو غیر متبدل اور اٹل تسلیم کرنا چہ معنیٰ دارد؟ وہ بااختیار اور قادرِ مطلق ذات اپنی حکمت و قدرت کے پیشِ نظر جب چاہے، اپنے معمول کو بدل دے اور اس خلافِ معمول وقوع پر نظامِ کائنات میں ذرّہ بھر دگرگونی نہ ہو، یہ سب کچھ اُس کے اختیار میں ہے۔ اسی حقیقت کو انسائیکلو پیڈیا آف بریٹینیکا کے فاضل مقالہ نگار نے یوں بیان کیا:

''نوامیس قدرت اور قوانینِ فطرت کو معمولِ ربّانی اور عادتِ الٰہی سمجھنا چاہئے اور معجزہ یہی ہے کہ رب تعالیٰ نے کسی مصلحت اور حکمت کے پیشِ نظر خلافِ عادت ایسا کیا ہے جو قطعاً ناروا نہیں۔''

ڈیوڈ ہیوم (David Hume) اور معجزات: مغرب کا ممتاز فلسفی ڈیوڈ ہیوم، سرسید احمد خان کے زمرہ

Marfat.com

سے تعلق رکھتا ہے۔ اُس نے بڑی شدّ و مد سے معجزات کے اِمکان کی تردید کی ہے۔ اپنے نقطۂ نظر کو تقویت دینے اور اُسے ثابت کرنے کے لئے اُس نے منطق اور استدلال کا عجیب طریقہ اختیار کیا ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ ہمارا تجربہ اور مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ کائنات کا نظام ایک خاص طرز اور غیر متبدّل، معیّن سطور پر چل رہا ہے اور وہ نظام ''علت و معلول'' کے قانون سے ایک قدم بھی باہر نہیں جا سکتا جبکہ معجزات جو ''علّت و معلول'' کے قانون کے خلاف ہیں، ہمارے تجربے اور مشاہدے کے بھی خلاف ہیں۔ اس لئے ڈیوڈ ہیوم کے نزدیک معجزے کے جواز کو تسلیم کرنا ممکن نہیں ہے بالخصوص جبکہ ہمارے تجربے اور مشاہدے کے مقابل کوئی مدلّل اور ٹھوس دلائل موجود نہ ہوں۔ اُس کے نزدیک معجزے کے مستند ہونے کے لئے کوئی باوزن دلائل موجود نہیں۔ ☆

انسائیکلو پیڈیا بری ٹینیکا کا مضمون نگار ڈیوڈ ہیوم کے مفروضے پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اِس ''مفروضہ اصول'' کی کہ معجزات انسانی مشاہدات اور تجربات کے خلاف ہوتے ہیں، کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اور پھر ''تجربات'' کا مطلب کیا ہے؟ اس بیان کو بھی کسی ٹھوس ثبوت کی ضرورت ہے کہ معجزہ تمام تجربات کے خلاف ہوتا ہے۔ پہلے تو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ آیا معترض نے تمام تجربات کا احاطہ کر لیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ تجربات سے مراد عام تجربات ہیں اور معجزہ عام تجربات کے خلاف ہوتا ہے تو پھر اس سے صرف یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ معجزات عام تجربات کے خلاف ہوتے ہیں، تمام تجربات و مشاہدات کے مخالف ہونا تو لازم نہ آیا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ معجزہ کسی تجربہ کے مطابق ہو اور وہ تجربہ آپ کے فہم کی رسائی سے بھی بلند و بالا ہو۔ (جلد ۱۵، صفحہ ۵۸۶)

ایک مصری عالم، استاد احمد امین نے بھی ڈیوڈ ہیوم کے معجزات سے انکار کی منطق کا خوب جواب دیا ہے۔ وہ اپنی کتاب قصّة الفلسفة الحديث کی جلد اوّل کے صفحہ ۲۴۵ پر لکھتے ہیں کہ ڈیوڈ ہیوم کو اس حقیقت سے انکار نہیں کہ قبل ازیں جتنی بھی چیزیں معرضِ وجود میں آئیں وہ علّتِ حقیقیہ کے بغیر موجود تھیں اور معراجِ جسمانی جیسا معجزہ بغیر علّت کے وقوع پذیر ہوا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ایک کو تسلیم کرتے ہو اور دوسرے کے انکار میں تم اِتنا مبالغہ کرتے ہو کہ تمہیں اپنے فلسفہ کی بنیاد ہی سرے سے فراموش ہوگئی ہے۔

معجزات کے بارہ میں سر سیّد احمد خاں اپنے ایک مفصّل مقالہ میں لکھتے ہیں کہ معجزہ کا خلافِ قانون ہونا ضروری ہے کیونکہ قانونِ قدرت کے مطابق ہونے کی صورت میں اُس کا وقوع کسی غیر نبی سے بھی ہونا ممکن ہے۔ لیکن چونکہ قوانینِ قدرت اٹل ہیں اور اُن میں کسی قسم کی تبدیلی یا ردّ و بدل ممکن نہیں۔ قرآن بھی یہی کہتا ہے کہ

☆ ''علمائے اسلام نے معجزہ کی یہ تعریف نہیں کی کہ وہ قوانینِ فطرت کے خلاف ہو بلکہ معجزہ وہ ہے جو خارقِ عادت ہو۔ نیز معجزات کو قوانینِ فطرت کے خلاف کہنے کا دعویٰ تو تب درست ہوسکتا ہے جب کہ پہلے تمام قوانینِ فطرت اور سننِ الٰہیہ کا احاطہ کرنے کے دعویٰ کو کوئی ثابت کرلے اور جب تک یہ ثابت نہ ہو اور جو یقیناً ثابت نہیں تو پھر معجزات کو سننِ الٰہیہ کے خلاف ٹھہرانا سراسر لغو ہے۔'' (ضیاء القرآن، جلد دوم، صفحہ ۶۳۲)

Marfat.com

لَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰہِ تَبدِیلًا یعنی آپ اللہ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پائیں گے (سورۃ الفتح: ۲۳)۔ اس لئے بقول اُن کے ثابت ہوا کہ معجزہ کا واقع ہونا ایک خیالِ خام ہے۔

سرسید کے اس من گھڑت مفروضہ کے جواب میں معجزہ کی اُس تعریف کو سامنے رکھنا ہوگا جو سابقہ صفحہ کے ذیلی نوٹ میں بیان ہوئی۔ نیز معجزات کو قوانینِ فطرت کے خلاف کہنے کا دعویٰ تب درست ہوتا جب پہلے تمام قوانینِ فطرت کا احاطہ کرنے کے دعویٰ کو کوئی ثابت کر دے اور جب تک یہ ثابت نہ ہو جو یقیناً ثابت نہیں تو پھر معجزات کو سنتِ الٰہیہ کے خلاف قرار دینا ایک دُور از کار اور بے فائدہ بات ہے۔ سرسیّد کے مقالہ مذکور کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دشمنانِ اسلام کے اعتراضات سے بوکھلا گئے ہیں اور زہر میں بجھے ہوئے اُن کے طعن و تشنیع کے نیزوں سے وہ بہرحال اسلام اور داعیِ اسلام کو بچانا چاہتے ہیں خواہ اس کوشش میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کا روشن چہرہ ہی (معاذ اللہ) کیوں نہ بگڑ جائے۔ کاش کہ سرسیّد عظمتِ مصطفوی کے غیر متزلزل عقیدے کی پناہ میں آ کر ربِّ ذوالجلال والاکرام کے بے پایاں اختیار اور ناپیدا کنار قدرتِ مطلقہ کو مدِّ نظر رکھتے تو اپنے تاریخی اور علمی ورثے کو اَغیار کی نظروں میں مشکوک اور مشتبہ نہ بناتے۔ سرسیّد محترم کے اِس جذبہ خلوص کا ہمیں اعتراف ہے لیکن ہم موصوف سے یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ سیّد صاحب! کیا آپ کی تاویلات کو دشمنانِ اسلام نے قبول کر کے آپ کے پیش کردہ ''ماڈرن اسلام'' پر اظہارِ عداوت چھوڑ دیا ہے۔ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو پھر اس محنت کا کیا حاصل اور نصِ قرآنی میں حسبِ منشا تغیر و تبدّل کر کے آپ کو اور آپ کے معتقدین کو کیا ملا؟

معراجِ جسمانی کے منکرین سورہ بنی اسرائیل کی اِس آیت کا بھی سہارا لیتے ہیں:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ

''اور ہم نے جو منظر آپ کو دکھایا تھا' اُسے ہم نے لوگوں کی آزمائش کا سبب بنا دیا۔'' (۱۷ : ۶۰)

اِس آیت میں اُنہوں نے لفظ اَلرُّءْیَا کا معنیٰ خواب لیا ہے اور اس طرح معراجِ روحانی ثابت کی ہے حالانکہ یہاں اَلرُّءْیَا خواب کے معنیٰ میں نہیں آیا بلکہ عالمِ بیداری میں دیکھنے کے معنیٰ میں آیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: اَلْمُرَادُ ھٰھُنَا رُؤْیَا عَیْنٍ (ضیاء القرآن' جلد دوم' صفحہ ۶۲۷) یعنی یہاں مراد رُؤیت العین یعنی عالمِ بیداری میں انہی ظاہری آنکھوں کے ساتھ دیکھنا ہے۔

نیز اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ اِس آیت کا تعلق واقعہ معراج سے ہے ہی نہیں بلکہ کسی دوسرے خواب سے ہے اور اگر اِسی پر اصرار ہو کہ اس آیت میں معراج کا ہی ذکر ہے تو پھر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی تصریح کے بعد کوئی التباس نہیں رہتا۔ علامہ ابن العربی اندلسی نے ''احکام القرآن'' میں سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اگر معراج عالمِ خواب کا واقعہ ہوتا تو کوئی اس سے فتنہ میں مبتلا نہ

Marfat.com

ہوتا اور کوئی اس کا انکار نہ کرتا کیونکہ اگر کوئی شخص خواب میں اپنے آپ کو دیکھے کہ وہ آسمان کو چیرتا ہوا اوپر جا رہا ہے یہاں تک کہ وہ کرسی پر جا کر بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اُس سے گفتگو فرمائی تو ایسے خواب کو کبھی مستبعد اور خلافِ عقل قرار دے کر اُس کا انکار نہیں کیا جاتا۔'' (احکام القرآن لابن العربی)

''یہ لوگ حضرت اَنس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ واقعہ معراج بیان کرنے کے بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا: ثُمَّ اسۡتَیۡقَظۡتُ وَاَنَا فِی الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَام یعنی ''پھر میں نیند سے بیدار ہوا تو اپنے آپ کو مسجدِ حرام میں پایا۔'' اِس روایت کے متعلق فنِّ حدیث کے ماہرین کی تصریح ملاحظہ ہو تو شبہ خود بخود دُور ہو جائے گا۔''

''علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ حضرت اَنس سے شُریک نے نقل کئے ہیں اور شُریک لَیۡسَ بِالۡحَافِظِ عِنۡدَ اَهۡلِ الۡحَدِیۡثِ (روح المعانی جلد ۱۵) یعنی ''اہلِ حدیث کے نزدیک شُریک حافظِ حدیث نہیں ہے۔''

''دوسری روایت ابن العربی کی ہے۔ وہ ''احکام القرآن'' میں فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ حضرت اَنس سے صرف شُریک نے نقل کئے ہیں۔ اُن کا حافظہ آخر میں کمزور ہو گیا تھا' اس لئے اُن کی روایت کی بجائے اُن روایات پر بھروسہ کیا جائے گا جو باقی تمام راویوں نے بیان کی ہیں۔''

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ''ان الفاظ کا شمار شُریک کی غلطیوں میں ہوتا ہے۔ اس حدیث کے علاوہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اقوال سے بھی استشہاد کیا جاتا ہے کہ اِن حضرات کا بھی یہی خیال تھا کہ یہ خواب کا واقعہ ہے۔ لیکن محدّثین پہلے تو اس قول کی نسبت ان حضرات کی طرف کرنے کو ہی مشکوک سمجھتے ہیں اور اگر روایت ثابت ہو بھی جائے تو اُن کے قول پر جمہور صحابہ کے ارشادات کو ہی ترجیح دی جائے گی کیونکہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نکاح ہجرت کے بعد ہوا جبکہ واقعہ معراج ہجرت سے پہلے یعنی دس سالِ نبوّت کا ہے۔ رہا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول تو وہ معراج کے موقع پر اسلام ہی نہیں لائے تھے۔ یہی بات علامہ ابن حیان نے ''بحرالمحیط'' میں لکھی ہے۔'' (ضیاء القرآن)

جسمانی معراج کے منکرین اپنے دلائل میں یہ بھی کہتے ہیں کہ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک جانا خواب میں ہوا کیونکہ اُن کے نزدیک اسراء کا معنیٰ خواب میں سیر کرانا ہوتا ہے حالانکہ لغوی لحاظ سے یہ دلیل غلط ہے' اس لئے کہ قرآنِ پاک میں یہ لفظ ہر جگہ بحالتِ بیداری رات کو چلنے کے معنیٰ میں آیا ہے۔ مثلاً:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا: فَاَسۡرِ بِعِبَادِیۡ لَیۡلًا (اَلدُّخان: ۲۳) ''تم میرے بندوں کو راتوں رات لے کر چلے جاؤ۔'' (۴۴: ۲۳)

Marfat.com

(۲) حضرت لوط علیہ السلام سے فرمایا گیا: فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ (الحجر:۶۵) "پس آپ اپنے اہلِ خانہ کو رات کے کسی حصہ میں لے کر نکل جایئے۔" (۶۵ : ۱۵)۔ قاضی عیاض نے "الشفاء" میں فرمایا: لِاَنَّہٗ لَا یُقَالُ فِی النَّوْمِ اَسْرٰی یعنی خواب کی حالت میں لفظ اَسْرٰی نہیں بولا جاتا اور اس کا معنیٰ بہ حالتِ بیداری ہی نکلنا اور جانا ہے۔

اُمّ المؤمنین جنابہ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پیش کردہ آیت: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (الانعام:۱۰۳) "آنکھیں اُس کا احاطہ نہیں کرسکتیں اور وہ سب نگاہوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔" (۶:۱۰۳) کو نفیِ رؤیت کے ثبوت کے طور پر پیش کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہاں رؤیت کا لفظ نہیں بلکہ اِدراک کا لفظ آیا ہے کہ آنکھیں اُس کا احاطہ نہیں کرسکتیں، وہ آنکھوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور یہ اُمّتِ مسلمہ کا عقیدہ ہے کہ رب احاطہ کئے جانے سے پاک ہے۔ اگر (معاذ اللہ) رب کا احاطہ کیا جاسکتا ہوتا تو اس صورت میں احاطہ کرنے والی آنکھ محیط اور ربّ محاط ہو جاتا اور مُحاط ہونا شانِ الوہیت کے خلاف ہے اور ایسا عقیدہ رکھنا سراسر کفر ہے۔ سیّدہ صدّیقہ کے قرآن کی یہ آیت پیش کرنے کا مطلب یہی ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے رب کا احاطہ نہیں کیا۔ یہ مطلب نہیں کہ رب کو دیکھا نہیں اور ہمارا اِصرار بھی اسی بات میں ہے کہ رب سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات احاطہ کئے جانے سے ماوراء اور پاک ہے۔ المختصر یہ کہ حضور علیہ السلام نے اپنے رب کو جسمِ مبارک کی آنکھوں سے دیکھا کہ آپ کی نگاہ اپنے مقصود کی دید میں محو رہی۔ اِدھر اُدھر، دائیں، بائیں کسی چیز کی طرف مائل نہیں ہوئی۔

اگر امکانِ رؤیت باری تعالیٰ محال ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام ایک محال چیز کی فرمائش ہی کیوں کرتے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو ممکن، محال اور ممتنع کا علم ہوتا ہے اور ممتنع کے بارے میں سوال کرنا درست نہیں ہوتا۔ ہمارے موقف کی تائید سورۃ القیامۃ کی یہ آیات بھی کرتی ہیں: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ○ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ○ "اُس دن بہت سے چہرے شگفتہ وتروتازہ ہوں گے اور اپنے رب (کے حسن و جمال) کو تک رہے ہوں گے۔" (۲۲، ۲۳:۷۵) اور سورۃ المطفّفین کی یہ آیت بھی: كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ○ "حق یہ ہے کہ اُس دن بیشک اُن (کفار) کو اپنے رب کے دیدار سے روک دیا جائے گا۔" (۸۳:۱۵) آیت کی دلالۃ النص سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ مؤمن رب کے دیدار سے بہرہ ور ہوں گے۔

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے جب دریافت کیا جاتا کہ آیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کا دیدار کیا تو آپ جواب میں فرماتے: رَاٰہُ رَاٰہُ حَتّٰی یَنْقَطِعَ نَفَسُہٗ "ہاں ہاں، حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، ہاں ہاں حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ یہ جملہ آپ اتنی بار دہراتے کہ آپ کی سانس ٹوٹ جاتی۔"

جس طرح امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اپنے دیدار کی دولت

Marfat.com

سرمدی سے سرفراز فرمایا مگر یہ دیدار ایسا تھا جیسے حبیب اپنے حبیب کا دیدار کرتا ہے۔ نہ وہ آنکھیں بند کر سکتا ہے اور نہ ٹکٹکی باندھ کر روئے دلدار کو دیکھ سکنے کی قدرت رکھتا ہے۔ سورۃ النّجم کی آیت مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰی کا یہی مفہوم ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی ''تبیان القرآن'' کی جلد ۱۱ کے صفحہ ۵۰۶ پر رقمطراز ہیں:

''مسلمان دنیا میں اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے کیونکہ دنیا میں یہ آنکھیں فانی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات باقی ہے اور فانی آنکھوں سے باقی ذات کو نہیں دیکھا جا سکتا۔ جنت میں مسلمان اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں گے کیونکہ جنت میں مسلمانوں کے لئے خلود و دوام (ہمیشہ رہنا) اور بقاء ہوگی۔ اب مسلمان بھی باقی ہوں گے اور اللہ تعالیٰ بھی باقی ہے اور باقی آنکھوں سے باقی ذات کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ہمارے نبی مکرّم ﷺ نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے جاگتے میں دیکھا ہے۔ معلوم ہوا کہ ساری کائنات کی آنکھیں فنا کے لئے ہیں اور سرکارِ ہر عالم ﷺ کی آنکھیں بقاء کے لئے ہیں۔''

رؤیتِ باری تعالیٰ کے منکرین کے دلائل اور اُن کے جواب: معتزلہ اور دیگر منکرینِ رؤیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ جو چیز دکھائی دے، وہ دیکھنے والے کی مقابل جانب میں ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ دکھائی دے تو اُس کے لئے ایک جانب اور جہت کا ہونا لازم آئے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پھر تو اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا بھی انکار کر دیا جائے کیونکہ دیکھنے والا بھی دکھائی دینے والی چیز کے مخالف جانب میں ہوتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ دیکھنے اور دکھائی دینے کا یہ قاعدہ ممکنات اور مخلوقات کے اعتبار سے ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کے لئے نہ تو جانب اور مقابلہ کی شرط ہے اور نہ دکھائی دینے کے لئے۔''

منکرین کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے جن لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا، اس مطالبہ پر اُن کو بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا (سورۃ البقرۃ: ۵۵)۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اُنہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے اور اُن کی باتوں پر یقین کرنے کو ازراہِ عناد اور سرکشی اللہ تعالیٰ کے دیکھنے پر معلق کر دیا تھا، اس وجہ سے نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور شوق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتے تھے۔ (ایضاً صفحہ ۵۰۷، ۵۰۸)

''واقعہ معراج کی اہمیت صرف اسی قدر نہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول ﷺ کو زمین و آسمان بلکہ اُن سے بھی ماوراء اپنی قدرت و کبریائی کی آیاتِ بیّنات کا مشاہدہ کرایا بلکہ اس میں ستم رسیدہ اہلِ اسلام کے لئے بھی ایک مژدہ ہے کہ شبِ غم اب سحر آشنا ہونے والی ہے۔ تمہارا آفتابِ اقبال ابھی طلوع ہوا چاہتا ہے۔ مشرق و مغرب میں تمہاری سطوت کا ڈنکا بجے گا لیکن مسندِ اقتدار پر متمکن ہونے کے بعد اپنے منعمِ حقیقی اور رحیم و کریم پروردگار کو فراموش نہ کر بیٹھنا۔ اُس کی یاد اور اُس کے ذکر میں غفلت سے کام نہ لینا اور اگر تم نے نشۂ حکومت سے بدمست ہو کر نافرمانی اور سرکشی کی راہ اختیار کی تو پھر اُن کے ہولناک

Marfat.com

نتائج سے تمہیں دوچار ہونا پڑے گا۔ دیکھو تم سے پہلے بنی اسرائیل کو ہم نے فرعون کی غلامی اور ظلم وستم سے نجات دی' بحرِ احمر کو اُن کے لئے پایاب کیا' اُن کی آنکھوں کے سامنے اُن کے جابر دشمن کو سمندر کی موجیں خس و خاشاک کی طرح بہالے گئیں۔ لیکن جب اُنہیں عزت و وقار بخشا گیا تو وہ اپنے مالکِ حقیقی کے احکام سے سرتابی کرنے لگے تو ہم نے اُن پر ایسے سنگدل دشمن مسلّط کر دیئے جنہوں نے اُن کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا اور اُن کے مقدس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اسی عبرت آموزی کے لئے واقعہ معراج کے بعد بنی اسرائیل کا ذکر فرمایا۔'' (ضیاء القرآن' ج ۲)

(91) وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰیO (اَلنَّجم : ۱)
''قسم ہے روشن ستارے (محمد ﷺ) کی جب وہ (شبِ معراج اوپر جاکر) نیچے اُترے۔'' (۵۳:۱)

هَوٰی فعل ہے جس کا استعمال دو طرح ہوتا ہے: (۱) اگر یہ باب عَلِمَ یَعْلَمُ سے ہو یعنی هَوِیَ یَهْوٰی تو اس کا معنیٰ محبت کرنا ہوتا ہے۔ (۲) اگر یہ باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہو یعنی هَوٰی یَهْوِیْ جیسا کہ اوپر کی آیت میں ہے تو اس صورت میں یہ دو متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے: نیچے گرنا اور بلند ہونا۔ جب کوئی چیز اوپر سے نیچے گرے یا جب وہ پستی سے بلندی کی طرف جائے' تو ہر دو صورتوں میں هَوَی الشَّیْءُ استعمال ہوگا۔ البتہ دونوں حالتوں میں مصدر الگ الگ ہوگا۔ نیچے گرنے کے معنیٰ میں ہو تو کہیں گے هَوٰی یَهْوِیْ هَوِیًّا اور بلند ہونے کے معنیٰ میں ہو تو کہیں گے هَوٰی یَهْوِیْ هَوِیًّا۔

جب ستارہ آسمان کے وسط میں ہو تو وہ کوئی راہ نمائی نہیں کر سکتا۔ اس لئے آیتِ مذکورہ میں صرف ستارے ہی کی قسم نہیں کھائی گئی بلکہ اس کی خاص حالت کی جب وہ طلوع ہو رہا ہو یا ڈھل رہا ہو کیونکہ طلوع و غروب کے اِنہی دو اوقات میں اس سے راہ نمائی لینے کا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :
هُوَ النَّبِیُّ ﷺ وَهُوِیُّه' نُزُوْلُه' مِنَ السَّمَاءِ لَیْلَةَ الْمِعْرَاجِ وَجُوِّزَ عَلٰی هٰذَا اَنْ یُّرَادَ بِهَوَاهُ صُعُوْدُه' وَعُرُوْجُه' عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اِلٰی مُنْقَطِعِ الْاَ ین (روح المعانی)
''نجم سے مراد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس ہے۔ اِذَا هَوٰی کا مطلب نبی علیہ السلام کا آسمان سے واپس زمین پر نزول فرمانا ہے۔ هَوٰی سے یہ مراد لینا بھی جائز ہے کہ حضور علیہ السلام کا شبِ معراج وہاں تک عروج کرنا جہاں مکان کی سرحدیں ختم ہو جاتی ہیں۔'' (ضیاء القرآن' جلد ۵' صفحہ ۹)

درج بالا وضاحت کے پیشِ نظر اب آیت کا ترجمہ یہ ہوگا :
''مجھے قسم ہے روشن ستارے (محمد ﷺ) کی جب آپ نے (شبِ معراج اللہ تعالیٰ کے متعدد انعامات و عنایات لے کر) اپنی امت کی طرف آسمان سے زمین کی طرف نزول فرمایا۔''

Marfat.com

(92) عَلَّمَه' شَدِیْدُ الْقُوٰیO ذُوْ مِرَّۃٍ فَاسْتَوٰیO وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰیO ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰیO فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْاَدْنٰیO فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰیO مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَآیO اَفَتُمَارُوْنَه' عَلٰی مَا یَرٰیO وَلَقَدْ رَآہُ نَزْلَۃً اُخْرٰیO عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰیO عِنْدَھَا جَنَّۃُ الْمَاْوٰیO اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰیO مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰیO لَقَدْ رَآی مِنْ آیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰیO (اَلنَّجم : ۵ ـ ۱۸)

''اُنہیں (رسول ﷺ کو) زبردست قوّتوں والے نے علم (کامل) سے نوازا' بڑے دانا نے' پھر اُس نے بلندیوں کا قصد کیا اور وہ سب سے اونچے کنارہ پر تھا' پھر وہ (ربّ العزت اپنے حبیب محمد ﷺ سے) قریب ہوا' پھر اور زیادہ قریب ہو گیا ☆ (یہاں تک کہ) صرف دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا' پس اللہ نے اپنے (محبوب) بندے کی طرف وحی فرمائی جو (بھی) وحی فرمائی' (اُن کے) دل نے نہ جھٹلایا جو اُنہوں نے دیکھا' کیا تم اُن سے اس پر جھگڑتے ہو جو اُنہوں نے دیکھا' اور اُنہوں نے اُسے دوبارہ بھی دیکھا' سدرۃ المنتہٰی کے پاس' اسی کے پاس جنت الماویٰ ہے' جب سدرہ کو اُس چیز نے ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپ لیا' چشمِ (مصطفیٰ) نہ درماندہ ہوئی اور نہ حدّ (ادب) سے آگے بڑھی (جسے تکنا تھا اُسی پر جمی رہی)' بیشک اُنہوں نے معراج کی شب اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔'' (۵ـ۱۸ : ۵۳)

''علمائے اَعلام کے سرخیل امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عَلَّمَه' کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ شَدِیْدُ الْقُوٰی اور ذُوْ مِرَّۃٍ اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ جو زبردست قوّتوں والا دانا ہے' اُس نے اپنے نبی کریم ﷺ کو قرآن کی تعلیم دی جس طرح اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ میں صراحۃً مذکور ہے۔ فَاسْتَوٰی کا فاعل نبی کریم ﷺ ہیں یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قصد فرمایا جبکہ آپ سفرِ معراج میں افقِ اعلیٰ پر تشریف فرما ہوئے۔ پھر نبی کریم ﷺ مکان کی سرحدوں کو پار کرتے ہوئے لامکان میں ربّ العزت کے قریب ہوئے اور وہاں فائز ہو کر فَتَدَلّٰی (سجدہ ریز ہو گئے) اور اتنے قریب ہوئے جتنا دو کمانیں قریب ہوتی ہیں جب اُنہیں ملایا جاتا ہے بلکہ ان سے بھی زیادہ قریب #۔ اس حالتِ قرب میں رب تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے پر وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔

☆ ''یہ معنیٰ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے الجامع الصحیح میں روایت کیا ہے۔ مزید حضرت عبداللہ بن عباس' امام حسن بصری' امام جعفر الصادق' محمد بن کعب القرشی التابعی' ضحاک رضی اللہ عنہم اور دیگر ائمہ تفسیر کا قول بھی یہی ہے۔'' (ذیلی نوٹ ترجمۂ قرآن صفحہ ۸۴۵ اَز پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

# ''نہایت قرب کو بیان کرنے کے لئے اہلِ عرب یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عہدِ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ دو قبیلوں کے سردار جب اپنی باہمی دوستی کا اعلان کرنا چاہتے' تو وہ اپنی اپنی کمانوں کو ملا دیتے۔ یکجا شدہ کمانوں میں ایک تیر رکھ کر دونوں سردار اُسے چھوڑتے۔ یہ گویا اس بات کا اعلان ہوتا کہ یہ دونوں سردار باہم متحد ہو گئے ہیں۔ ان میں سے کسی پر کسی نے حملہ کیا تو دونوں مل کر اُس کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوں گے۔'' (ضیاء القرآن' ج ۵)

Marfat.com

قَابَ قَوسَین اَوْ اَدْنٰی میں لفظ اَوْ (بمعنی یا) اپنی غیر معمولی اہمیت کا حامل ہونے کے باعث ہماری خصوصی توجہ چاہتا ہے۔ اَوْ تخییر کا ہے اور فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ رب العزت اور محبوب علیہ السلام کے درمیان دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا۔ لفظ اَوْ نے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقامِ بے مثال کے تعین کرنے کی نفی کر دی کہ جب ہم احکم الحاکمین ہوتے ہوئے اپنے محبوب کے ارفع و اعلیٰ مقام کا تعین نہیں کر رہے تو ہما شما کو اس کا کیا حق پہنچتا ہے۔ اسی سلسلہ میں نبی علیہ السلام نے ایک مرتبہ فرمایا تھا: لَمْ یَعْرِفْ حَقِیْقَتِیْ غَیْرَ رَبِّیْ (میری حقیقت کو میرے رب کے سوا کسی نے نہیں جانا)۔

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی میں یہی فرمایا کہ میرے محبوب کی آنکھیں میرے انوار کی چمک دمک سے خیرہ ہو کر چندھیا نہیں گئیں اور درماندہ ہو کر بند نہیں ہو گئیں بلکہ جی بھر کے رب کا دیدار کیا۔ اُس حریمِ ناز میں صفاتی تجلّیات اور ذاتی انوار کا جو مشاہدہ بے تاب نگاہوں نے کیا' دل نے اُس کی تصدیق کی اور تمہارا یہ جھگڑا کہ یہ دیکھا وہ نہیں دیکھا' محض بے کار اور عبث ہے۔ دکھانے والے نے جو دکھانا تھا' وہ دکھا دیا اور دیکھنے والے نے جو دیکھنا تھا وہ جی بھر کے دیکھ لیا۔ اب تم بے مقصد بحثوں میں وقت ضائع کر رہے ہو۔ یہ نعمتِ دیدار فقط ایک بار نصیب نہیں ہوئی بلکہ اترتے ہوئے دوسری بار بھی نصیب ہوئی۔ یہ دوبارہ شرف سدرۃ المنتہٰی کے پاس ہوا۔'' (ضیاء القرآن' جلد پنجم' ص ۱۵)

''اِن آیات میں اگر ختم المرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی جبریلِ امین سے ملاقات کا ذکر ہوتا تو ایک ہی آیت کافی تھی۔ کیف انگیز اندازِ بیان صاف بتا رہا ہے کہ یہاں عبدِ کامل کی اپنے معبودِ برحق کے ساتھ ملاقات کا ذکر ہے۔ جہاں ایک طرف عشق ہے' نیاز ہے اور سرافگندگی ہے تو دوسری طرف حُسن ہے' شانِ صمدیت ہے اور شانِ بندہ نوازی اپنے جوبن پر ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات جبریل علیہ السلام سے بھی بلاشک وشبہ بڑے فوائد کی حامل ہے لیکن امام الانبیاء ﷺ کے لئے باعثِ ہزار سعادت اور وجہِ فضیلت اپنے محبوبِ حقیقی کی ملاقات ہے۔''

''نیز کفار کا اعتراض تھا کہ جو کلام آپ پڑھ کر اُنہیں سناتے ہیں' اللہ کا کلام نہیں۔ یا یہ خود گھڑ کر لاتے ہیں یا اُنہیں کوئی آ کر سکھا پڑھا جاتا ہے۔ اس کی تردید اسی طرح ہونی چاہئے کہ فرمایا جائے کہ یہ کلام نہ اُنہوں نے خود گھڑا ہے اور نہ کسی نے اُنہیں سکھایا ہے بلکہ اُس خالقِ کائنات نے اُنہیں اس کی تعلیم دی ہے جو بڑی قوتوں والا ہے اور حکیم و دانا ہے۔ اس کے علاوہ انتشارِ ضمائر کی وجہ سے ذہن میں جو پریشانی پیدا ہوتی ہے اور جو قرآن کے معیارِ فصاحت سے بھی مناسبت نہیں رکھتی' اُس سے رُستگاری کا صرف یہی راستہ ہے کہ حضرت حسن بصری کے قول کو تسلیم کیا جائے۔''

''اِن تمام وجوہِ ترجیح کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے تو وہ احادیثِ صحیحہ جن میں واقعاتِ معراج کا بیان ہے' وہ اس مفہوم کی تائید کے لئے کافی ہیں۔'' (ایضاً' صفحہ ۱۶)

Marfat.com

پیر محمد کرم شاہ الازہری ''ضیاء القرآن'' میں پچاس نمازوں کی تخفیف کے بیان میں فرماتے ہیں :

''کیا جس مقام کا یہاں ذکر ہے، وہاں جبریل موجود تھے؟ کیا اُن کی رسائی وہاں ممکن تھی؟ کیا نمازوں کی فرضیت میں جبریل واسطہ تھے یا بار بار کی تخفیف میں کوئی اور واسطہ تھا؟ اب یہ آپ کے ذوق پر منحصر ہے کہ آپ عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی سے لے کر مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی تک کی آیات کو جبریل پر منطبق کرتے ہیں یا اُن احوال و واقعات پر جو زبانِ رسالت سے ان احادیثِ صحیحہ میں ذکر کیے گئے ہیں۔'' (ایضاً، صفحہ ۱۸، ۱۹)

دَنَا فَتَدَلّٰی کی ضمیروں کا مرجع : دَنَا اور فَتَدَلّٰی کی ضمیروں میں اختلاف ہے کہ کون کس کے قریب ہوا؟ علامہ ابن جوزی (م ۵۹۷ ھ) لکھتے ہیں :

''مقاتل نے کہا: رب العزت عز و جل شب معراج سیّدنا محمد ﷺ کے قریب ہوا تو نبی ﷺ اللہ سے دو کمانوں کی مقدار کے قریب ہو گئے، پھر زیادہ قریب ہوئے۔''

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قرظی نے کہا: سیّدنا محمد ﷺ اپنے رب عز و جل کے قریب ہوئے۔''

''حسن بصری اور قتادہ نے کہا: حضرت جبریل جب زمین سے افقِ اعلیٰ پر مستوی ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ کی طرف نازل ہوئے۔''

''مجاہد نے کہا: حضرت جبریل اپنے رب عز و جل کے قریب ہوئے تو وہ دو کمانوں کے قریب بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے۔''

''علامہ ابن جوزی نے کہا: ان اقوال میں قولِ مختار مقاتل کا ہے کیونکہ اس کی تائید میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث ہے۔'' (زاد المسیر، ج ۸، ص ص ۶۵، ۶۶ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن جوزی نے جس حدیث کا حوالہ دیا، وہ یہ ہے :

وَدَنَا الْجَبَّارُ رَبُّ الْعِزَّةِ فَتَدَلّٰی حَتّٰی کَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی

''اور جبار رب العزت آپ کے قریب ہوا حتیٰ کہ وہ آپ سے دو کمانوں کی مقدار کے قریب بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوا۔'' (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۷۵۱۷ ؛ صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۶۲)

''قاضی عیاض نے ''الشفاء'' میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی طرف جو قریب ہونے کی اضافت کی گئی ہے، اس سے زمان و مکان اور جگہ کا قرب مراد نہیں ہے بلکہ اس سے نبی ﷺ کے عظیم مرتبہ اور

Marfat.com

آپ کے شرف والے درجہ کو ظاہر کرنا اور نبی ﷺ کو خود سے مانوس کرنا اور آپ کا اکرام کرنا مراد ہے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :
''ثُمَّ دَنَا سے مراد قربِ معنوی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ یہ ظاہر فرمادے کہ اُس کے نزدیک اپنے نبی علیہ السلام کا کتنا عظیم مرتبہ ہے اور فَتَدَلّٰی کا معنیٰ زیادہ قرب کو طلب کرنا ہے اور قَابَ قَوْسَیْنِ کا معنیٰ ہے نبی ﷺ کو لطیف محل عطا کرنا اور اللہ تعالیٰ کی معرفت عطا کرنا' آپ کی دعا کو قبول کرنا اور آپ کے درجہ کو بلند کرنا۔'' (فتح الباری' ج ۱۵' ص ۴۵۶)

علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :
''اس حدیث میں جبار رب العزت کے قریب ہونے سے مراد قربِ معنوی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو آپ کا مرتبہ ہے' اُسے ظاہر کرنا ہے۔ اور تَدَلّٰی کا معنیٰ زیادہ قرب کو طلب کرنا ہے اور قَابَ قَوْسَیْنِ سے مراد آپ کی دعاؤں کو قبول کرنا اور آپ کے درجہ کو بلند کرنا ہے۔'' (عمدۃ القاری' ج ۲۵' ص ۲۵۹)

علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی نے بھی اس حدیث کی یہی تاویل کی ہے اور الماوردی سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے ثُمَّ دَنَا کی تفسیر میں فرمایا کہ ربّ' سیّدنا محمد ﷺ سے قریب ہوا اور فَتَدَلّٰی کی تفسیر میں فرمایا کہ آپ کی طرف اپنے احکام نازل فرمائے۔'' (النکت والعیون للماوردی' ج ۵' ص ۳۹۳ : ارشاد الساری' ج ۱۵' ص ۵۶۵)

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی (م ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں :
''حسن بصری حلف اٹھا کر کہتے تھے کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور اللہ تعالیٰ جو نبی ﷺ کے قریب ہوا' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے نبی ﷺ کا مقام اپنے نزدیک بلند کیا اور تَدَلّٰی کا معنیٰ یہ ہے کہ اُس نے آپ کو بالکلیہ جانبِ قدس میں جذب کرلیا اور اسی کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا ہونا کہتے ہیں۔ معظم صوفیہ جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ آپ ﷺ کے قریب ہوا یا آپ ﷺ اُس کے قریب ہوئے' اس سے قرب کا وہ معنیٰ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ اور آپ ﷺ کی شان کے لائق ہے۔'' (روح المعانی' جز ۲۷' ص ۸۳)

<u>قَابَ قَوْسَیْنِ کا معنیٰ</u>: قَاب کا معنیٰ مقدار کا ہے اور قَوْسَیْنِ تثنیہ ہے قوس کا جو کمان کے معنیٰ میں ہے اور اس میں تین مضاف محذوف ہیں۔ اس کا معنیٰ ہے: وہ دو کمانوں کی مقدار کی مسافت کی مثل قریب ہو گئے۔ یہ اس کا ظاہری معنیٰ ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کو انتہائی قرب عطا کرنا ہے۔ اس سے قربِ

Marfat.com

مسافت مراد نہیں ہے۔'' (الجامع لاحکام القرآن' جز ۱۷' ص ص ۸۳'۸۴)

'' آیت کا یہ محمل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ میں کوئی فاصلہ نہ رہا یا اللہ اور رسول گڈ مڈ ہو گئے بلکہ اس کا محمل یہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کی قوس کی تجلیات رب العزت کی قوس کے جلوؤں میں گم ہو گئیں اور آپ فنا فی الذات کے مرتبہ سے واصل ہو گئے جیسا کہ علامہ آلوسی نے بعض اللہ والوں سے نقل کیا ہے۔'' (روح المعانی' جز ۲۷' ص ۸۰) یا اس کا محمل آپ کا اللہ سے انتہائی قرب اور آپ کے مرتبہ کی تکریم اور آپ کے درجہ کی تعظیم کو بیان کرنا ہے جیسا کہ قاضی عیاض نے ''الشفاء'' کی جلد اوّل کے صفحہ ۱۵۹ پر بیان کیا ہے۔'' (تبیان القرآن' جلد ۱۱' صفحہ ۴۹۵)

قَابَ قَوْسَیْنِ سے مقصود یہ ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول کا معاملہ واحد ہے: امام رازی نے لکھا ہے کہ اس آیت سے واضح کر دیا گیا کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا معاملہ واحد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا رسول اللہ ﷺ کی رضا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی ہے۔ رسول اللہ سے بیعت کرنا اللہ سے بیعت کرنا ہے (سورۃ الفتح ' آیت ۱۰)۔ رسول ﷺ کی اطاعت کرنا اللہ کی اطاعت کرنا ہے (سورۃ النساء : آیت ۸۰)۔ رسول کا حکم اللہ کا حکم ہے اور رسول کا منع کرنا اللہ کا منع کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو دھوکا دینا اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا ہے۔ رسول اللہ کو ایذاء پہنچانا اللہ کو ایذاء پہنچانا ہے اور آپ ﷺ کا فعل اللہ کا فعل ہے۔ قرآن مجید میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی کی تفسیر: امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ جب اللہ کے حبیب ﷺ اللہ سے غایت قریب میں پہنچے تو آپ پر بہت زیادہ ہیبت طاری ہوئی تو رب تعالیٰ نے اس کے ازالہ کے لئے آپ پر انتہائی لطف و کرم فرمایا اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی '' پھر اللہ نے اپنے بندے کی طرف وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی۔''

'' یوں کہیے کہ جو ہونا تھا' وہ ہو چکا اور حبیب نے اپنے حبیب سے وہ کہا جو ایک حبیب اپنے حبیب سے کہتا ہے اور آپ سے وہ راز کی باتیں کیں جو راز ایک حبیب اپنے حبیب سے کہتا ہے۔ پس دونوں نے اس راز کو مخفی رکھا اور ان کے راز و نیاز پر کوئی بھی مطلع نہیں ہوا۔'' (روح المعانی' جز ۲۷' ص ۸۳' بحوالہ تبیان القرآن)

سِدْرَۃُ الْمُنْتَھٰی: یہ بیری کا درخت ہے جس کی جڑیں چھٹے آسمان میں اور اُس کا تنا ساتویں آسمان میں ہے۔ ساتویں آسمان اور اس سے اوپر والوں کے درمیان برزخ ہے۔ نیچے سے جو چیزیں اوپر چڑھتی ہیں وہ سدرہ سے اوپر نہیں جا سکتیں اور اوپر سے جو چیزیں نیچے اترتی ہیں وہ سدرہ سے نیچے نہیں جا سکتیں اور ہمارے نبی

Marfat.com

ﷺ شب معراج جاتے ہوئے سدرہ سے اوپر گئے اور واپسی میں سدرہ سے نیچے بھی آئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر مخلوق کی ایک حد ہے اور تمام مخلوق میں صرف نبی اکرم ﷺ ایسے ہیں جن کی کوئی حد نہیں ہے۔ آپ جب نیچے سے اوپر گئے تو نیچے والوں کی حد توڑ دی اور جب اوپر سے نیچے تشریف لائے تو اوپر والوں کی حد توڑ دی۔ علامہ بوصیری رحمۃ اللہ نے کیا خوب کہا:

فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَیْسَ لَہٗ حَدٌّ ''   فَیُعْرِبَ عَنْہُ نَاطِقٌ '' بِفَمٖ

'' بے شک رسول اللہ ﷺ کے کمالات کی کوئی ایسی حد نہیں ہے جسے کوئی بتانے والا اپنے منہ سے بتا سکے۔''

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر کیا گیا تو میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سدرہ کی ایک شاخ کے سائے میں ایک سوار سو سال تک سفر کرتا رہے گا یا ایک سو سوار اُس کے سائے میں ہوں گے۔ امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۵۴۱)

حضرت اَنس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب مجھے اوپر کی طرف لے جایا گیا تو وہاں ساتویں آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ تھی جس پر مقام ہجر کے مٹکوں کے برابر بیر تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر تھے۔ اس کے تنے سے دو ظاہری دریا اور دو باطنی دریا نکل رہے تھے۔ میں نے جبریل سے پوچھا: یہ کیسے دریا ہیں؟ اُنہوں نے کہا: دو باطنی دریا تو جنت میں ہیں اور دو ظاہری دریا فرات اور دجلہ ہیں۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۶۴؛ سنن دارقطنی، رقم الحدیث: ۲۹ بحوالہ ''تبیان القرآن'' ج ۱۱ ص ۴۹۹)

مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی: حضور علیہ السلام کے کمالِ بصارت ☆ کے ذکر کے بعد قرآن آپ ﷺ کے قلبِ انور کا بھی ذکر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ کے قلبِ مبارک نے تجلیاتِ الٰہیہ کی تصدیق کی:

مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ''قلبِ مبارک نے اس کے خلاف نہ کہا جو (چشمِ اقدس نے) دیکھا۔''

جَنَّۃُ الْمَاْوٰی: اَلْمَاْوٰی کا معنیٰ ہے رجوع کرنے کی جگہ، پناہ حاصل کرنے کی جگہ، ٹھکانا۔ جنۃ الماوی کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ وہ جنت ہے جس میں متقین جائیں گے۔

(۲) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ جنت ہے جس میں ارواحِ شہداء ٹھہرتی ہیں۔

(۳) ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ جنت ہے جس میں آدم علیہ السلام ٹھہرے تھے حتیٰ کہ آپ وہاں سے زمین پر آئے۔ یہ جنت ساتویں آسمان میں ہے۔

(۴) ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ جنت ہے جس میں تمام مؤمنین کی ارواح ٹھہرتی ہیں۔ اسے جنۃ الماوی

☆ کسی صاحبِ نظر نے بصارتِ مصطفوی ﷺ کا بصارتِ موسیٰ علیہ السلام سے کیا خوبصورت موازنہ کیا ہے۔

موسیٰ ز ہوش رفت بہ یک پرتو صفات   تو عین ذات می نگری در تبسمی

Marfat.com

اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ارواحِ مؤمنین کا مسکن ہے اور یہ عرش کے نیچے ہے' پس وہ روحیں جنت کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتی ہیں اور اس کی خوشبو سے شاد کام ہوتی ہیں۔
(۵) ایک قول یہ ہے کہ یہ جنت حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام کا مسکن ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ۱۷' صفحہ ۹۰)

سدرہ کو ڈھانپنے والی چیزیں: یہ اُن انوار و تجلیات کا ہجوم ہے جنہیں بیان کرنے کے لئے نہ کسی لغت میں کوئی لفظ موجود ہے اور نہ اس کی حقیقت کو سمجھنے کی کسی میں طاقت ہے۔ یہ جس طرح ذکر و بیان سے ماوراء ہے' اُسی طرح فہم و ادراک کی رسائی بھی بالاتر ہے۔ اس دلآویز منظر کی تصویر کشی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ یہ کہہ دیا جائے: اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی (جب سدرہ کو اُس چیز نے ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپ لیا)۔ اس کی مثال بھی فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی کی طرح ہے کہ پس اللہ نے اپنے (محبوب) بندے کی طرف وحی فرمائی جو (بھی) وحی فرمائی۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (چشمِ (مصطفیٰ) نہ درماندہ ہوئی اور نہ حدّ (ادب) سے آگے بڑھی (جسے تکنا تھا اُسی پر جمی رہی): امام فخر الدین محمد بن عمر رازی (م ۶۰۶ ھ) نے فرمایا:
''ظہورِ نور کے وقت سیّدنا محمد ﷺ کی نظر اِدھر اُدھر نہ ہٹی' نہ نور سے متجاوز ہوئی۔ اس کے برخلاف جب کوئی شخص سورج کو دیکھتا ہے تو اُس کی نظر بے اختیار اِدھر اُدھر ہو جاتی ہے اور آپ نے اتنے عظیم نور کو دیکھا اور آپ کی نظر اِدھر اُدھر نہیں ہوئی۔'' (تفسیر کبیر' ج ۱۰' ص ۶۴۶)

علامہ سیّد محمود آلوسی (م ۱۲۷۰ ھ) لکھتے ہیں:۔
''نبی ﷺ کی نظر نہ جنت اور اُس کی زیب و زینت کی طرف مڑی اور نہ دوزخ اور اُس کے ہولناک عذاب کی طرف بلکہ آپ صرف اللہ عزّ وجلّ کی ذات کو دیکھنے میں محو اور مستغرق رہے۔'' (روح المعانی)

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں:
''اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے رب کو بیداری میں سر کی آنکھوں سے دیکھا تھا کیونکہ اگر آپ نے اپنے رب کو اپنے قلب سے دیکھا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا: مَا زَاغَ قَلْبُ مُحَمَّدٍ وَّمَا طَغٰی (محمد ﷺ کا قلب نہ بہکا اور نہ کج ہوا)۔ اس کے برخلاف رب نے فرمایا: آپ کی بصر نہ بہکی اور نہ کج ہوئی اور بصر سر کی آنکھ کو کہتے ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ نبی ﷺ نے اپنے رب کو عالم بیداری میں اپنے سر کی آنکھ سے دیکھا۔'' (روح البیان' جلد ۹' ص ۲۶۹)

جن نشانیوں کو نبی ﷺ نے شبِ معراج دیکھا: قرآن آگے چل کر رویتِ آیاتِ الٰہیہ کے ضمن

Marfat.com

میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالِ بصارت کا ذکر بایں الفاظ کرتا ہے:
لَقَدْ رَاٰی مِنْ آیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی ''بے شک آپ نے اپنے رب کی بے شمار نشانیاں دیکھیں۔''

اپنے رب کی نشانیوں کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:
(۱) ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے دیکھا کہ سونے سے بنے ہوئے پروانوں نے سدرہ کو ڈھانپ لیا۔
(۲) انہی کا دوسرا قول یہ ہے کہ آپ نے حضرت جبریل کو اُن کی اصل صورت میں دیکھا کہ اُنہوں نے اپنے پروں سے افق کو گھیر لیا تھا۔ (النکت والعیون ج ۵' ص ۳۹۷)
(۳) انہی کا تیسرا قول یہ ہے کہ آپ نے جنت کے رفرف (سبز رنگ کے تخت) کو دیکھا۔
(زاد المسیر ج ۸' ص ۷۱)

علامہ اسماعیل بن محمد قونوی (م ۱۱۹۵ھ) لکھتے ہیں:
''آپ نے شبِ معراج اُن علامات اور دلائل کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور اُس کی دوسری بلند صفات پر دلالت کرتی ہیں اور جنہیں دیکھ کر دیکھنے والا متعجب ہوتا ہے یعنی عالمِ ملک اور شہادت اور عالم الغیب اور جبروت۔'' (حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج ۱۸' ص ۲۸۱)

الغرض اقلیمِ رسالت کے آخری تاجدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وبارک وسلّم کا سفرِ معراج' عروجِ آدم خاکی کا وہ دروازہ ہے جس میں داخل ہوئے بغیر انسان پتھر اور دھات کے زمانے کی طرف تو لوٹ سکتا ہے لیکن ارتقاء کی سیڑھی کے پہلے زینے پر بھی قدم نہیں رکھ سکتا۔ اگر سفرِ معراج کو جدید سائنسی انکشافات کی بنیاد قرار دیا جائے تو یہ اس عظیم معجزہ کے محض ایک پہلو کا اعتراف ہوگا لیکن جوں جوں سائنس ترقی کرے گی' ذہنِ انسانی میں تحقیق و جستجو کے نئے نئے دروازے کھلیں گے' توں توں سفرِ معراج کے حوالے سے اَن گنت کائناتی پیچیدگیاں خود بخود حل ہوتی جائیں گی اور حضور علی الصلوٰۃ والسلام کا یہ زندہ معجزہ اللہ رب العزت کی قدرتِ مطلقہ کا مظہر بن کر شاہراہِ حیات کا وہ سنگِ میل ثابت ہوگا کہ جسے بوسہ دیئے بغیر ارتقاء کے سفر پر روانہ ہونے والا انسان ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکے گا۔

(93) وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْ یَا الَّتِیْٓ أَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ
''اور ہم نے جو منظر آپ کو دکھایا تھا' اُسے ہم نے لوگوں کی آزمائش کا سبب بنا دیا۔'' (۱۷ : ۶۰)

اِس آیت کی مختلف تاویلات کی گئی ہیں۔ اُن میں سے ایک تاویل واقعہِ معراج کی ہے جس کا ذکر سورۃ الاسراء کی ابتدائی آیت میں ہوا ہے۔ اس صورت میں اَلرُّءْ یَا کا لفظ خواب کے معنی میں مستعمل نہیں بلکہ اس سے مراد رُویت العین یعنی عالمِ بیداری میں انہی ظاہری آنکھوں کے ساتھ دیکھنا ہے:

Marfat.com

قَالَ الْجُمْهُوْرُ: هِىَ رُؤْيَا عَيْنٍ وَّيَقْظَةٍ

"جمہور علماء کا کہنا ہے کہ رؤیا عالمِ بیداری میں ظاہری آنکھوں کے ساتھ دیکھنا ہے۔" (تفسیر طبراسی؛ الدّرُّ الثمین لجلال الدین السیوطی، ج ۴، ص ۲۱۰؛ تفسیر شوکانی ج ۳، ص ۲۴۰)

فِتْنَةً لِّلنَّاس (لوگوں کی آزمائش) سے مراد یہ کہ کسی نے اس کی تصدیق کی اور کسی نے تکذیب کی۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ معراج خواب کا تھا تو پھر کسی کو اس کے انکار کرنے کی کیا ضرورت تھی اور یہ واقعہ لوگوں کی آزمائش کس طرح ہوتا؟ (تفسیر کبیر، ج ۷، ص ۳۱۱)

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا کہ یہ رُءْیَا آنکھ سے تھا۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو آنکھ سے دکھایا تھا، یہ خواب کا واقعہ نہیں ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۹۱۷؛ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۴)

نیز اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ اِس آیت کا تعلق واقعہ معراج سے ہے ہی نہیں بلکہ کسی دوسرے خواب سے ہے اور اگر اِسی پر اصرار ہو کہ اس آیت میں معراج کا ہی ذکر ہے تو پھر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی تصریح کے بعد کوئی التباس نہیں رہتا۔ علامہ ابن العربی اندلسی نے "احکام القرآن" میں سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اگر معراج عالمِ خواب کا واقعہ ہوتا تو کوئی اس سے فتنہ میں مبتلا نہ ہوتا اور کوئی اس کا انکار نہ کرتا کیونکہ اگر کوئی شخص خواب میں اپنے آپ کو دیکھے کہ وہ آسمان کو چیرتا ہوا اوپر جا رہا ہے یہاں تک کہ وہ کرسی پر جا کر بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اُس سے گفتگو فرمائی تو ایسے خواب کو کبھی مستبعد اور خلافِ عقل قرار دے کر اُس کا انکار نہیں کیا جاتا۔" (احکام القرآن لابن العربی)

(94) تَبَّتْ يَدَا اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَا اَغْنٰى عَنْهُ مَالُه' وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُه' حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِىْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝ (اَللَّهَب: ۱-۵)

"ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ برباد ہو گیا، نہ اُس کا مال اُس کے کام آیا اور نہ ہی اُس کی کمائی، عنقریب وہ شعلوں والی آگ میں جا پڑے گا اور اُس کی عورت بھی جو (کانٹے دار) لکڑیوں کا بوجھ اُٹھائے پھرتی ہے (اور ہمارے حبیب کے تلووں کو زخمی کرنے کے لئے اُن کی راہوں میں بچھا دیتی ہے)، اُس کی گردن میں کھجور کی چھال کا (وہی) رسّہ ہوگا (جس سے وہ کانٹوں کا گٹھا باندھتی ہے)" (۱-۵ : ۱۱۱)

پورے قرآن مجید میں یہ ایسی سورۃ ہے جس میں گستاخِ رسول کو اُس کے نام سے پکارا گیا ہے اور پوری سورۃ غضبِ الٰہی کی نمود ہے۔ اس کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ ابولہب تھا تو رسولِ اکرم ﷺ کا چچا لیکن وہ اور

Marfat.com

اُس کی بیوی اُمِّ جمیل ایسے بد بخت اور مردود تھے کہ اُنہوں نے رسولِ اکرم ﷺ کی مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ ابولہب کو اپنے مال و دولت اور اولاد پر بڑا بڑا گھمنڈ اور غرور تھا۔ خاتم الانبیاء ﷺ کی آمد سے زراندوزی اور زر پرستی کا زور بھی ختم ہوتا جا رہا تھا جس سے ابولہب بوکھلا اُٹھا اور اسلام اور پیغمبرِ اسلام کا وہ دشمن بن گیا۔

بروایت ابن عباس رضی اللہ عنھما آنجناب ﷺ نے سورۃ الشعراء کی آیت ۲۱۴ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ کے نازل ہونے پر حکمِ الٰہی کی تعمیل میں اپنے اقرباء اور اہلِ قبیلہ کو خبردار کرنے کے لئے کوہِ صفا کی چوٹی سے انتباہ دے کر پکارا اور جب صوتِ ہادی علیہ السلام وادیوں میں گونجی اور تمام لوگ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے اُن سے پوچھا: ''اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک فوج تم پر حملہ کرنے کو ہے تو کیا تم اس بات کا یقین کر لو گے؟'' سب نے بہ یک زبان کہا: یقیناً کیونکہ ہم نے آج تک کوئی جھوٹی بات آپ کے منہ سے نہیں سنی۔ جس پر آپ نے اُنہیں خبردار کیا کہ اگر اُن کے یہی لیل و نہار رہے تو اُن پر ایک عذابِ شدید آنے والا ہے۔ یہ سن کر ابولہب چیخ اُٹھا: تَبًّا لَّكَ أَلِهَٰذَا جَمَعْتَنَا (تیرا بُرا ہو کیا تو نے ہمیں اِسی لئے جمع کیا تھا؟)۔

اپنے حبیب ﷺ کے بارے میں اس بد بخت کی یہ بات باری تعالیٰ کو اتنی ناگوار گزری کہ اس نامراد کا نام لے کر اس پر اپنی نفرت و غضب کا اظہار فرمایا۔

اس سورت کے نزول کے وقت ابولہب اپنی قوت و اقتدار کے ساتھ ایک زندہ شخصیت تھا۔ واقعہ کے گزر جانے کے آج چودہ صدیاں بعد محض اُس کا ذکر کتاب میں پڑھ لینا اور بات ہے لیکن ایک معاصر رئیس اور سردار کے منہ پر اُس کے لئے یہ ہولناک پیشگوئی سنا دینا اس سے کتنے مختلف معنی رکھتی تھی اور اُس وقت کیسی کھلبلی مچ گئی ہوگی۔

عربی زبان میں فعل مضارع پر س داخل ہو تو مستقبل کا معنی دیتا ہے۔ سَيَصْلَىٰ کہہ کر رب تعالیٰ نے مستقبل کی بات ماضی کی زبان میں بیان کر دی۔ اللہ اکبر! قرآنِ حکیم کس جزم و قطعیت کے ساتھ مستقبل کی پیش گوئی کر رہا ہے۔ وہ شخص اچھا خاصا زندہ و سلامت اپنے اثر و اقتدار کے ساتھ موجود ہے اور ایک بیکس و بے یار شخص پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اُس کا یہ انجام ہو چکا! دنیا نے دیکھ لیا کہ ابولہب اور اُس کی بیوی اُمِّ جمیل جس کی اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف مخالفت مبالغے کی حد تک پہنچی ہوئی تھی' کا انجام بڑا ہی عبرتناک ہوا اور اسی طرح ہوا جس کی قرآنِ حکیم نے پیش گوئی فرمائی تھی۔

''معرکۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح یابی ابولہب کے لئے ناقابلِ برداشت صدمہ تھا اور بالآخر وہ طاعون جیسے موذی زہرناک اور سوزش والے مرض میں مبتلا ہو گیا اور تڑپ تڑپ کر واصلِ جہنم ہوا۔ بیماری کے دوران اور مرنے کے بعد بھی اُس کی اپنی اولاد اور عزیز و اقارب میں سے کوئی بھی اُس کے قریب تک نہیں پھٹکا۔ اس طرح نہ تو

Marfat.com

اُس کا مستقل سرمایہ اور نہ ہی اُس سرمائے پر حاصل ہونے والا نفع اُس کے کام آسکا۔ مرنے کے بعد جب اُس کی لاش میں سخت بدبو اور تعفن پیدا ہوا تو لوگوں نے شور مچایا جس پر اُس کے بیٹوں نے حبشی مزدوروں سے اُس کی لاش اُٹھوا کر ایک گڑھے میں پھینکوا دی اور اوپر سے پتھر مٹی ڈال کر اُسے بند کر دیا۔"

"آخرت میں اُس کے اور اُس کی بیوی کے بارے میں مفسرین بتاتے ہیں کہ وادیِ جہنم میں جہاں ابولہب جل رہا ہوگا' وہاں اُس کی بیوی بھی لکڑیاں ڈھوڈھو کر لانے کے بعد' اُنہیں اُس میں ڈال کر اپنے لئے اور اُس کے لئے آتشِ جہنم کو اور بھی بھڑکاتی رہے گی۔ یہ تھا ابولہب کے لئے وہ عبرتناک عذاب الیم جو آپ کا چچا ہونے کے باوجود گستاخِ رسول ہونے کی پاداش میں عذابِ الٰہی کی گرفت سے نہ بچ سکا اور نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں اپنے آپ کو اور اپنی بیوی کو بچا سکا۔" ("ناموسِ رسول ﷺ اور قانونِ توہینِ رسالت"۔ محمد اسمٰعیل قریشی' سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ' ص ص ۹۱' ۹۲)

"ابولہب (شعلے کا باپ) عبدالعزیٰ کی کنیت تھی۔ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چچا اور آپ کے مشن کا زبردست دشمن اور شدید ترین مخالف تھا۔ اُسے ابولہب اس کی گرم مزاجی اور سرخی مائل جلد کی وجہ سے کہا جاتا تھا۔ نبی علیہ السلام کو ایذا پہنچانا اُس کا مشغلہ بن چکا تھا۔" ("Islamic Culture"... Pickthall)

"بعض محققین نے لکھا ہے کہ قرآن میں جو ابولہب آیا ہے' یہ بطور کنیت کے نہیں بلکہ بطور پیش خبری کے ہے کہ اس شخص کا انجام جہنمی ہونا ہے۔ وہ ریاست مکہ کا ایک ذی اثر رئیس تھا۔ خوب خیال رہے کہ جس وقت یہ سورۃ نازل ہوئی' ابولہب اپنی پوری قوت و اقتدار کے ساتھ ایک زندہ شخصیت کا مالک تھا۔ آج واقعہ کے گزر جانے کے چودہ صدیاں بعد اُس کا ذکر محض ایک چھپی ہوئی کتاب میں پڑھ لینا اور بات ہے اور ایک معاصر رئیس اور سردار کے منہ پر اُس کے لئے یہ ہولناک پیشگوئی سنا دینا اس سے کتنے مختلف معنیٰ رکھتی تھی! اللہ اکبر! قرآن کس جزم و قطعیت کے ساتھ مستقبل کی پیشگوئی کر رہا ہے کہ اُس کا مال و دولت عذابِ الٰہی سے اُسے نہ بچا سکا۔ وہ شخص اچھا خاصا زندہ و سلامت اپنے اثر و اقتدار کے ساتھ موجود ہے اور ایک بیکس اور بے یار شخص (ﷺ) پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اُس کا یہ انجام ہو چکا! صیغہ ماضی (تَبَّ اور ما أغنىٰ) برابر ملحوظِ خاطر رہے جو عربی اسلوبِ بیان میں مستقبل کے اظہارِ قطعیت کے لئے آتا ہے۔" (ماجدی)

ابولہب کی بیوی اُمِّ جمیل بنت حرب' ہمشیرہِ ابوسفیان' نبی ﷺ کی مقدس شخصیت اور آپ کے مشن سے اس کی مخالفت بھی حدِّ غلو تک پہنچی ہوئی تھی۔

"وہ نبی (ﷺ) کی ریتلی راہ میں کانٹے بچھانے میں خوشی محسوس کرتی تھی کہ اُسے یقینی طور پر معلوم تھا کہ

Marfat.com

آپ (ﷺ) وہاں سے ننگے پاؤں گزریں گے۔'' (ایضاً)

حَمَّالَةَ الْحَطَب۔ اُمِّ جمیل شدتِ بغض و عداوت سے جنگل کی خاردار لکڑیاں چُن کر رات کے وقت اُن راستوں میں ڈال دیتی جن سے رسول اللہ ﷺ گزرتے۔ حَمَّالَةَ الْحَطَب محاورہ عرب میں مُفسد اور اِدھر سے اُدھر لگائی بجھائی کرنے والے کو بھی کہتے ہیں۔

جِیْد کا معنیٰ بالعموم لمبی اور حسین و جمیل گردن کا یا پتلی اور لمبی گردن کا لیا جاتا ہے۔ (Lane's Arabic English Lexicon, part 7, p. 2716)

حَبْل'' مِنْ مَّسَد کا ایک معنیٰ سورۃ الحاقّۃ کی آیت ۳۲ کی رُو سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ستر گز لمبی ایسی فولادی زنجیر اُس کے گلے میں ڈال کر اُسے جہنم میں ڈال دو جو خوب بٹی ہوئی ہو۔ (ایضاً)

فِیْ جِیْدِ ھَاحَبْل'' مِنْ مَّسَد (اُس کی گردن میں خوب بٹی ہوئی رسی پڑی ہوگی) میں راز یہ ہے کہ وہ مکّہ کے ایک بڑے رئیس کی رفیقہِ حیات تھی۔ اُس کی گردن میں بڑے قیمتی جواہر کا ہار پڑا رہتا تھا جس کے بارے میں وہ کہا کرتی کہ ''لات اور عُزّیٰ بتوں کی قسم! میں اس ہار کو بیچ کر محمد (ﷺ) کے خلاف اپنی بُغض و عداوت کی تسکین کا سامان کروں گی۔'' ربِّ محمد علیہ السلام فرما رہا ہے کہ ہم اُسے گھسیٹ کر اُس اکڑی ہوئی گردن کے ساتھ جہنم میں ڈال دیں گے جس میں وہ قیمتی جواہر کا ہار ڈالے رہتی تھی۔

<u>سورۃ اللّھب سے اخذ شدہ نکات</u> : (۱) اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیشہ اپنے وفادار بندے کا ساتھ دیتا ہے اور اُسے تن تنہا اور اکیلا کبھی نہیں چھوڑتا اگرچہ وہ سماج کی نظروں میں گرا ہوا، محروم القسمت کیوں نہ ہو۔ (۲) ظلم کا انجام بہر حال اُس کی اپنی تباہی و بربادی ہے اور ظلم و تشدّد ظالم و جابر کے سر پر الٹی دھکیل کرتے ہوئے پڑتا ہے۔ (۳) مقدّس و متبرک چیزوں کے خلاف غیظ و غضب رکھنے والا شخص اپنے ہی غیظ و غضب کی آگ میں جل مرتا ہے اور اُسے اُس کی دولت کی شیخی یا اعلیٰ منصب پر فخر و غرور انجامِ بد سے نہیں بچا سکتا۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ لوگ اُنہی ذرائع سے تباہ و برباد ہوتے ہیں جن کے ذریعے وہ دوسروں کی تباہی کا سامان کرتے ہیں۔ (۴) وہ عورتیں جو بدی کی راہ پر چل کر اللہ کے پیارے بندوں کے خلاف جل بُھن جاتی ہیں، خود ہی اپنے ہاتھوں جہنم کی سزا خرید کرتی ہیں۔

(95) <u>نبی اکرم ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام کے خصائل و شیم کا مجموعہ ہیں</u> :

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ <u>فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ</u> قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا (الانعام : ۹۰)

Marfat.com

''یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی تھی، سو آپ بھی اُن کے طریقہ پر چلئے، آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔'' (۶ : ۹۰)

آیتِ بالا کا خط کشیدہ حصہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ (۱) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مقدسہ تمام انبیاء علیہم السلام کے خصائص و خصائلِ حمیدہ (بہ شمول صبر و استقامت) کا مجموعہ ہے اور اسی لئے آپ کو اُن سب پر فضیلت اور فوقیت حاصل ہے۔ (۲) کسی بھی نبی نے منصبِ رسالت کو بطور پیشہ کے نہیں اپنایا بلکہ تمام نے انسان کی بے لوث اور بے غرض خدمت کی (حوالہ جات کے لئے سورۃ الشعراء کی مختلف آیات ملاحظہ ہوں)۔ (۳) یہی بے غرضی اور بے لوث خدمت خاتم الانبیاء ﷺ کے کردار میں نظر آتی ہے کہ آپ نے کبھی بھی کسی سے کچھ نہیں لیا بلکہ آپ تو اپنے خالق و رحمت کی رحمتیں اور عنایات اُس کی مخلوق میں بانٹنے کے لئے تشریف لائے ہیں۔

**(96)** نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝ (القلم : ۱-۶)

''نون، قلم کی قسم اور اُس (مضمون) کی قسم جو (فرشتے) لکھتے ہیں۔ (اے حبیبِ مکرّم!) آپ اپنے رب کے فضل سے (ہرگز) دیوانے نہیں ہیں۔ اور بیشک آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ اور بیشک آپ عظیم الشان خُلق پر قائم ہیں۔ پس عنقریب آپ (بھی) دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے۔'' (۶۸ : ۱-۶)

نٓ حروفِ مقطعات میں سے ہے جن کا حقیقی معنیٰ اللہ اور اُس کا حبیبِ لبیب ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ اس کے کئی معنیٰ ہیں: (۱) مچھلی ☆ (۲) دوات جو علمِ اجمالی سے عبارت ہے کیونکہ حروف جو علم کی صورتیں ہیں، بالاجمال اس میں موجود ہیں (۳) عربی زبان کا حرفِ تہجی ن۔ اس سورۃ میں عربی قافیہ نون کے حرف پر ختم ہوتا ہے۔

''واو قسم کے لئے ہے۔ اَلْقَلَم سے بعض حضرات نے وہ قلم مراد لیا ہے جس نے امرِ الٰہی سے تقادیرِ عالم کو لوحِ محفوظ میں تحریر کیا جس کی ماہیت سے اللہ تعالیٰ ہی آگاہ ہے۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ اَلْقَلَم سے مراد جنسِ قلم ہے اور اسی کی قسم کھائی جا رہی ہے۔ علوم و فنون، نظریات و افکار کی تعلیم و اشاعت میں بے شک زبان کی قوتِ بیانیہ کا بڑا حصہ ہے لیکن اُس کی افادیت زمان و مکان کی حدبندیوں میں محصور ہے۔ قلم ایک ایسا آلہ ہے جو زمان و مکان کی مسافتوں کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ گزشتہ صدیوں کے علوم و فنون سے حال و مستقبل کو روشن کرتا ہے اور دُور دراز علاقوں میں پیدا ہونے والے اولوالعزم حکماء و فضلاء کے نظریات اور افکار کو دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچاتا ہے۔''

☆ ذوالنون (مچھلی والا) پیغمبر حضرت یونس علیہ السلام کا لقب ہے کہ وہ مچھلی کے پیٹ میں کچھ دن رہے تھے۔

Marfat.com

''قرآنِ حکیم جو علم و حکمت کی برتری کا علمبردار ہے' جس نے آدمِ خاکی کی عظمت کا راز اِس بات کو قرار دیا ہے کہ اُس کا سینہ علوم و فنون کا گنجینہ تھا' کوئی مخلوق حتّٰی کہ نورانی فرشتے بھی اُس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ اس لئے قرآن کریم نے قلم کی جلالتِ شان کو ظاہر کرنے کے لئے اس کی قسم کھائی جو علم کی نشر و اشاعت کا مؤثر اور بے مثال ذریعہ ہے تاکہ اس قرآنِ کریم کے ماننے والے قیامت تک حکمت و دانش کے کارواں کی قیادت کرتے رہیں اور دنیا کے گوشہ گوشہ کو اس کی روشنی سے منور کرنے کے لئے اپنی ہر اِمکانی کوشش کرتے رہیں۔ صرف قلم کی قسم کھا کر اُس کی عزت افزائی نہیں کی گئی بلکہ وَمَا یَسْطُرُوْن فرما کر علم کے اُن جواہر پاروں کی بھی قسم کھائی گئی ہے جو نوکِ قلم سے صفحۂ قرطاس کی زینت بنتے ہیں۔ اس طرح اُن کی شان کو بھی دوبالا کر دیا۔''

''سورۃ کی دوسری آیت جوابِ قسم ہے۔ کفار و مشرکین حضور سرورِ عالم ﷺ پر جنون کا بہتان لگاتے تھے۔ اُن کے اس جھوٹے الزام کی تردید خود خالقِ ہر جہاں قسم اٹھا کر کر رہا ہے۔ اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس ذاتِ پاک کے بارے میں یہ ایسی لغو باتیں کرتے ہیں' وہ تو ایسی ستودہ صفات ہستی ہے کہ قلم کو اُس کی تعریف و ثنا سے فرصت نہ ملے گی۔ وہی تحریریں علمی دنیا کے لئے باعثِ عز و افتخار ہوں گی جن میں اِس محبوبِ دلربا کا ذکرِ پاک ہوگا۔ اُس پر اُس کے رب نے فضل و کرم فرمایا ہے۔ اُس کے روئے زیبا کو دیکھ کر آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں' اُس کی حکمت بھری باتیں سن کر دلوں کے ویرانوں میں بہار آ جاتی ہے۔ بد بخت اُس کی صحبت میں پل برابر بیٹھیں تو اُنہیں ابدی سعادت کا تاج پہنایا جاتا ہے۔ اُس کے نام مبارک پر جو لوگ اپنا سر کٹا دیتے ہیں' اُنہیں حیاتِ سرمدی سے سرفراز کر کے شہادت کے منصبِ عالی پر فائز کیا جاتا ہے۔ ہر سچائی' ہر صداقت کے لئے اُس کا قول شاہدِ عدل تسلیم کیا جاتا ہے۔ خود سوچو جس کا خُلق عظیم ہو' جس کا علم بیکراں ہو' جس کا گلشنِ حکمت سدا بہار ہو' جس کی برکات بے شمار اور خوبیاں اَن گنت ہوں' جس کی فصاحت و بلاغت کا دنیا بھر میں کہیں جواب ہی نہ ہو' کیا اُس کو مجنون (دیوانہ) کہنا روا ہے؟ جو اس مرقعِ زیبائی و دلبری کو مجنون کہتا ہے' اُس سے بڑا دیوانہ اور پاگل کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔''

سورۃ کی تیسری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ''اے حبیبِ محتشم! نبوّت کے اس بارِ گراں کو جس خوبی سے آپ نے اٹھایا ہے' میرے دین کی تبلیغ و اشاعت میں جس استقامت اور عزیمت کا مظاہرہ آپ نے کیا ہے' میری مخلوق کے قلوب و اذہان کو میرے نورِ توحید سے جس طرح آپ نے روشن کیا ہے' اس کی کوئی نظیر نہیں۔ یہ آفتابِ صداقت ابد تک درخشاں و تاباں ہی رہے گا۔ توحید کے یہ دل نشیں نغمے بلند ہوتے ہی رہیں گے۔ قیامت تک آنے والے انسان اس سے فیضیاب ہوتے رہیں گے' اس لئے آپ کا اجر بھی ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا اور کبھی نہیں ٹوٹے گا۔''

سورۃ کی زیرِ نظر آیت چہارم میں خالق کی زبان اپنی تخلیق کے شاہکار کی توصیف فرما رہی ہے۔ فخر المفسرین امام رازی علیہ الرحمۃ خُلق کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ خُلق نفس کے اُس ملکہ اور استعداد کو کہتے ہیں جس میں وہ پایا جائے اور اس کے لئے افعالِ جمیلہ اور خصائلِ حمیدہ پر عمل پیرا ہونا آسان ہو جائے۔ پھر فرماتے ہیں کہ کسی اچھے اور

Marfat.com

خوبصورت فعل کا کرنا الگ چیز ہے لیکن اُسے سہولت اور آسانی سے کرنا الگ چیز ہے۔ کوئی کام خُلق اُسی وقت کہلائے گا جس کے کرنے میں تکلف سے کام لینے کی نوبت نہ آئے (تفسیر کبیر)۔ یعنی جس طرح آنکھ بے تکلف دیکھتی ہے، کان بے تکلف سنتے ہیں، زبان بے تکلف بولتی ہے، اُسی طرح سخاوت، شجاعت، حیا، حق گوئی، تقویٰ وغیرہ تجھ سے کسی تردّد اور توقف کے بغیر صدور پذیر ہونے لگیں تو اُس وقت ان امور کو تیرے اخلاق شمار کیا جائے گا۔

آیت میں عَلٰی استعلاء کے لئے ہے یعنی کسی پر حاوی ہونا، چھا جانا اور قابو پا لینے کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ آیت یوں نہیں ہے وَاِنَّ لَکَ خُلُقًا عَظِیْمًا بلکہ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اخلاقِ حمیدہ اور افعالِ پسندیدہ پر حضور علیہ السلام کا قبضہ ہے اور وہ سب آپ کے زیر فرمان ہیں۔ وہ سب مَرکب ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن کے راکب اور شہسوار ہیں۔ اس لئے حضور علیہ السلام کو ان امور کے لئے کسی تکلف اور بناوٹ کی ضرورت نہیں۔ آفتابِ ذاتِ محمدی سے صفاتِ محمدیہ اور کمالاتِ احمدیہ کی کرنیں خود بخود پھوٹتی رہتی ہیں۔''

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ فرما کر بتا دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ بابرکات تمام کمالات کی جامع ہے۔ وہ کمالات جو پہلے نبیوں اور رسولوں میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے، وہ مجموعی طور پر اپنی تمام جلوہ سامانیوں اور اپنی جملہ رعنائیوں کے ساتھ اس ذاتِ اقدس واطہر میں موجود ہیں۔ شکرِ نوح، خُلتِ ابراہیم، اخلاصِ موسیٰ، صدقِ اسماعیل، صبرِ یعقوب، تواضعِ سلیمان علیہم الصلوٰۃ والسلام سب یہاں جمع ہیں:

حُسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری — آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

امام شرف الدین بوصیری علیہ الرحمۃ نے اپنے مخصوص انداز میں کیا خوب فرمایا ہے۔

فَاقَ النَّبِیِّیْنَ فِیْ خَلْقٍ وَّفِیْ خُلُقٍ — وَلَمْ یُدَانُوْہُ فِیْ عِلْمٍ وَّلَا کَرَمٍ

فَاِنَّہٗ شَمْسُ فَضْلٍ ھُمْ کَوَاکِبُھَا — یُظْھِرْنَ اَنْوَارَھَا لِلنَّاسِ فِیْ ظُلَمٍ

''آپ علیہ السلام اپنی ظاہری شکل وصورت اور سیرت واخلاق کے اعتبار سے تمام انبیاء سے برتر ہیں۔ کوئی نبی آپ کے مقامِ علم اور شانِ کرم کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتا۔ حضور علیہ السلام کی ذات بزرگی کا آفتاب ہے، سارے انبیاء علیہم السلام آپ کے ستارے ہیں اور وہ ستارے عہدِ جاہلیت کے اندھیروں میں آپ کے انوار اور تابانیوں کو ظاہر کرتے رہے ہیں۔''

شاعرِ دربارِ رسول ﷺ، حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے کیا خوب ترجمانی کی ہے۔

لَہٗ ھِمَمٌ لَا مُنْتَھٰی لِکِبَارِھَا — وَھِمَّتُہُ الصُّغْرٰی اَجَلُّ مِنَ الدَّھْرِ

''آپ ﷺ کی ہمتیں اور حوصلے بے شمار ہیں۔ جو اُن میں سے بڑے حوصلے ہیں، اُن کی تو حد ہی نہیں۔ حضور علیہ السلام کی چھوٹی سے چھوٹی ہمت اور حوصلہ، زمانہ سے بزرگ تر ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۴)

Marfat.com

مزید برآں آپ علیہ السلام کے خالق و مالک نے آپ کو رحمۃ للعالمین کے ابدی اور تابندہ تاج کے ساتھ مزیّن کر کے مبعوث فرمایا اور سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بقول کَانَ خُلُقُہُ القرآن (آپ چلتا پھرتا قرآن تھے)۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے : اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ تَادِیْبًا حَسَنًا (میرے پروردگار نے مجھے ادب سکھایا اور اُس کا ادب سکھانا بہت خوب ہے!)۔ جب اس عبدِ کریم کا مؤدّب اور مربّی خود ربّ العالمین ہے تو پھر اس تلمیذِ ارشد کے حسنِ ادب، حسنِ تربیت اور کمالِ علم کا کون اندازہ لگا سکتا ہے!

جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ انتقام لینا انسانی فطرت میں شامل ہے اور یہ کہ انتقام لیتے وقت مظلوم اکثر اوقات اخلاقی حدود کو پھاند جاتا ہے اور اب وہ خود ظالم بن جاتا ہے۔ لیکن ہمارے پیغمبر آخرالزماں علیہ السلام کے ہاں یہ بات ہرگز نہیں ہے۔ آپ نے فتحِ مکہ کے دن اپنے اُن خون کے پیاسوں کو جن کی شرانگیزیاں مدینہ کی دیواروں سے بار بار آ کے ٹکراتی تھیں، غیر مشروط معافی نامہ دے کر اپنے رحمۃ للعالمین ہونے کا عملی ثبوت تاریخ کے صفحات پر رقم کر دیا۔

اس موقع پر انتہائی متعصب اور کینہ پرور مستشرق Stanley Lane-Poole بھی حضور علیہ السلام کو خراجِ تحسین دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے :

"محمد (ﷺ) کی اپنے دشمنوں پر عظیم فتح کا دن اُن کی اپنی ذات پر بھی عظیم فتح کا دن تھا۔ آپ نے قریش کی طرف سے دیئے گئے اُن تمام رنج و ملال کے سالوں اور بے رحم نفرت کو فیاضانہ طور پر معاف کر دیا جن میں اُنہوں نے آپ کو اذیت پہنچائی تھی اور مکہ کی تمام آبادی کو معافی دے دی۔۔۔۔۔ کسی گھر کو لُوٹا نہیں گیا، کسی عورت کی بے حرمتی نہیں کی گئی۔۔۔۔ اس طرح محمد (ﷺ) ایک بار پھر اپنے پیدائشی شہر میں داخل ہوئے۔ فتح کی تمام روئداد میں اِس فاتحانہ داخلہ کے مقابلہ میں کوئی اور واقعہ نہیں ملتا۔" ("The Speeches & Table-talk of the Prophet Muhammad", p. 47;London, 1882)

پانچویں اور چھٹی آیت کا مفہوم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ بیان کرتے ہیں کہ اے دشمنانِ اسلام! آج تو تم جو جی میں آتا ہے، کہہ دیتے ہو۔ حقیقت سے پردہ اُس وقت اٹھے گا جب حشر برپا ہو گا۔ اُس دن تمہیں پتہ چلے گا کہ دیوانہ کون تھا۔ اپنے خالق کو وحدہٗ لاشریک لہٗ ماننے والا، اُس کے احکام کی بہ دل و جان تعمیل کرنے والا، اُس سے ہر وقت ڈرنے والا دیوانہ ہے یا بتوں کی پوجا کرنے والے، نفسِ امّارہ کی فرمانبرداری کرنے والے اور روزِ قیامت کا انکار کرنے والے دیوانے ہیں۔

اس سے اگلی آیت ہفتم میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پھر تسلی و تشفی دی جا رہی ہے کہ پیارے! آپ کا رب

Marfat.com

جانتا ہے کہ راہِ حق سے کون منحرف ہو گیا اور صراطِ مستقیم پر ہمت و جوانمردی سے کون قدم بڑھاتا ہوا منزل کی طرف جا رہا ہے۔ نہ اُسے اپنے آرام کا خیال ہے، نہ اُسے لوگوں کی مخالفت کا اندیشہ ہے، نہ مصائب و آلام سے گھبراتا ہے، نہ طولِ سفر اور بُعدِ منزل سے دل برداشتہ ہوتا ہے۔ جب دونوں فریقوں کے حالات سے وہ اللہ واقف ہے تو وہی اُنہیں مناسب حال جزا بھی دے گا۔'' (ضیاء القرآن، جلد پنجم، ص ۳۳۴)

(97) يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" O (اَلتَّحريم : ۱)

''اے نبی (مکرّم!) آپ خود کو اُس چیز (یعنی شہد کے خوش کرنے) سے کیوں منع فرماتے ہیں جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال فرمایا ہے۔ (کیا یوں) آپ اپنی ازواج کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' (۱ : ۶۶)

''امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیحین میں نقل کیا ہے کہ سرورِ عالم ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ نمازِ عصر کے بعد ازواجِ مطہرات کے حجروں میں تشریف لے جاتے اور تھوڑا تھوڑا وقت ہر رفیقۂ حیات کے پاس تشریف رکھتے۔ ایک دفعہ اُمّ المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی خدمت میں کسی نے شہد تحفۃً بھیجا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اُن کے کاشانۂ اقدس میں رونق افروز ہوتے تو وہ بڑے اہتمام سے شہد پیش کرتیں۔ آپ کو طبعی طور پر شہد بہت پسند تھا، اس لئے شوق فرماتے اور اس طرح حضرت زینب کے ہاں معمول سے زیادہ قیام ہو جاتا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی مسرت کی حد نہ تھی کہ اُنہیں اللہ کے محبوب علیہ السلام اور اپنے سرتاج کے روئے زیبا کے دیدار کا موقع زیادہ ملتا۔ لیکن جن اُمہات المؤمنین کے حصّہ سے یہ لمحے صَرف ہوتے، اُن کے لئے یہ صورتِ حال ناقابلِ برداشت ہوتی گئی۔ محبت جتنی زیادہ ہوتی ہے، رقابت کا جذبہ اُتنا ہی قوی ہوتا ہے۔ آخر حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما سے ضبط نہ ہو سکا۔ اُنہوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت زینب کے پاس سے اٹھ کر اُن میں سے جس کے پاس آئیں وہ یہ کہے کہ حضور! آپ کے دہن مبارک سے مغافیر کی بُو آ رہی ہے۔ کیا حضور نے مغافیر تناول فرمایا ہے؟ (مغافیر عرفط کی گوند ہوتی ہے جس میں خفیف سی بساند ہوتی ہے)۔ اُنہیں علم تھا کہ حضور علیہ السلام اپنی نفاستِ مزاج کے باعث بدبو کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں نے مغافیر تو نہیں کھایا البتہ زینب کے ہاں شہد نوش کیا ہے۔ اس کے بعد میں شہد نہیں پیوں گا، تم کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔'' (ضیاء القرآن، جلد پنجم، صفحہ ۲۹۳)

''زمخشری معتزلی اور اُس کے پیروکاروں نے یہاں بڑی ٹامک ٹوئیاں ماری ہیں اور ایسی باتیں لکھی ہیں جن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامنِ عصمت پر حرف آتا ہے۔ آپ ائمہ اہلِ تفسیر ملاحظہ فرمائیں جنہیں رب تعالیٰ نے حق فہمی اور حُبِّ مصطفیٰ دونوں نعمتوں سے مالا مال فرمایا ہے۔''

Marfat.com

علامہ ابو حیان اندلسی اپنی تفسیر ''البحر المحیط'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یَآاَیُّھَا النَّبِیُّ سے خطاب فرما کر اپنے حبیب علیہ السلام کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے' شرفِ ندا سے سرفراز فرمایا ہے اور از راہِ لطف و محبت دریافت کیا ہے کہ اے حبیبِ محتشم! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ اس کا قرینہ یہ ہے کہ پہلے بڑے احترام سے خطاب فرمایا' پھر سوال کیا جس طرح سورۃ التوبہ کی آیت ۴۳ عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ میں ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ تحریم سے مراد تحریم شرعی نہیں یعنی جس طرح وحیِ الٰہی سے کسی چیز کو جو پہلے حلال تھی حرام کر دیا جاتا ہے اور اس کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ یہ حرام ہے بلکہ یہاں تحریم سے مراد امتناع ہے یعنی کسی چیز کے استعمال سے رُک جانا جیسے کوئی شخص کسی حلال اور مباح چیز کے استعمال سے اپنے آپ کو باز رکھ لیتا ہے اور کبھی یہ امتناع کسی ایسے شخص کی دلجوئی کے لئے ہوتا ہے جس کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں کہ ہم زمخشری کی عبارت نقل کرنے سے دانستہ گریز کر رہے ہیں کیونکہ اُس نے ایسی باتیں لکھی ہیں جو عصمتِ نبوّت کے خلاف ہیں۔ علامہ آلوسی نے بھی تحریم کا مفہوم امتناع ہی بیان کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ایک حلال چیز کو استعمال کرنے سے کیوں رک گئے ہیں۔''

علامہ آلوسی اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''اگرچہ آپ نے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا' زیادہ سے زیادہ اَولیٰ کا ترک ہوا لیکن آپ کے عالی اور کریم مقام کے لئے یہ بھی مناسب نہ تھا لیکن ہم غفور ہیں ہم نے معاف کر دیا۔ مزید فرماتے ہیں کہ آیت میں جو عتاب ہے وہ کسی ناراضگی کی وجہ سے نہیں بلکہ مزید اعتنا کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کو آپ کی ہر ہر ادا کا خیال ہے۔ اُسے یہ گوارا نہیں کہ آئینۂ نبوّت پر ادنیٰ سا بھی غبار پڑے۔ زمخشری کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ اُس کا قدم یہاں بھی پھسل گیا ہے۔ اس نے تحریم سے مراد شرعی تحریم لی ہے جو گناہ ہے اور لفظ ''غــفــور'' میں اسی گناہ کی آمرزش کی طرف اشارہ ہے۔ آلوسی کہتے ہیں کہ ابن منیر نے یہاں زمخشری کے خوب بخیے اُدھیڑے ہیں۔ ابن منیر کی تنقید کا حاصل یہ ہے کہ زمخشری نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں جو کچھ کہا ہے وہ اُس کا اپنا گھڑا ہوا افترا ہے اور حضور علیہ السلام کی ذاتِ اقدس اس سے بَری ہے کیونکہ حلال کی تحریم کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ کسی حلال چیز کو حرام اعتقاد کر لیا جائے۔ یہ ممنوع ہے بلکہ کفر ہے اور نبی معصوم سے اس کا صدور ممکن نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ حلال کو حلال ہی سمجھا جائے لیکن اس کے استعمال سے اجتناب کیا جائے۔ ایسا کرنا مباح اور حلال ہے (جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے عرق النسا بیماری کی وجہ سے اونٹ کا گوشت اور دودھ اپنے اوپر ممنوع کر لیا تھا بحوالہ سورہ آلِ عمران: آیت ۹۳ حالانکہ یہ دونوں چیزیں حلال ہیں) اور حضور علیہ السلام کی تحریم کی یہی صورت تھی۔

آگے چل کر علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عتاب کی وجہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی ازواج کی خوشنودی کے لئے اپنے اوپر پابندی عائد کر لی جس سے حضور علیہ السلام کو تکلیف ہوئی۔ رب تعالیٰ کو یہ ہرگز

Marfat.com

گوارا نہیں کہ اُس کے محبوب کو تکلیف پہنچے۔ اس لئے فرمایا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ کو اپنی ازواج کی خوشنودی مطلوب ہے تو مجھے آپ کا آرام اور آپ کی راحت مرغوب ہے۔ ایسی ناروا پابندیوں کی اجازت میں آپ کو کیونکر دے سکتا ہوں!''

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شہد کو حرام کرنا اس لئے نہیں کہ آپ کو علم نہیں تھا بلکہ اس کی وجہ قرآنِ کریم نے خود بتا دی کہ آپ اپنی ازواج کی دلجوئی کرنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی وجہ کو پسِ پشت ڈال کر اپنی طرف سے عدمِ علم کو اس کا سبب قرار دینا ایک مؤمن کو تو ہرگز زیب نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ حق فہمی کی صلاحیت سلب کر لیتا ہے تو اسی قسم کے دل خراش الفاظ انسان کی زبان سے نکلتے ہیں۔'' (ضیاء القرآن' جلد ۵' صفحہ ۲۹۶)

(98) وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُO اِنْ تَتُوْبَا اِلَی اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌO عَسٰی رَبُّهٗ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًاO (التحریم:۳۔۵)

''اور جب نبی (ﷺ) نے اپنی ایک زوجہ سے ایک رازدارانہ بات ارشاد فرمائی' پھر جب وہ اُس (بات) کا ذکر کر بیٹھیں اور اللہ نے نبی (ﷺ) پر اُسے ظاہر فرما دیا تو نبی (ﷺ) نے اُنہیں اُس کا کچھ حصّہ جتا دیا اور کچھ حصّہ (بتانے) سے چشم پوشی فرمائی' پھر جب نبی (ﷺ) نے اُنہیں اس کی خبر دے دی (کہ آپ راز افشاء کر بیٹھی ہیں) تو وہ بولیں: آپ کو یہ کس نے بتا دیا؟ نبی (ﷺ) نے فرمایا کہ مجھے بڑے علم والے نے' بڑی آگاہی والے (رب) نے بتا دیا ہے۔ اگر تم دونوں اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو (تو تمہارے لئے بہتر ہے) کیونکہ تم دونوں کے دل (ایک ہی بات کی طرف) جھک گئے ہیں' اگر تم دونوں نے اس بات پر ایک دوسرے کی اعانت کی (تو یہ نبی مکرّم ﷺ کے لئے باعثِ رنج ہو سکتا ہے) سو بیشک اللہ ہی اُن کا دوست و مددگار ہے' اور جبریل اور صالح مؤمنین بھی اور اس کے بعد فرشتے بھی (اُن کے) مددگار ہیں۔ اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو عجب نہیں کہ اُن کا رب اُنہیں تم سے بہتر بیویاں بدلہ میں عطا فرما دے (جو) فرمانبردار' ایماندار' اطاعت گزار' توبہ شعار' عبادت گزار' روزہ دار' (بعض) شوہر دیدہ او (بعض) کنواریاں ہوں گی۔'' (۶۶:۵-۳)

''وہ بات کیا تھی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رازداری سے اپنی ایک رفیقہِ حیات کو بتائی تھی اور کسی دوسری سے اس کا ذکر کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ جن علماء نے شہد والی حدیث کو اِن آیات کے نزول کا سبب تسلیم کیا ہے' اُن کے نزدیک وہ راز حضور علیہ السلام کا یہ قول تھا کہ میں پھر شہد نہیں کھاؤں گا اور تم یہ کسی کو نہ بتانا کہ میں نے شہد نہ کھانے کی قسم کھائی ہے۔'' (ضیاء القرآن' جلد پنجم' صفحہ ۲۹۷)

Marfat.com

''ہمارے لئے اتنا سمجھنا ہی کافی ہے کہ کوئی راز کی بات تھی جو حضور علیہ السلام نے اپنی ایک زوجہ کو بتائی اور اُنہیں تاکید کر دی کہ کسی دوسری کو اس کا پتہ نہ چلے لیکن وہ اس راز کو اِفشا کر بیٹھیں۔ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو آگاہ کر دیا کہ آپ کی اہلیہ نے وہ راز افشا کر دیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے جب اُس زوجہ کو بتایا کہ تم نے یہ راز ظاہر کر دیا ہے تو وہ حیران رہ گئیں اور خیال کیا کہ شاید دوسری بیوی نے بتایا ہوگا۔ پوچھا: حضور! آپ کو کس نے آگاہ کیا ہے کہ میں نے یہ راز فاش کر دیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے خبر دی ہے جو سب کچھ جاننے والا اور ہر راز سے باخبر ہے۔ قرآن میں صراحت سے اُس راز کو بیان نہیں کیا گیا لیکن راز کے افشا ہونے اور اس پر افشا کرنے والی کو سرزنش کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔''

تَتُوْبَا کا فاعل حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے اِس آیت کا مصداق پوچھا تو آپ نے ان ہی دو کا نام لیا۔ توبہ کی وجہ بتا دی فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا (تمہارے دل مائل ہو گئے ہیں) کہ آپ کا دل دوسری ازواج کی طرف سے ہٹا کر آپ کو صرف اپنا بنالیں۔ اس میں چونکہ دوسری بیویوں کے حقوق کا اِتلاف ہے اس لئے اس سے توبہ کرانا ضروری قرار پایا (تفسیر ماجدی، صفحہ ۱۱۲۱، نوٹ: ۷)۔

خیال رہے کہ یہاں زَاغَتْ (بہ معنی ٹیڑھا ہونا) کا لفظ نہیں استعمال ہوا بلکہ صَغَتْ کا لفظ استعمال ہوا ہے تو اس کا ترجمہ ''تمہارے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں یا سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں'' کسی طرح مناسب نہیں۔ یہاں رب تعالیٰ نبی علیہ السلام کی ازواج کا بھی آپ ﷺ کی وجہ سے اکرام فرما رہا ہے۔

وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ میں یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر تم دونوں نے میرے حبیب ﷺ کو ایذا دینے پر ایکا کر لیا تو تم اُن کا کچھ بگاڑ نہ سکو گی کیونکہ آپ ﷺ کا مددگار رب تعالیٰ ہے، کرّوبین کا سردار جبریل اور نیک بخت اہلِ ایمان آپ کے مددگار ہیں۔ ان کے علاوہ فرشتوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ آپ کی اعانت کے لئے تیار کھڑے ہیں۔ جس کی مدد کرنے والا اللہ تعالیٰ ہو، جس کی نصرت و تائید کرنے والے ایسے جلیل القدر لوگ ہوں، اُسے بھلا کوئی کیا گزند پہنچا سکتا ہے!

آیت پنجم میں ازواجِ مطہرات کو تادیب کی جارہی ہے کہ بے شک تمہاری بڑی شان ہے، تم معزز خاندانوں کی چشم و چراغ ہو لیکن اگر تم نے میرے نبیِ مکرم کی خوشنودی حاصل نہ کی اور تمہاری کسی غلطی سے ناراض ہو کر آپ نے تمہیں اپنے شرفِ زوجیت سے محروم کر دیا تو نقصان تمہارا ہی ہوگا، اُنہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ ہم اُن کی زوجیت کے لئے ایسی بیبیاں فراہم کر دیں گے جو تم سے بہتر ہوں گی اور ان تمام مذکورہ خوبیوں سے بدرجہ اتم موصوف ہوں گی جن کا نبی آخر الزماں ﷺ کی ازواجِ مطہرات میں پایا جانا ضروری ہے۔

خَيْرًا مِّنْكُنَّ سے یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہئے کہ پیغمبر علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات سے بہتر کوئی اور بیبیاں

Marfat.com

تھیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی تبدیلی واقع ہو تو قادرِ مطلق اللہ اپنے پیغمبر کو موجودہ بیویوں سے بہتر بیویاں فراہم کرسکتا ہے۔ لیکن چونکہ کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اس لئے آپ کی موجودہ ازواج کے بدلے میں کوئی اور بیویاں نہیں لائی گئیں کیونکہ آپ کی یہ ازواج اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ سے وفاداری اور حق وصداقت کو ترقی دینے کا عملی نمونہ تھیں۔

آیات سے اخذ شدہ نکات: (۱) آیت سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ اپنے اہلِ خانہ سے راز کی بات کہنا درست ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس کو رازدار بنایا جائے وہ اُس راز کی پوری پوری نگہداشت کرے۔ (۲) اُس راز کا افشا کرنا گناہ کی بات ہے جس کی سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے۔ (۳) اعتماد کو ٹھیس پہنچانے والے فریق کو فوراً توبہ کرکے اپنے عمل کی تطہیر کرلینا ضروری ہے۔ (۴) کھلم کھلا اور علانیہ توبہ سے جھجکنا نہیں چاہئے اور اس میں ضد، تعصب یا نفسِ امارہ کے دواعی کو مانع نہیں ہونا چاہئے۔ (۵) اگر لوگ لاشعوری طور پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطرات میں ڈالیں تو کوئی اُنہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ رب تعالیٰ خود اُس کے ساتھ صالح مؤمنین اور جبریل علیہ السلام جیسا طاقتور فرشتہ اُن کا حامی وناصر ہے جس نے اپنے زورِ بازو سے قومِ لوط کی بستی کو زمین و آسمان کے درمیان اس طرح اُلٹا دیا تھا جس طرح کسی طشتری کو پلٹا دیا جاتا ہے۔ اس سے ہمیں یہ عمومی سبق ملتا ہے کہ نیک و صالح آدمی بہ اذنِ الٰہی اپنے آس پاس کی روحانی طاقتوں کی حفاظت میں ہوتا ہے۔ (۶) ضروری نہیں کہ دوشیزگان اور اُٹھتی جوانی والی لڑکیاں اپنے خاوند کے لئے ہمیشہ خوش اندام، لائقِ محبت اور دوست دار (Amiable) ہوں۔ بعض صورتوں اور بعض حالات میں بیوگان اور طلاق یافتہ عورتیں بھی دوست دار اور خوش آئند ثابت ہوسکتی ہیں اور اِسی لئے انسانی فطرت اور اس کے مزاج کو خوب سمجھنے والے اللہ نے اُن کا ذکر کرنے کو ضروری سمجھا۔

(۵۶) اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاO

(الاحزاب: ۵۶)

''بے شک اللہ اور اُس کے فرشتے نبی علیہ السلام پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب خوب سلام بھیجا کرو۔'' (۳۳ : ۵۶)

اللہ کی رحمت بھیجنا تو ظاہر ہی ہے۔ مسلمانوں اور فرشتوں کی صلوٰۃ بھیجنے کے معنی یہ ہیں کہ اُنہیں حکم مل رہا ہے کہ رسول پر اُس رحمتِ خاص کی دعا کرتے رہیں اور اسے اُن کے حق میں طلب کرتے رہیں۔ اسی کو عرفِ عام میں درود بھیجنا کہتے ہیں۔ یہاں صلوٰۃ سے مراد رحمتِ عام نہیں بلکہ نبی کے شایانِ شان رحمتِ خاص مراد ہے۔ یہ خیال بھی بالکل غلط ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود وسلام بھیجنے سے نبی ﷺ کا کوئی فائدہ ہے بلکہ پڑھنے اور بھیجنے والے کے درجات کی بلندی کا ایک بہانہ رب تعالیٰ نے بنا دیا ہے۔

امام مرتضیٰ الزّبیدی ''تاج العروس'' میں صلوٰۃ کا معنیٰ لکھتے ہیں:

Marfat.com

قَالَ ابْنُ الاعرابی اَلصَّلاۃُ مِنَ اللّٰہِ اَلرَّحْمَۃُ وَمِنْہُ ھُوَالَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ اَیْ یَرْحَمُ

''ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے صلوٰۃ کا معنیٰ ''رحمت'' ہے اور یہی اس آیت کا معنیٰ ہے'' وہ تم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے'' یعنی ''وہ تم پر رحمت بھیجتا ہے۔''

علامہ راغب اصفہانی (م ۵۰۲ ھ) لکھتے ہیں:
''اللہ تعالیٰ کا محمد ﷺ پر صلوٰۃ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اُن کی حمد و ثنا فرماتا ہے اور اُن کا تزکیہ فرماتا ہے۔ فرشتوں کی صلوٰۃ پڑھنے کا مطلب ہے کہ وہ اللہ سے نبی علیہ السلام کے لئے رحمت طلب کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی صلوٰۃ پڑھنے کا مطلب ہے کہ وہ اپنے نبی علیہ السلام کے لئے اللہ کی برکت و رحمت کے نزول کی دعا کرتے ہیں۔'' (المفردات' ج ۲' ص ۳۷۴' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

قاضی عیاض نے فرمایا:
''سلام کا معنیٰ ہے تسلیم کرنا' مان لینا' اطاعت کرنا اور سر تسلیم خم کرنا۔ گویا مؤمنوں سے فرمایا ہے کہ تم لوگ آپ پر صلوٰۃ پڑھو اور اس حکم کو مان لو' تسلیم کرلو اور اس کی اطاعت کرو۔'' (الشفاء' ج ۲' ص ۵۱' ۵۰)

''ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہ' وتعالیٰ نے ہمیں آپ پر صلوٰۃ پڑھنے کا حکم دیا اور ہمیں معلوم نہیں تھا کہ آپ کا مرتبہ کیا ہے اور آپ پر کس طرح صلوٰۃ پڑھنی چاہئے تو ہم نے صلوٰۃ پڑھنے کو اللہ کے سپرد کر دیا اور ہم نے کہا: اے اللہ! اپنے رسولِ مکرّم کے مرتبہ کو تو ہی جاننے والا ہے' اُن کے مرتبہ کے موافق تو ہی اُن پر صلوٰۃ پڑھ سکتا ہے' سو تو ہی اُن پر صلوٰۃ پڑھ۔'' (مجمع بحار الانوار' ج ۳' ص ۳۴۷ بحوالہ تبیان القرآن' ج ۹' ص ۵۳۴)

صَلُّوْا اَمر کا صیغہ ہے جس کا معنیٰ ہے ''تم درود بھیجو'' اور سَلِّمُوْا بھی امر کا صیغہ ہے جس کا معنیٰ ہے ''تم سلام بھیجو''۔ دونوں صیغوں کی نوعیت یکساں ہے لیکن سَلِّمُوْا کے ساتھ تَسْلِیْمًا کا اضافہ ہونے سے وہ مفعولِ مطلق بن گیا اور سلام کی معنویت میں زور پیدا ہو گیا کیونکہ مفعولِ مطلق سے معنیٰ میں زور (Emphasis) پیدا ہو جاتا ہے۔ نبی مکرّم ﷺ نے سلام بھیجنے کا طریقہ یہ بتایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ اور درود بھیجنے کا طریقہ یہ بتایا: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔ صلوٰۃ و سلام کسی بھی انداز سے پڑھا جائے' جائز ہے۔ چاہے کوئی اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ پڑھے یا اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ پڑھے' ہر صورت میں اللہ کے حکم پر عمل ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اور بھی کئی درود مروی ہیں جن کے صیغے مختلف ہیں اور اپنی ضرورت و خواہش کے مطابق اُنہیں پڑھنا بھی جائز ہے۔

معلوم ہوا کہ درود بھیجنا ذکرِ الٰہی اور عبادت کی اعلیٰ ترین صورت ہے۔ تمام عبادات یعنی نماز' روزہ' حج' صدقات و خیرات و زکوٰۃ یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں سر کٹانا وغیرہ کسی بھی کارِ خیر کی قبولیت کی ضمانت نہیں دی جا سکتی

Marfat.com

لیکن درود پاک بہر صورت رب کے ہاں منظور و مقبول ہے کیونکہ رب تعالیٰ خود اِس عمل میں شامل ہے۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ بجائے اسمِ ذات مُحَمَّد لانے کے جیسا کہ قرآن کا عام دستور حضرت انبیاء علیہم السلام کے معاملہ میں ہے، اسمِ صفت النَّبی کا لانا حضور علیہ السلام کے مزید اعزاز و اکرام کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو اپنے محبوبِ مکرم ﷺ کی تعظیم و توقیر کا بڑی سختی سے حکم فرمایا:

لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (سورۃ الفتح: ۹)

''تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اُن (کے دین) کی مدد کرو اور اُن کی (بہ دل و جان) تعظیم و توقیر کرو۔'' (۴۸ : ۹)

درود کے ساتھ سلام کا حکم کیوں؟ اس ضمن میں پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری لکھتے ہیں:

''نبی مکرم ﷺ کے اعلیٰ اور رفیع مرتبہ کے پیشِ نظر مؤمنوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے نبی پر نہ صرف صلوٰۃ یعنی درود بھیجیں بلکہ سلام بھی بھیجیں۔ سلام بالعموم کسی ممتاز شخصیت، قائد و پیشوا یا سیاست دان کو کیا جاتا ہے۔ لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مرتبہ و مقام رب تعالیٰ کے نزدیک اُن شخصیات سے کہیں زیادہ بلند و بالا ہے جنہیں سلام کیا جانا چاہئے اور یہ چیز آپ ﷺ کے خصائلِ حمیدہ اور بے مثل طرزِ زندگی کی وجہ سے ہے۔''

درود و سلام کا حکم صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے خاص کیوں؟ اس کی اصل وجہ تو مالکِ کون و مکاں ہی بہتر جانتا ہے لیکن کچھ مفسرین کے نزدیک اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ دینِ حق کی تبلیغ اور جبینِ انسانیت کو ایک خدائے واحد کے حضور جھکانے میں جن تکالیف اور اعصاب شکن مصائب کو آپ نے جھیلا، کسی اور نبی یا رسول نے نہیں جھیلا اور اس ضمن آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی بھی ہے کہ مجھ سے پہلے اگر تمام انبیائے کرام کی جھیلی ہوئی تکالیف و مصائب کو ترازو کے ایک پلڑے میں اور مجھ اکیلے کی تکالیف کو ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے، تو میرا پلڑا اُن سب سے بھاری ہوگا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنا سنتِ الٰہیہ ہے: جیسا کہ سورۃ الاحزاب کی مندرجہ بالا آیت ۵۶ سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنے کا نہ صرف حکم ہے بلکہ یہ سنت الٰہیہ بھی ہے۔ ماحول، ضرورت اور زمانے کے بدلنے سے احکام میں تبدیلی ہو جاتی ہے مگر سنتِ الٰہیہ میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ سنت کو ہمیشہ ابدی، دائمی اور آفاقی قانون کا درجہ حاصل رہتا ہے جو ہر دَور میں بحالہ ایک ہی شکل میں قائم و برقرار رہتا ہے (بحوالہ سورہ فاطر: ۴۳ و سورۃ الفتح: ۲۳)۔ لٰہذا مؤمنوں کے لئے فرض ہے کہ وہ سنتِ الٰہیہ میں شریک ہوتے ہوئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بکثرت درود و سلام بھیجا کریں۔

Marfat.com

یہاں پہنچ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے رب کے ہاں رفعتِ مقام کا پتہ چلتا ہے۔ اسلام کی تمام اقسامِ عبادات (نماز، روزہ، حج وغیرہ) نبی علیہ السلام کی سنتِ مبارکہ ہیں نہ کہ اللہ کی کیونکہ اللہ نماز نہیں پڑھتا، نہ ہی وہ روزہ رکھتا ہے اور نہ ہی حج کرتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنا اُس کی سنتِ مبارکہ ہے اور اسی لئے درودِ پاک کو سب عبادات سے زیادہ معزز، شاندار، ترجیحی اور ارفع عمل سمجھا گیا ہے۔

مختلف طریقہ ہائے عبادات سے متعلق احکاماتِ الٰہیہ کچھ اصول وضوابط کے ماتحت ہیں مثلاً پنجگانہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جاتی ہے اور اس کی قبولیت سنتِ رسول کے مطابق ادا ہونے کے ساتھ مشروط ہے۔ اسی طرح روزوں میں بھی کچھ اصولوں کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے یعنی سنتِ رسول کے تمام طریقہ ہائے عبادت کے اپنے اپنے تقاضے ہیں۔ لیکن چونکہ صلوٰۃ وسلام چونکہ خالقِ کائنات کا طریقہ ہے اس لئے وہ وقت اور دوسرے ذیلی واجبات کا پابند نہیں۔

''آیت مذکورہ کا سادہ سا گرائمری تجزیہ اس نکتے کو مزید واضح کرنے میں مددگار ثابت ہوگا۔ عربی گرامر میں جملے کی دو قسمیں ہوتی ہیں: جملہ فعلیہ جس میں فعل ظاہر ہوتا ہے اور جملہ اسمیہ جو محض نام کا جملہ ہوتا ہے۔ جملہ فعلیہ کسی خاص وقت (ماضی، حال یا مستقبل) سے متعلق ہوتا ہے اور وہ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔ وقت بھی غیر مستقل اور عارضی چیز ہے۔ اگر یہ زمانہ حال میں ہے تو اُسے بہرحال جانا ہے اور اگر زمانہ مستقبل سے متعلق ہے تو اُسے ابھی آنا ہے۔''

''تاہم جملہ اسمیہ تمام اوقات کو اپنے اندر لئے ہوتا ہے۔ یہ دائمی اور مستقل ہوتا ہے۔ ایک نام سے منسلک ہونے کے بعد اس کا تعلق تمام اوقات سے ہو جاتا ہے۔ آیت مذکورہ ۵۶ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جملہ اسمیہ سے بات شروع کی ہے۔ زمانہ ماضی کا صیغہ کہ ''اللہ اور اس کے فرشتوں نے درود بھیجا'' کی بجائے یا زمانہ مستقبل کا صیغہ کہ ''اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجیں گے'' استعمال کرنے کی بجائے زمانہ حال میں بات کی ہے کہ ''اللہ اور اُس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں''۔ یہ کوئی حکم یا ہدایت نہیں بلکہ ایک حقیقت کا اعلان ہے جو ہمیشہ جاری رہے گا۔ اس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود وسلام کا عمل ایک غیر منقطع اور دائمی عمل ہے۔''

''صلوٰۃ'' اور ''سلام'' میں فرق: جیسا کہ آیت مذکورہ ۵۶ سے معلوم ہوا کہ زور سلام پر ہے، صلوٰۃ پر نہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ مانوسیت اور پہچان سلام سے ہوتی ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام فوراً اپنے اُس اُمتی کو پہچان لیتے ہیں جو بڑے خلوص، محبت اور تعظیم کے ساتھ آپ پر بکثرت سلام بھیجتا ہے۔ اس طرح حکمِ الٰہی نبوّت کی رفعت مقامی کا مظہر ہونے کے ساتھ ساتھ مؤمنوں کے لئے اُس کی لامحدود رحمت کا مظہر بھی ہے۔

''مؤمنوں کو درود وسلام پڑھنے پر ثواب دئے جانے کی قسم میں بھی امتیاز روا رکھا گیا ہے اور وہ امتیاز

Marfat.com

درجے اور مرتبے میں ہے۔ نبی علیہ السلام پر درود بھیجنے والوں کو اپنے اس عمل کی روحانی اجرت دی جاتی ہے۔ جس طرح ایک مزدور کو اپنی محنت کی اجرت رقم کی شکل میں دی جاتی ہے' اسی طرح درود بھیجنے والے کو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اُس کی طرف سے برکات کی شکل میں روحانی طور پر نوازا جاتا ہے۔ پیغمبر کریم ﷺ نے اپنے اُن اُمتیوں کے لئے شفاعت کی ضمانت دی ہے جو آپ پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔ عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اُنہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ' مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللّٰهُ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ'' فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَأَرْجُوا أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ (صحیح مسلم: کتاب الصلوٰۃ' سنن ابی داؤد: کتاب الصلوٰۃ' جامع ترمذی: کتاب المناقب' سنن نسائی: کتاب الاذان' مسند احمد بن حنبل' صحیح ابن خزیمہ' مشکوٰۃ المصابیح لخطیب تبریزی: کتاب الصلوٰۃ' شرح السنۃ لحسین بن مسعود بغوی' کنز العمال لعلاء الدین علی ۷:۰۰۷' بحوالہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

''جب تم مؤذّن کو اذان کہتا سنو تو اُس کے کہے ہوئے الفاظ دُہرا دو' پھر مجھ پر درود بھیجو' اس لئے کہ جو کوئی مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے' اللہ تعالیٰ اُس پر اُس کی وجہ سے دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر تم اللہ سے میرے لئے مقامِ وسیلہ کی درخواست کرو جو جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ کے ایک (خاص) بندے کو عطا کیا جائے گا اور مجھے اُمید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ اور جو کوئی میرے لئے مقامِ وسیلہ مانگے گا' تو اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی۔''

**درود وسلام معرفتِ مصطفیٰ ﷺ کا باعث:** اعمالِ صالحہ' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' صدقات وخیرات سے بھی بڑھ کر ایک اور عمل دوست کی حیثیت سے قبر میں ہمارا محافظ بنے گا اور وہ عمل حضور ﷺ پر کثرت سے درود وسلام بھیجنا ہے۔ بقیہ اعمال نے تو فرشتوں کو قریب آنے سے روکنا ہے اور اس عمل نے اس سوال، مَا تَقُولُ فِي حَقِّ هٰذَا الرَّجُلِ (اس شخصیت کے بارے میں تو کیا کہا کرتا تھا؟) کا جواب ہمیں عطا کرتا ہے یعنی معرفت مصطفیٰ ﷺ ہمیں عطا کرنی ہے کہ جب حضور ﷺ ہمارے سامنے ہوں گے تو یہ عمل ہمیں آپ علیہ السلام کو پہچاننے میں معاونت کرے گا۔ ذرا سوچئے! اُس شخص کا کیا حال ہوگا کہ جس کے پاس اس عملِ درود وسلام کی قلّت ہوگی' عشقِ ومحبتِ مصطفیٰ کی کمی ہوگی اور وہ قبر میں حضور ﷺ کی پہچان نہ کر سکے گا۔ (العیاذ باللہ)

**نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کی اہمیت پر چند احادیث مبارکہ**

(ا) عَنْ طَلْحَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ جَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ وَالْبِشْرُ يُرٰى فِي وَجْهِهِ فَقَالَ: إِنَّهُ' جَاءَنِي جِبْرِيلُ فَقَالَ: أَمَا يُرْضِيكَ يَا مُحَمَّدُ! أَنْ لَا يُصَلِّيَ عَلَيْكَ أَحَدٌ'' مِّنْ أُمَّتِكَ إِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ أَحَدٌ'' مِّنْ أُمَّتِكَ إِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا (سنن نسائی: باب السھو)

Marfat.com

''حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اُنہوں نے کہا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ چمکتے دمکتے اور ہشاش بشاش چہرے کے ساتھ تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے پاس جبریل یہ پیغام لے کر آئے کہ اے قابلِ صد ستائش! (آپ کا رب فرماتا ہے کہ) کیا آپ کو یہ بات پسند نہیں کہ جب آپ کا کوئی اُمتی آپ پر ایک مرتبہ درود بھیجے تو میں اُس پر دس مرتبہ رحمت بھیجوں اور آپ کا کوئی اُمتی آپ کو ایک مرتبہ سلام کہے تو میں اُس پر دس مرتبہ سلامتی بھیجوں!''

(۲) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلْيُصَلِّ عَلَيَّ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً وَّاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحَطَّ عَنْهُ عَشْرَ سَيِّآتٍ وَّ رَفَعَهُ بِهَا عَشْرَ دَرَجٰتٍ (مسند احمد، مستدرک للحاکم، سنن نسائی، صحیح ابن حبان)

''انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کسی کے پاس میرا ذکر کیا جائے اُسے چاہئے کہ مجھ پر درود بھیجے اور جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا' اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجے گا اور اُس کے دس گناہ مٹادے گا اور اس کے دس درجے بلند فرمائے گا۔''

(۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ سَلَّمَ عَلَيَّ عَشْرًا فَكَأَنَّمَا أَعْتَقَ رَقَبَةً (الشفا لقاضی عیاض)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے مجھ پر دس مرتبہ درود بھیجا تو گویا اُس نے ایک غلام آزاد کیا۔''

(۴) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلٰوةً (ترمذی، ابن حبان، شرح السنۃ للبغوی، مشکوٰۃ المصابیح لخطیب تبریزی، میزان الاعتدال للذھبی)

''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میرے قریب ترین وہ شخص ہوگا جو مجھ پر بکثرت درود پڑھتا ہوگا۔''

(۵) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ صَلَّى عَلَيَّ حِيْنَ يُصْبِحُ عَشْرًا وَّحِيْنَ يُمْسِيْ عَشْرًا أَدْرَكَتْهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (طبرانی)

''حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھ پر صبح دس مرتبہ اور شام دس مرتبہ درود بھیجے گا' اُس کے لئے میری شفاعت واجب ہوجائے گی۔''

(۶) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَكْثِرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ وَإِنَّ أَحَدًا لَنْ يُّصَلِّيَ عَلَيَّ إِلَّا عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلٰوتُهُ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا قَالَ قُلْتُ: وَبَعْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ

Marfat.com

أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ (ابن ماجہ، السخاوی، مُلّا علی قاری)

''حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر بہ کثرت درود پڑھا کرو اس لئے کہ جمعہ کا دن برکت کا دن ہے جس میں فرشتے بہ کثرت حاضر ہوتے ہیں اور جو کوئی بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے تو جب تک بھیجنے والا فارغ نہیں ہو جاتا' وہ درود مجھ پر برابر پیش کیا جاتا رہتا ہے۔ ابوالدرداء کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: کیا آپ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی ہوگا؟ اس پر آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے۔''

(۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلصَّلٰوةُ عَلَيَّ نُوْرٌ'' عَلَى الصِّرَاطِ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثَمَانِيْنَ مَرَّةً غُفِرَتْ لَهُ ذُنُوْبُ ثَمَانِيْنَ عَامًا (شرح شفا لعلی قاری)

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر درود کا بھیجا جانا پل صراط پر نور ہوگا اور جو کوئی جمعہ کے دن مجھ پر اسّی مرتبہ درود بھیجے گا' اُس کے اَسّی برس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔''

(۸) عَنِ الْحَسَنِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ' فَخَطِيءَ الصَّلَاةَ عَلَيَّ خَطِيءَ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ (منذری ۲ : ۲۳۱)

''امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا' وہ جنت کا راستہ بھول جائے گا۔''

شیخ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ ایک شخص اپنی تحریروں میں صرف صَلَّى اللّٰهُ کے الفاظ لکھتا تھا اور وَسَلَّم نہیں لکھتا تھا۔ اُس نے نبی علیہ السلام کو خواب میں یہ فرماتے سنا کہ تم وَسَلَّم نہ لکھ کر چالیس ثواب کیوں ضائع کرتے ہو؟'' (''فضائل درود شریف'' ---مولانا محمد زکریا' صفحہ ۹۲) تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی۔

نوٹ: وَسَلَّم میں چار حروف ہیں اور ہر حرف کے دس ثواب ہیں' اس طرح ۱۰x۴=۴۰ ثواب ہوئے۔

**اُن لوگوں کی مذمت میں احادیث جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود وسلام نہیں بھیجتے**

(۱) إِنَّ أَبْخَلَ النَّاسِ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ' وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ (کنز العمال لعلاء الدین علی ۱: ۴۸۹)

''لوگوں میں بخیل ترین وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''

(۲) رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ' فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ (الجامع الصحیح ترمذی' کتاب الدعوات)

''اُس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''

Marfat.com

(۳) عَنْ أَبِی هُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : مَا جَلَسَ قَوْمٌ" مَجْلِسًا لَمْ یَذْکُرُوا اللّٰہَ تَعَالٰی فِیْہِ وَلَمْ یُصَلُّوْا عَلٰی نَبِیِّھِمْ ﷺ إِلَّا کَانَ عَلَیْھِمْ تِرَۃً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَإِنْ شَاءَ عَذَّبَھُمْ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَلَھُمْ (احمد وابوداؤد وغیرھا)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر لوگ ایسی مجلس میں بیٹھیں جس میں نہ تو وہ اللہ کا ذکر کریں اور نہ ہی اس کے رسول ﷺ پر درود بھیجیں تو وہ مجلس اُن کے لئے قیامت کے دن حسرت وندامت کا باعث بن جائے گی۔ اللہ چاہے تو اُنہیں عذاب دے اور چاہے تو اُنہیں معاف کر دے۔''

(۴) عَنْ کَعْبِ بْنِ عُجْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : أُحْضُرُوا الْمِنْبَرَ فَحَضَرْنَا فَلَمَّا ارْتَقٰی دَرَجَۃً قَالَ : آمِیْنَ ثُمَّ ارْتَقَی الثَّانِیَۃَ فَقَالَ: آمِیْنَ ثُمَّ ارْتَقَی الثَّالِثَۃَ فَقَالَ: آمِیْن فَلَمَّا نَزَلَ قُلْنَا: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! قَدْ سَمِعْنَا مِنْکَ الْیَوْمَ شَیْئًا مَا کُنَّا نَسْمَعُہ' فَقَالَ : إِنَّ جِبْرِیْلَ عَرَضَ لِیْ فَقَالَ : بَعُدَ مَنْ أَدْرَکَ رَمَضَانَ فَلَمْ یُغْفَرْلَہ' فَقُلْتُ : آمِیْن۔ فَلَمَّا رَقِیْتُ الثَّانِیَۃَ قَالَ : بَعُدَ مَنْ ذُکِرْتَ عِنْدَہ' فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْکَ فَقُلْتُ : آمِیْن فَلَمَّا رَقِیْتُ الثَّالِثَۃَ قَالَ : بَعُدَ مَنْ أَدْرَکَ أَبَوَیْہِ الْکِبَرَ عِنْدَہ' أَوْ أَحَدَھُمَا فَلَمْ یُدْخِلَاہُ الْجَنَّۃَ قُلْتُ آمِین (صحیح بخاری فی برّ الوالدین' مستدرک لحاکم' صحیح ابن حبان' السخاوی)

''حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ منبر لاؤ۔ ہم نے منبر پیش کیا۔ جب آپ پہلی سیڑھی پر چڑھے تو آپ نے آمین فرمایا۔ جب آپ دوسری سیڑھی پر چڑھے تو آپ نے آمین فرمایا۔ پھر آپ تیسری سیڑھی پر چڑھے تو آپ نے آمین فرمایا۔ جب آپ نیچے اترے تو ہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہم نے آج آپ سے وہ چیز سنی ہے جو پہلے نہیں سنی تھی۔ آپ نے فرمایا: جبریل میرے پاس آئے اور کہا کہ وہ شخص اللہ کی رحمت سے دُور ہو جس نے ماہِ رمضان پایا لیکن (اُس کا احترام نہ کرنے کی وجہ سے) اُس کی بخشش نہ ہو سکی تو میں نے آمین کہا۔ جب میں دوسری سیڑھی پر چڑھا تو جبریل نے کہا: وہ شخص رحمتِ الٰہی سے دُور ہو جس کے سامنے آپ کا نام لیا گیا اور اُس نے آپ پر درود نہ پڑھا تو میں نے آمین کہا۔ جب میں تیسری سیڑھی پر چڑھا تو جبریل نے کہا: وہ شخص رحمتِ الٰہی سے دُور ہو جس نے اپنے بوڑھے والدین یا اُن میں سے ایک کو پایا اور وہ اُسے جنت میں لے جانے کا سبب نہ بن سکے۔ تو (اس پر) میں نے کہا آمین۔

<u>فرشتوں کا درود وسلام</u> : منصب نبوّت کی عظمت ورفعت کا یہ ایک اور بیّن اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف مؤمنوں کو درود وسلام بھیجنے کا حکم دیتا ہے بلکہ وہ آسمانی مخلوق کو بھی جو کہ معصوم عن الخطا' نیک وپاک اور نوری ہیں' اسی قسم کا حکم دیتا ہے۔ فرشتے بھی صبح سے لے کر شام تک مؤمنوں کے پُر خلوص محبت بھرے درود وسلام پہنچاتے رہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام اپنی اُمّت کے اِن تحائف کو پسند فرماتے ہیں اور ان بھیجنے والوں پر برکات ورحمتِ الٰہی

Marfat.com

کے نزول کی دعا کرتے ہیں جیسا کہ آپ نے فرمایا :

(۱) اِنَّ لِلّٰہِ مَلَائِکَۃً سَیَّاحِیْنَ فِی الْاَرْضِ یُبَلِّغُوْنَنِیْ مِنْ اُمَّتِیَ السَّلَامَ (سنن نسائی، المعجم الکبیر لطبرانی، شعب الایمان لاحمد بن حسین البیہقی)

''روئے زمین پر اللہ کے چلنے پھرنے والے فرشتوں کے دستے مجھ تک میری اُمت کے بھیجے گئے سلام پہنچا دیتے ہیں۔''

(۲) صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ کُنْتُمْ (سنن ابی داؤد، مجمع الزوائد للہیثمی)

''مجھ پر درود بھیجا کرو اس لئے کہ تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے جہاں کہیں بھی تم ہو۔''

(۳) مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ، وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُہٗ، (شعب الایمان للبیہقی، کنز العمال لعلاء الدین علی)

''جو شخص میرے مزارِ مبارک کے قریب مجھ پر درود بھیجے، میں اُسے سنتا ہوں اور جو شخص مجھ پر دُور سے درود بھیجے، تو وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔'' (پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری، صفحات ۴۱، ۴۲)

''صلوٰۃ وسلام کا قبول ہونا: صلوٰۃ وسلام کو اللہ تعالیٰ ہر وقت قبول فرماتا ہے اور ہمیشہ اس ہدیے کو تسلیم کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی معصیت پیشہ اور فاسق و فاجر شخص بھی صلوٰۃ وسلام کا تحفہ پیش کرے تو اُسے بھی بہر حال قبول کر لیا جاتا ہے۔''

''سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک معصیت پیشہ اور فاسق و فاجر کی طرف سے پیش کیا گیا درود وسلام آخر کیوں قبول کیا جاتا ہے اور اس کے پس پردہ حکمت کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ صلوٰۃ اور سلام کے معانی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت و برکات، قربِ الٰہی اور نبی علیہ السلام کے نامِ نامی کی بلندی اور رفعت کے لئے دعائیہ کلمات ہیں۔ نبی ﷺ پر نوازشات و عنایاتِ ربانی پہلے ہی سے ہیں (بحوالہ سورۃ النجم: آیات ۸، ۹ اور سورۃ الانشراح: آیت چہارم)۔ جب بندہ اللہ سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر رحمتیں بھیجنے کی درخواست کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں تو پہلے ہی اپنے نبی پر رحمتیں اور عنایتوں کی برکھا کر رہا ہوں اور اُنہیں اپنا قرب عطا کر رہا ہوں۔ تاہم اے میرے پرستار بندے! چونکہ تو نے اپنی ذات کے لئے مجھ سے کچھ نہیں مانگا بلکہ بے غرضی اور کمال خلوص سے میرے نبی پر درود وسلام کا تحفہ بھیجا ہے، اس لئے تمہارے عریضے کو پذیرائی بخشتے ہوئے اُسے قبول کیا جاتا ہے، قطع نظر اس بات کے کہ تو گنہگار ہے یا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صلوٰۃ وسلام کو بہر حال قبول کر لیا جاتا ہے۔''

سلام اور دوسری عبادتوں کی قبولیت: جیسا کہ پہلے بیان ہوا کسی بھی عبادت (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ و خیرات وغیرہ یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں گردن کٹوانے تک) کی عند اللہ قبولیت کی ضمانت کسی کے پاس نہیں کہ شاید

Marfat.com

اُن میں کسی قسم کا سُقم یا خامی رہ گئے ہوں اور اس وجہ سے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں قبول کرے یا نہ کرے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تبارک وتعالیٰ کو اُس کی تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ پیارے اور محبوب ہیں اور جو شخص اللہ کے اِس محبوبِ مکرّم پر درود وسلام کا تحفہ ارسال کرتا ہے، رب تعالیٰ اُس سے خوش ہو کر اُس کے اس عمل کو یقیناً شرف قبولیت عطا فرماتا ہے کیونکہ یہ عمل خود رب تعالیٰ کا اپنا عمل بھی تو ہے۔

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابی اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی کہ وہ اپنے نبی (یعنی مجھ) پر بہ کثرت اور بالعموم درود وسلام بھیجا کریں۔ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! اِنِّي أُكْثِرُ الصَّلوٰةَ عَلَيْكَ فَكَمْ أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلوٰتِيْ؟ فَقَالَ: مَا شِئْتَ قُلْتُ: اَلرُّبُعَ قَالَ: مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَهُوَخَيْرٌ'' لَّكَ - قُلْتُ: اَلنِّصْفُ قَالَ: مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَهُوَخَيْرٌ'' لَّكَ - قُلْتُ: فَالثُّلُثَيْنِ؟ قَالَ: مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَهُوَخَيْرٌ'' لَّكَ - قُلْتُ: اَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِيْ كُلَّهَا؟ قَالَ: اِذًا تُكْفٰى هَمُّكَ وَيُغْفَرُلَكَ ذَنْبُكَ (ترمذی ومستدرک للحاکم)

''میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ پر بہ کثرت درود بھیجتا ہوں تو میں اس عمل پر اپنا کتنا وقت آپ کے لئے مخصوص کر دوں؟ آپ نے فرمایا: اس قدر کہ جتنا تم چاہو۔ میں نے عرض کیا: کیا یہ چوتھائی وقت ہو جائے؟ آپ نے فرمایا: جیسے تمہاری مرضی، لیکن اگر تم اس میں کچھ اور اضافہ کر دو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ میں نے عرض کیا: تو کیا یہ آدھا وقت ہو جائے؟ آپ نے فرمایا: جیسے تمہارے مرضی، لیکن اگر تم اس میں کچھ اور اضافہ کر دو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ میں نے پھر عرض کیا: تو کیا وہ دو تہائی ہو جائے؟ آپ نے فرمایا: جیسے تمہاری مرضی، لیکن اگر تم اس میں کچھ اور اضافہ کر دو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ میں نے عرض کیا: تو کیا میں اپنا سارا وقت آپ پر درود پڑھنے کے لئے وقف نہ کر دوں؟ اِس پر آپ نے فرمایا: تب تو یہ بات تمہیں فکر وغم سے محفوظ رکھے گی اور تمہارے گناہ معاف کر دئے جائیں گے۔''

صلوٰۃ وسلام کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قبول فرمانا: اس سوال پر کہ آیا نبی علیہ السلام اپنی اُمت کی طرف سے بھیجے گئے درود وسلام کو قبول فرماتے ہیں کہ نہیں، عموماً بحث سننے میں آتی ہے۔ لیکن سچے اور مخلص مسلمان ایسی بحثوں میں نہیں پڑتے کیونکہ درود وسلام بھیجنے کے الٰہی حکم پر اُن کا غیر متزلزل اور پختہ ایمان ہوتا ہے۔ مسلمان اس بات پر مطمئن ہوتا ہے کہ اگر درود وسلام آپ تک فرشتوں کی وساطت سے پہنچایا جاتا ہے تو فرشتے بھی تو اسے حکمِ الٰہی کے تحت ہی پہنچاتے ہیں اور اگر درود وسلام آپ تک براہِ راست پہنچتا ہے تو یہ آپ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا خاص انعام و احسان ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ہی سے وابستہ ایک معجزہ بھی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر درود وسلام آپ تک بالواسطہ یا بلاواسطہ نہیں پہنچتا تو پھر اس حکمِ الٰہی میں کیا معنیٰ باقی رہ جاتا ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ کا کوئی فرمان (معاذ اللہ) مبہم اور بے معنیٰ ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ خود اپنے نبی کی زبان پر بولتا ہے (سورۃ النّجم: آیات ۳، ۴)۔

Marfat.com

کسی صحیح اور حتمی فیصلے تک پہنچنے کے لئے اِس عمومی اعتراض کو دُور کرنے میں آیئے ہم اسے معروضی طور پر (بغیر کسی جذباتیت اور جانب داری کے) قرآن وحدیث کی روشنی میں پرکھیں تاکہ کسی صحیح اور قطعی فیصلے تک پہنچ سکیں۔

قرآن وحدیث اور Palaeontology ☆ سائنس کی رُو سے انبیاء ورُسُل علیہم السلام کے اجسام گلنے' سڑنے' خراب ہونے اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے محفوظ رہتے ہیں جس کا ثبوت مندرجہ ذیل حقائق سے ہوتا ہے:

(1) سورہ سَبا کی آیت ۱۴ میں جناب سلیمان علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے جس کی رُو سے جنّات ہیکلِ سلیمانی آپ کی نگرانی میں تعمیر کر رہے تھے۔ نماز کی ادائی کے دوران جبکہ آپ عصا کے سہارے کھڑے تھے' وفات پا گئے۔ آپ اُسی حالت میں ایک سال اور بقولِ بعض چھ ماہ تک کھڑے رہے یہاں تک کہ تعمیر مکمل ہوگئی۔ جنّات آپ کو اس حالت میں دیکھ کر آپ کو زندہ سمجھے اور کسی کو قریب آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ بدستور اپنے کام میں لگے رہے۔ اس دوران دیمک نے آپ کے عصا کو کھانا شروع کیا۔ جب وہ اُسے پوری طرح کھا چکی اور عصا اندر سے بالکل خالی اور کھوکھلا ہوگیا تو آپ کے جسمِ اطہر کو نہ سہار سکا جس کے نتیجے میں وہ گر گیا اور آپ نیچے آرہے۔

یہ واقعہ انبیاء علیہم السلام کی بعد از وفات حیاتِ طیبہ کی درخشاں مثال ہے کہ اس جہانِ فانی سے گزرنے کے بعد بھی اُن کے اجسام ہر قسم کے تغیّر وتبدّل سے محفوظ رہتے ہیں۔ عام قدرتی قانون کے برعکس ایک سال یا چھ ماہ کے طویل عرصے نے آپ کے بلا رُوح جسم پر کسی قسم کا کوئی اثر نہیں ڈالا اور وہ گلنے' سڑنے اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بالکل محفوظ اور لگابندھا رہا۔ اس واقعہ سے متعلق قرآنی متن حسب ذیل ہے:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِى الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝ (سَبا: ۱۴)

''پھر جب ہم نے اُن (سلیمان) پر موت کا حکم جاری کر دیا (اور اُن کا انتقال ہوگیا) تو کسی چیز نے اُن کی موت کا پتہ نہ بتایا سوائے ایک زمینی کیڑے کے کہ وہ سلیمان کے عصا کو کھاتا تھا۔ سو جب آپ نیچے آرہے تب تب جنّات پر حقیقت ظاہر ہوئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے۔'' (۳۴:۱۴)

اسی قسم کی بات اور مشابہت ہمیں سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۹ میں بیان کردہ عزیر علیہ السلام کے واقعہ اور سورۃ الکھف کی آیات ۱۷ تا ۱۹ میں بیان شدہ اصحابِ کہف کے واقعہ میں ملتی ہے۔ اصحابِ کہف انبیاء یا رسول تو نہیں تھے بلکہ اولیاء اللہ تھے جنہوں نے اپنے ایمان کے تحفظ میں اپنے گھربار کو چھوڑ دیا تھا۔ تین سو نو (309) برس تک بے روح ہونے کے باوجود اُن کے جسم گلنے' سڑنے' خراب ہونے اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے محفوظ رہے۔

(2) گزشتہ صفحہ ۴۳۷۱ کے آخر میں بیان کردہ حدیث (۶) جس کے راوی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ

---

☆ معدوم حیوانات ونباتات اور متحجر ڈھانچوں کا مطالعہ

Marfat.com

ہیں' کی رُو سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا رسول اپنی قبر میں زندہ ہوتا ہے اور اُسے اللہ کی طرف سے رزق فراہم کیا جاتا ہے۔
(سُنن ابن ماجہ: کتاب الجنائز ؛ السخاوی ؛ مُلّا علی قاری)

علاوہ ازیں اس بات کا ثبوت نبی علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ میں نے معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی قبر مبارک میں نماز پڑھتے دیکھا۔ مزید برآں نبی علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا:
مَنْ كَلَّمَهُ رُوحُ الْقُدُسِ لَنْ يُؤْذَنَ لِلْاَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ مِنْ لَحْمِهِ (دُرِّ منثور لجلال الدین السیوطی)
''جس سے جبریل علیہ السلام نے کلام کیا ہو' زمین کو اُس کا جسم کھانے کی ہرگز اجازت نہیں دی گئی۔''

(3) مولانا قاسم نانوتوی انبیاء علیہم السلام کے اجسام اطہر اُن کی قبور مبارکہ میں محفوظ رہنے کے متعلق لکھتے ہیں:
''انبیاء و رُسُل کے اَجسام کی تعظیم و توقیر کی جاتی ہے کیونکہ وہ زندہ ہیں۔ بے جان اور بے رُوح جسموں کو زمین پر کوئی طاقت حاصل نہیں ہوتی۔'' (آبِ حیات بحوالہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری' صفحہ ۵۸)

(4) اللہ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کرنے والے شہید ہیں اور قرآن مجید نے اُنہیں مُردہ کہنے بلکہ مُردہ تک سمجھنے سے سختی سے روکا ہے اور بروئے سورہ آلِ عمران' آیت ۱۶۹ ''وہ اللہ کی طرف سے رزق پاتے ہیں۔'' ضروری نہیں کہ یہ شہداء تمام کے تمام نبی یا رسول ہوں' وہ عام مسلمان بھی ہو سکتے ہیں۔ باوجود اس بات کے کہ شہداء پیغمبر یا رسول نہیں' وہ اپنی قبور میں زندہ ہیں تو انبیاء و رُسُل علیہم السلام جو اِن عام مسلمان شہداء سے مرتبہ و فضیلت میں کہیں ارفع و اعلیٰ ہیں' کیوں زندہ نہ ہوں!!

اس تمام بحث اور حوالہ جات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر اور رسول اپنی قبورِ مبارکہ میں صحیح و سالم جسموں کے ساتھ زندہ ہیں اور وہ رب تعالیٰ کے انعامات و احسانات سے فیض یاب ہوتے ہیں اگرچہ ہمیں اُن کی حیات کا شعور حاصل نہیں۔ اسی وجہ سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:
(۱) أَسْمَعُ صَلَاةَ أَهْلِ مَحَبَّتِي وَأَعْرِفُهُمْ (مطالع المسرّت لمحمد مہدی ص ۸۱)
''میں اہلِ محبّت کے درود کو سنتا ہوں اور اُنہیں پہچانتا ہوں۔''
(۲) مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ (ایضاً)
''جو بھی مسلمان مجھے سلام کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتے ہیں یہاں تک کہ میں سلام کا جواب دیتا ہوں۔''
(۳) وَلَئِنْ قَامَ عَلٰى قَبْرِي فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ لَأُجِيبَنَّهُ ('' المطالب العالیہ '' لحافظ ابنِ حجر عسقلانی)
''اگر عیسیٰ علیہ السلام میرے مزار پر پہنچ کر مجھے میرے نام سے پکاریں تو میں ضرور اُنہیں جواب دوں گا۔''

Marfat.com

(۴) مَا مِنْ مُسْلِمٍ سَلَّمَ عَلَیَّ فِی شَرْقٍ وَّلَا غَرْبٍ اِلَّا اَنَا وَ مَلَائِکَۃُ رَبِّی نَرُدُّ عَلَیْہِ السَّلَامَ
(''حِلیۃ الاولیاء'' لابی نعیم الاصفہانی)

''مشرق و مغرب میں جو بھی مسلمان مجھے سلام بھیجتا ہے تو میں اور میرے رب کے فرشتے اُس کا جواب دیتے ہیں۔'' (یعنی تمام اکناف عالم شرق' غرب' شمال اور جنوب سب اس میں شامل ہیں)

(۵) لَیْسَ مِنْ عَبْدٍ یُصَلِّیْ عَلَیَّ اِلَّا بَلَغَنِیْ صَوْتُہٗ حَیْثُ کَانَ (''حُجَّۃُ اللہ علی العالمین'' لیوسف بن اسمٰعیل النبھانی' ص ۷۱۳)

''جو بھی بندہ مجھ پر درود بھیجتا ہے تو اُس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے' وہ جہاں کہیں بھی ہو۔''

(۶) قَدْ تَضَمَّنَتِ الْاَحَادِیْثُ الْمُتَقَدِّمَۃُ اَنَّ رُوْحَ النَّبِیِّ ﷺ تَرُدُّ عَلَیْہِ وَاَنَّہٗ یَسْمَعُ وَیَرُدُّ السَّلَامَ

''درج بالا احادیث اس بات کا ٹھوس ثبوت ہیں کہ نبی علیہ السلام کی روحِ پاک آپ پر لوٹتی ہے۔ آپ سنتے ہیں اور سلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔'' (شِفاء السّقام فی زیارۃ خیر الانام تقی الدین سبکی' ص ۱۳۳)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس دارِ فانی سے پردہ فرما جانے کے بعد بھی آپ پر درود و سلام بھیجنا آپ کے صحابہ اور تابعین کا غیر منقطع اور مسلسل عمل رہا ہے۔ اس سلسلے میں احمد شہاب الدین خفاجی لکھتے ہیں:۔

وَکَانَ مَا دَأَبَ السَّلَفِ اَنَّھُمْ یُرْسِلُوْنَ السَّلَامَ اِلٰی رَسُوْلِ اللہِ ﷺ وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ یَفْعَلُہٗ' وَ یُرْسِلُ لَہٗ' عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ وَلِأَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْھُمَا وَرَسُوْلُ اللہِ ﷺ وَاِنْ کَانَ یَبْلُغُہٗ' سَلَامَ مَنْ سَلَّمَ عَلَیْہِ وَاِنْ کَانَ بَعِیْدًا عَنْہُ لٰکِنْ فِیْ ھٰذَا فَضِیْلَۃُ خِطَابِہٖ' عِنْدَہٗ' وَ رَدِّہٖ' عَلَیْہِ السَّلَامُ بِنَفْسِہٖ (نسیم الریاض لاحمد شہاب الدین خفاجی ۳ : ۵۱۶)

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سلام بھیجنا ہمارے اسلاف کا طریقہ رہا ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی طریقہ تھا اور نبی علیہ السلام پر درود و سلام بھیجنے کے ساتھ ساتھ آپ حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بھی سلام کہتے تھے۔ ہر اُمتی کا درود آپ تک پہنچتا ہے خواہ وہ کتنے ہی دور فاصلے پر ہو اور آپ اُس کا جواب دیتے ہیں۔ فضیلت اس بات میں ہے کہ آدمی بذاتِ خود سلام کہے اور اس طرح نبی علیہ السلام کی طرف سے رحمتوں اور برکتوں کا جواب حاصل کرے۔'' (بحوالہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

<u>نبی علیہ السلام کی وفات اور حیات دونوں اُمّت مسلمہ کے لئے رحمت ہیں</u>: نبی علیہ السلام کی ذاتِ مقدسہ اپنی اُمّت کی بھلائی اور منفعت کے لئے بڑی ہی آرزو مند اور مشتاق ہے (بحوالہ سورۃ التوبۃ: ۱۲۸) کیونکہ آپ ہمارے لئے مغفرتِ الٰہی کے طلب گار ہیں۔ درجِ ذیل احادیثِ مبارکہ اس حقیقت کا ٹھوس ثبوت ہیں:

(۱) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ: حَیَاتِیْ خَیْرٌ'' لَکُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَ وَفَاتِیْ خَیْرٌ'' لَکُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَسَکَتَ الْقَوْمُ فَقَالَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللہُ

Marfat.com

عَنْهُ : بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ ! كَيْفَ يَكُوْنُ هٰذَا؟ قَالَ: حَيَاتِيْ خَيْرٌ" لَّكُمْ يَنْزِلُ عَلَيَّ الْوَحْيُ مِنَ السَّمَاءِ فَأُخْبِرُكُمْ بِمَا يَحِلُّ لَكُمْ وَ مَا يُحَرَّمُ عَلَيْكُمْ وَمَوْتِيْ خَيْرٌ" لَّكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ اَعْمَالُكُمْ كُلَّ خَمِيْسٍ فَمَا كَانَ مِنْ حَسَنٍ حَمِدْتُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْهِ وَمَا كَانَ مِنْ ذَنْبٍ اِسْتَوْهَبْتُ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ("حُجَّةُ اللّٰهِ عَلَى العالمين" لیوسف بن اسمٰعیل النبهانی، ص ۷۱۳)

''حضرت اُنس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے تین تین بار فرمایا کہ میری زندگی اور میری وفات تمہارے لئے بہتر ہے۔ صحابہ خاموش بیٹھے رہے لیکن عمر ابن الخطاب بول اُٹھے اور کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! ایسا کیونکر ہے؟ آپ نے فرمایا: میری زندگی تمہارے لئے اس لئے بہتر ہے کہ آسمان سے مجھ پر وحی اترتی ہے تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تمہارے لئے کیا حلال ہے اور کیا خرام ہے۔ میری وفات تمہارے لئے بہتر ہے کہ تمہارے اعمال ہر جمعرات کو مجھے پیش کئے جاتے ہیں، تو اُن میں سے اچھے اعمال پر میں اللہ بزرگ و برتر کی حمد و ثنا اور اُس کا شکر ادا کرتا ہوں اور بُرے اور گناہ کے کاموں پر میں تمہارے لئے مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔'' (بحوالہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری، صفحہ ۶۴)

(۲) حَيَاتِيْ خَيْرٌ" لَّكُمْ تُحَدِّثُوْنَ وَيُحَدَّثُ لَكُمْ فَإِذَا اَنَا مِتُّ كَانَتْ وَفَاتِيْ خَيْرٌ" لَّكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ فَإِذَا رَأَيْتُ خَيْرًا حَمِدْتُ اللّٰهَ فَإِذَا رَأَيْتُ شَرًّا اِسْتَغْفَرْتُ اللّٰهَ لَكُمْ (مجمع الزوائد لعلی بن ابوبکر الھیثمی ؛ "مطالب العالية" لحافظ ابن حجر عسقلانی ؛ "طبقات" لابن سعد)

''میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے جس میں تم مجھ سے باتیں کرتے ہو جس کا تمہیں جواب دیا جاتا ہے۔ جب میں وفات پا جاؤں تو میری وفات تمہارے لئے بہتر ہے کہ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ جب میں اچھے عمل دیکھتا ہوں تو میں اللہ کی حمد و ثنا اور اُس کا شکر ادا کرتا ہوں اور جب بُرے اعمال دیکھتا ہوں تو میں تمہارے لئے بخشش کی دعا کرتا ہوں۔''

<u>صلوٰۃ وسلام کے روحانی فوائد</u>: ٹیکنالوجی کی ترقی کے اِس دَور میں فاصلوں کے ختم ہونے اور ابلاغ کے قریب تر ہونے کے باوجود انسان عرصۂ حیات میں اپنے آپ کو تن تنہا محسوس کرتا ہے۔ انسان اپنی تمام مادّی ضروریات و احتیاجات کو پانے میں کامیاب رہا ہے لیکن اندرونی طور پر وہ امن و سکون کا پیاسا ہے۔ بے چارہ مسلمان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اسلام کا سرسری اور سطحی علم اور ہمارے دینِ اسلام کی حقیقی روح تک پہنچنے میں کمی صرف ظاہری رسوم و رواج تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ آج کا مسلمان عبادت کی محض مبادیات کے کر لینے ہی کو کافی سمجھتا ہے اور اُس کی توجہ اُن اندرونی تقاضوں کی طرف نہیں جاتی جو ذہنی سکون اور طمانیتِ قلبی کا باعث ہیں۔

اس روحانی خلا کو پُر کرنے کے لئے اُمّتِ مسلمہ کو اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ روحانی تعلق قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ ﷺ کے ساتھ خلوص اور محبت ایسا مضبوط رشتہ قائم کرتے ہیں کہ کوئی دنیاوی یا

Marfat.com

شیطانی حملہ اس بندھن کو نہیں کھول سکتا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ یہی طاقتور، مستحکم اور ناقابلِ جدا رشتہ ہی تو تھا جو آپ کے صحابہ کرام کے اعلیٰ وارفع مقام کا سبب بنا۔ نبی علیہ السلام نے انہی معزز ہستیوں کو بہترین مثالی ہستیاں قرار دیا تھا جب آپ نے فرمایا تھا:

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ (صحیح بخاری: کتاب الشھادات، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، کتاب الرقاق ؛ جامع ترمذی: کتاب المناقب)

"زمانے کے بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر وہ جو اُن کے بعد آئیں گے، اور پھر وہ جو اُن کے بعد آئیں گے۔"

"اس قابلِ رشک عزت و عظمت کا بڑا سبب اُن کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قریبی اور ناقابلِ جدا رابطہ اور تعلق تھا۔ صحابہ کرام آپ ﷺ ہی کے ساتھ رہتے تھے، آپ ہی کے ساتھ عبادت کرتے تھے، آپ ہی کی جانب سے کفر و طاغوتی طاقتوں سے لڑتے تھے اور ہر مشکل وقت میں آپ کی مدد کرتے تھے۔ اُنہیں آپ سے وہ محبت اور تعظیم تھی جو کسی اور سے نہ تھی۔ ایسی وفا اور خلوص کے بدلے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُنہیں وہ مقام اور رتبہ عطا کیا جو بعد میں آنے والے کسی مسلمان کو عطا نہیں کیا۔ صحابہ کرام کے بعد کے زمانوں میں آنے والے کئی مسلمان علماء و فضلاء تقویٰ اور روحانیت میں اپنی مثال آپ تھے اور اُن کے علم و فضل کو آج دشمنِ اسلام بھی تسلیم کرتا ہے۔ عبدالقادر جیلانی، غزالی، رازی، رومی اور جامی کے نام کس نے نہیں سنے؟ لیکن ان تمام فضیلتوں اور کمالات کے باوجود اُن میں سے کوئی بھی ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمانِ غنی اور علی بن طالب رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مقام حاصل نہ کر سکا۔"

"ہر کہ ومہ کو بخوبی معلوم ہے کہ تعلق قائم کرنے کی ابتدا اسلام کرنے سے ہوتی ہے۔ کسی اجنبی شخص سے تعلق قائم کرنے اور باہمی محبت و اخوت پیدا کرنے کا واحد طریقہ اُسے سلام پیش کرنا ہوتا ہے۔ اسلام نے ہمیں ہر مسلمان بھائی کو، خواہ وہ اپنا ہو یا بیگانہ، 'سلام کہنے کا حکم دیا ہے۔ اس طرح مسلمان بھائی کو سلام پیش کرنا بڑی مضبوط اتحادی قوت ہے جو بغض و عداوت اور نفرت کے تمام منفی جذبات کو ختم کر کے رکھ دیتی ہے اور جس کی وجہ سے دشمن بھی دوست بن جاتا ہے۔ لہٰذا نبی ﷺ پر درود و سلام بھیجنا' آپ کے ساتھ رابطہ رکھنے کا بہترین طریقہ ہے۔"

"پس جب ایک پُرجوش مسلمان باقاعدگی سے مستقل طور پر نبی ﷺ کے ساتھ رشتہ استوار کرنے کا آغاز درود و سلام سے کرتا ہے تو نبی علیہ السلام کی جانب سے اُس کی ستائش کا تدریجی عمل شروع ہو جاتا ہے۔ ایک سچے مسلمان کی اس سے بڑی کون سی آرزو ہو سکتی ہے کہ اس کا تعلق اللہ کے محبوب سے استوار ہو جائے!!" صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا

"صلوٰۃ و سلام کے کچھ روحانی فوائد السخاوی کی کتاب "القولُ البَدیع فی الصَّلوۃ علی الحَبیب الشَّفیع" سے ماخوذ ہیں۔"

("Greetings & Salutations on the Holy Prophet" .. Prof. Dr.Muhammad Tahir-ul-Qadri, pp. 69-72)

Marfat.com

(100) اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (القصص:۵۶)
''جسے آپ (ہدایت پر لانا) چاہتے ہیں' اُسے صاحبِ ہدایت آپ خود نہیں بناتے بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے' صاحبِ ہدایت بنا دیتا ہے۔'' (۵۶ : ۲۸)

اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضور علیہ السلام کے چچا ابو طالب کا آخری وقت آ پہنچا تو حضور علیہ السلام نے اُنہیں کہا کہ چچا! تم صرف اتنا کہہ دو کہ لَآ اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰہ تاکہ میں اپنے رب سے تیری شفاعت کر سکوں لیکن اُنہوں نے ایسا کہنے سے انکار کر دیا تو اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بات بھی مروی ہے کہ آخری وقت میں جنابِ ابو طالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباس نے کان لگا کر سنا۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیا کہہ رہے تھے؟ آپ نے جواباً عرض کیا کہ وہی کہہ رہے تھے جس کا آپ نے اُن سے مطالبہ فرمایا تھا۔ (سیرت ابنِ ہشام)

لیکن اگر کسی کے نزدیک دوسری روایتیں اس روایت سے زیادہ قابلِ اعتبار ہوں تب بھی اسے آپ کے حق میں کوئی ناشائستہ بات کہنے سے گریز کرنا چاہئے۔ جنابِ ابو طالب کی بے مثل خدمات کا یہ معاوضہ ہماری طرف سے نہیں دیا جانا چاہئے کہ ہم منبروں پر کھڑے ہو کر اپنا سارا زورِ بیان اُنہیں کافر ثابت کرنے اور کہتے چلے جانے پر ہی صَرف کرتے رہیں۔ اس سے بڑھ کر ناشکری اور احسان فراموشی کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

''حضرت ابو طالب کے ایمان کا مسئلہ اختلافی مسئلہ ہے۔ جو لوگ آپ کے ایمان کے قائل نہیں' اُنہیں بھی یہ مناسب نہیں کہ اپنی زبان پر کوئی ناروا جملہ لے آئیں کیونکہ اس سے حضرت سیّدنا علی کرّم اللہ وجہہ' کی اولاد کو اذیت پہنچتی ہے اور کوئی بعید نہیں کہ حضور سرورِ عالم ﷺ کا دل مبارک بھی رنجیدہ ہوتا ہو۔ ہر عقلمند آدمی جانتا ہے کہ ایسے نازک مقامات پر احتیاط سے کام لینا چاہئے۔'' (ضیاء القرآن' ج ۳' ص ۵۰۰)

رب تعالیٰ اس آیت میں اپنے محبوب کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے حبیب! ہدایت بخشنا تیرا کام نہیں کہ جسے تو چاہے ہماری مرضی نہ ہونے کے باوجود تو اُسے ہدایت دے دے کیونکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ کون اس قابل ہے کہ اُس کے دل میں ایمان کی شمع فروزاں کی جائے اور کس میں اس نعمتِ جلیلہ کو قبول کرنے کی استعداد ہے۔ لَا تَهْدِیْ کے ایک معنیٰ تو راہ دکھانے کے ہوتے ہیں۔ یہاں اس کی نفی پیغمبر کی ذات سے نہیں ہو رہی۔ وہ تو پیغمبر کے عین فرائض میں داخل ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّكَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (سورۃ الشّوریٰ:۵۲) یعنی ''بیشک آپ ہی صراطِ مستقیم دکھاتے ہیں''۔ اس کے دوسرے معنیٰ منزل مقصود تک پہنچا دینے کے ہیں۔ یہاں نفی اس کی کی جا رہی ہے کہ یہ رسول کے بس کی چیز نہیں بلکہ تمام تر مشیتِ تکوینی کے تابع ہے۔

Marfat.com

علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ ہدایت کی روشنی اپنی حکمت و مصلحت کے تحت ہی دیا کرتا ہے۔ اُس نے رُشد و ہدایت کی قوت اور اختیار اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت وعصمت کے تحفظ کی خاطر اُنہیں نہیں دیا کہ کہیں ہدایت سے محروم لوگ آپ کی عظمت و رفعت کو یہ کہہ کر گھٹانے کی کوشش نہ کریں کہ ہمیں تو اس (نبی) نے رشد و ہدایت نہیں دی۔

آیت مذکورہ میں ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایسے حالات میں ہمیں افسردہ نہیں ہونا چاہئے۔ جن سے ہمیں محبت ہے، ضروری نہیں کہ وہ ہمارے نظریات اور عقیدے سے متفق ہوں اس لئے ہمیں اپنی ناقص عقل کی روشنی میں نہیں پرکھنا چاہئے۔ خالقِ حقیقی ہی چیزوں کے باطن کو بخوبی جانتا ہے۔

(101)' يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهُ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ (التحریم : ۸)

"اُس دن اللہ تعالیٰ (اپنے) نبی (ﷺ) کو اور اُن اہلِ ایمان کو جو اُن کی معیّت میں ہیں، رسوا نہیں کرے گا' اُن کا نور اُن کے آگے اور اُن کے دائیں طرف (روشنی دیتا ہوا) تیزی سے چل رہا ہوگا۔" (۸ : ٦٦)

کفارِ مکّہ کو اپنی دولتمندی اور سرداری پر بڑا گھمنڈ تھا۔ مسلمانوں کی غربت و ناداری اور بے بسی کو دیکھ کر وہ غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے اور اُنہوں نے یہ سمجھنا شروع کر دیا تھا کہ اوّل تو قیامت واقع ہونے کی نہیں اور اگر وہ آ بھی گئی تو تمام تر عزت اور شان صرف اُنہی کی ہوگی اور یہ بیچارے مسلمان اسی طرح محروم اور بدحال رہیں گے جیسے وہ اِس دنیا میں ہیں۔ اُن کی اس غلط فہمی کو دُور کرنے کے لئے محولہ بالا آیت کا نزول ہوا جس میں مسلمانوں کو یہ مژدۂ جانفزا سنایا گیا کہ وہ دن میرے محبوب علیہ السلام اور اُن کے پیروکاروں کے لئے شادمانی اور مسرّت کا دن ہوگا۔ ربِّ ذوالجلال والاکرام اقلیمِ رسالت کے اِس آخری تاجدار ﷺ کو مقامِ محمود پر سرفراز فرما کر اُس کی عزت و توقیر میں اضافہ کرے گا' لواء الحمد (حمد وثنا کا جھنڈا) اُس کے مقدّس ہاتھوں میں ہوگا اور تمام انبیاء علیہم السلام آپ کے اُس جھنڈے کے نیچے پناہ لیں گے۔ مسلمان جو آپ پر ایمان لائے' کیا ہی خوب اور عمدہ اُن کا مقام ہوگا! اپنے خالق کی جانب سے اُنہیں لاتعداد عطیات و تحائف ملیں گے اور اُنہیں اپنے والدین' اپنے اہلِ خانہ' اولاد' اپنے دُور و قریب رشتہ داروں اور دوستوں اور لواحقین کی شفاعت کرنے کی اجازت ملے گی۔ وہ نورِ الٰہی کو زیادہ سے زیادہ پائیں گے اور بدی کی ظلمت و تاریکی اُن سے دُور کر دی جائے گی۔ پس اُس دن اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو رُسوا نہیں کرے گا۔ اِن کفار کے قیاسات تخیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے اور اُن کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

خیال رہے کہ جدّ الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اِن الفاظ میں فریاد کی تھی : لَا

Marfat.com

تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ (سورۃ الشعراء : ۸۷) یعنی ''اے پروردگار! مجھے اُس دن رسوا نہ کرنا جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔'' (۲۶:۸۷)۔ اُن کی اس دعا کو شرفِ قبولیت بخشا گیا' لیکن کب؟ صرف اُن کے مانگنے اور اُن کی التجا پر یہ سب کچھ ہوا۔ لیکن کائنات کے دولھا کی شان ہی نرالی ہے۔ فرمایا کہ نہ صرف اپنی تخلیق کے اِس شاہکار کو رسوا نہیں کروں گا بلکہ آپ کے ماننے والوں اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو حرزِ جاں بنانے والوں کو بھی رسوا نہیں کروں گا۔ نہ صرف یہ بلکہ اُنہیں ایسی نوازشات سے نوازوں گا جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے ہوں گے اور نہ ہی تخیل کے لاکھ گھوڑے دوڑانے سے وہ کسی کے حیطۂ خیال میں آسکتے ہیں (سورہ الٓمّ السجدۃ : ۱۷)۔

اہلِ ایمان میدانِ حشر میں بالکل ممتاز حیثیت کے ہوں گے۔ اُن کے آگے اُن کا نورِ ایمان چمک رہا ہوگا' اُن کے دائیں جانب بھی روشنی ہی روشنی ہی ہوگی اور دوسرے لوگ اندھیروں میں ٹھوکریں کھا رہے ہوں گے۔ اہلِ ایمان پر یہ نوازشاتِ کریمانہ صرف اور صرف اسی وجہ سے ہوں گی کہ اُنہوں نے میرے محبوب کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیا اور اُنہیں بہ دل و جان میرا سچا رسول تسلیم کرلیا جبکہ میرے رسول کے مخالفین میرے رسول کے نہ ہوسکے تو وہ میرے کیسے ہوسکتے ہیں اِس لئے انجام بد اُن کا مقدر بن کے رہ گیا۔ سبحان اللہ! کس کس طریق سے شانِ صمدیّت اپنے بے مثال شاہکار کی عظمت کو اجاگر کررہی ہے!

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِم (اُن کا نور اُن کے سامنے اور اُن کے داہنے دَوڑ رہا ہوگا) یہ اُس وقت ہوگا جب اہلِ ایمان پُل صراط پر سے گزر رہے ہوں گے۔ (تفسیر ماجدی' ص ۱۱۲۳' نوٹ : ۱۴)

(102) اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًاO (الاحزاب:۳۳)

''اے (رسول کے) اہلِ بیت! دراصل اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کے گناہ کا میل (اور شک و نقص کی گرد تک) دُور کردے اور تمہیں (کامل) طہارت سے نواز کر بالکل پاک و صاف کردے۔'' (۳۳:۳۳)

یہ آیت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اَزواجِ مطہرات کی شان میں نازل ہوئی جو ''آیتِ تطہیر'' کے نام سے موسوم ہے۔

__ایک اعتراض اور اُس کا ازالہ:__ کچھ شارحینِ قرآن' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج کو آپ کے اہلِ بیت میں شامل کرنے کو نہیں مانتے کیونکہ اُن کے بقول آیتِ بالا (۳۳) میں مذکر ضمیر کُــــمْ کی دوہری تکرار اُنہیں نبی علیہ السلام کے اہلِ بیت میں شامل کرنے میں رکاوٹ ہے۔ اُن کا اصرار ہے کہ آیتِ مذکورہ کے نزول پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہ' حضرت علی' حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلا کر فرمایا:

هٰٓؤُلَاءِ اَهْلِ بَیْتِیْ (یہ میرے اہلِ بیت ہیں)

__جواب__ : اہلِ بیت کا مطلب ہوتا ہے گھر والے۔ اس لئے ہر قوم اور معاشرے میں اور عرفِ عام میں

Marfat.com

اس سے انسان کے اپنے گھر والے' بیوی بچے اور اہل وعیال مراد لئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیوی کو ''اہلیہ'' اور ''گھر والی'' کہتے ہیں۔ قرآن پاک اس پر مستقل سند ہے اور وہ ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ سیّدہ سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو (سورہ ھود: ۷۳ میں) اور موسیٰ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ سیّدہ صفورا رضی اللہ عنہا کو (سورۃ النمل: ۷' سورۃ القصص: ۲۹ میں) اُن کے خاوندوں کے ''اہلِ بیت'' کہتا ہے۔ اس لئے جب ان مذکور انبیاء علیہما السلام کی ازواج اُن کے اہلِ بیت ہیں تو نبی آخرالزماں ﷺ کی ازواج آپ کی اہلِ بیت کیوں نہ ہوں!

رہا آیت مذکورہ (۳۳:۳۳) میں ضمیر کُمْ کی تکرار کا سوال تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کا لفظِ اَھْل مذکر ضمیر کا متقاضی ہے جس کا ثبوت درج ذیل آیات ہیں:

(۱) قَالُوْا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِاللّٰہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ (ھود: ۷۳)

یہاں اَھْل کی وجہ سے مذکر ضمیر کُمْ استعمال ہوئی ہے۔

(۲) قَالَ لِاَھْلِہِ امْکُثُوْا اِنِّیْ آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْ آتِیْکُمْ مِّنْھَا بِخَبَرٍ اَوْجَذْوَۃٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّکُمْ تَصْطَلُوْنَ O (القصص: ۲۹)☆

''موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی اہلیہ سے فرمایا: تم یہیں ٹھہرو' میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں تمہارے لئے اس (آگ) سے کچھ (اس کی) خبر لا سکوں یا آتشِ سوزاں کی کوئی چنگاری تاکہ تم تاپ سکو۔'' (۲۹ : ۲۸) [یہاں بھی اَھْل کی وجہ سے مذکر ضمیر کُمْ استعمال ہوئی ہے۔]

پہلی آیت میں جناب خلیل اللہ کی زوجہ محترمہ کو اور دوسری آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ کو اور پھر آیتِ تطہیر میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات کو ''اہلِ بیت'' کہا گیا ہے جو اس حقیقت کا غماز ہے کہ بنیادی طور پر انسان کے اہل وعیال اور بیوی بچوں ہی کو اہل کہتے ہیں۔ بات کو پوری طرح سمجھنے کے لئے یہاں ایک اور حقیقت کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ انسان کا نسب بیٹے کی طرف سے جاری ہوتا ہے' بیٹی کی طرف سے نہیں۔ پوتا اپنے دادا کے نسب کا وارث اور اُس کے خاندان کا ایک فرد شمار ہوتا ہے' نواسہ نہیں کیونکہ وہ بیٹی کی اولاد ہوتا ہے اور بیٹی جس خاندان میں چلی جائے' اُس کی اولاد بھی اُسی خاندان کی متصوّر ہوتی ہے لیکن حضور ﷺ نے ایک خاص حکمت کے پیشِ نظر اپنی ذات کی حد تک اِن دونوں تصوّرات کو بدل دیا جن کی تفصیل یہ ہے:

''حضور ﷺ خاتم النّبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوسکتا۔ آپ کے اِسی مقام ومرتبہ کی وجہ

---

☆ موسیٰ علیہ السلام کا اپنی زوجہ محترمہ کے لئے آتِیْکُمْ اور تَصْطَلُوْنَ کے جمع کے صیغے استعمال کرنے میں ایک وجہ تو اُن کی تکریم اور عزت ہوسکتی ہے (تفسیر کبیر) اور یا پھر اس خطاب میں اُن کی زوجہ' اُن کا بچہ اور خادم شامل ہیں (روح البیان)۔ تیسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ مصر کو واپسی میں کچھ چرواہے آپ کی بھیڑ بکریوں کی نگرانی کے لئے آپ کے ہمراہ ہو لئے تھے کیونکہ تورات کی ایک آیت اس اغلبیت کی تائید کرتی ہے (پیدائش ۲:۱)۔ ان وجوہ کے باعث جمع مذکر کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔

Marfat.com

سے آپ کے حقیقی بیٹے اِس دنیا سے رخصت ہو گئے کیونکہ وہ اگر اس دنیا میں زندہ رہتے اور نبی نہ ہوتے تو یہ ایک عیب تھا کہ عظیم الشان نبی کا بیٹا نبی نہیں۔ اس لئے حکمتِ الٰہی کو یہ منظور ہوا کہ وہ اس دنیا میں نہ رہیں' اس لئے اُنہیں بچپن ہی میں دنیا سے اٹھا لیا گیا۔''

''اب ایک دوسری صورت پیدا ہوگئی کہ اولاد کا نہ ہونا بھی ایک عیب ہے۔ معاشرے میں ایسے شخص کو بہت مطعون اور پریشان کرتے ہیں اور اہلِ مکہ نے ایسا ہی کیا۔ جب کمی مرتبت آقا علیہ السلام کے تمام بیٹے یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے تو اُنہوں نے آپ کو طعنہ دینا شروع کیا کہ آپ ''اَبْتَر'' ہیں یعنی بیٹوں سے محروم ہیں اس لئے آپ کا سلسلۂ نسب منقطع ہو گیا اور نسل آگے نہیں بڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ نرا اولاد نہ ہونے کے باوجود آپ کی نسل پھلے پھولے اور نسب آگے بڑھے۔ چنانچہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو ایک خاص خصوصیت عطا کی گئی اور آپ ﷺ نے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا:
هٰذَانِ اِبْنَایَ وَابْنَا بِنْتِیْ (میری بیٹے کے یہ دونوں بیٹے' میرے بیٹے ہیں)۔

آپ حسنین کریمین کو بیٹوں ہی کی طرح چومتے' سونگھتے' چمٹاتے اور بے حد پیار کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اللہ کی بارگاہ میں عرض کی: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهُمَا فَاحِبَّهُمَا وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّهُمَا (اے اللہ! میں اِن دونوں سے محبت کرتا ہوں' تو بھی اُنہیں محبوب بنا لے اور جو اُن سے محبت کرے تو اُسے بھی محبوب بنا لے)۔

''اس طرح حضور ﷺ نے اولادِ زہرہ رضی اللہ عنہا کو اپنی اولاد قرار دے کر سارا مسئلہ ہی حل کر دیا۔ یہ اعزاز صرف سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولادِ پاک ہی کو حاصل ہے کہ اُنہیں حضور ﷺ کی اولاد کہا جاتا ہے اور یہ بھی حضور ﷺ ہی کی خصوصیت ہے کہ آپ کا نسب بیٹی کی طرف سے جاری ہوا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت دی کہ آج ساداتِ کرام پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔''

''حضور ﷺ نے خاص حکمت کے تحت ''اہلِ بیت'' کے تصوّر میں بھی تبدیلی فرمائی۔ عرفِ عام میں صرف اپنے اہل و عیال اور صُلبی اولاد ہی کو ''اہلِ بیت'' یا ''آل'' کہتے ہیں لیکن آپ نے ایک خاص فرمان کے ذریعہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ' کو بھی اس میں شامل فرمایا۔

آیت دراصل اپنے عبارۃ النص کی رُو سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات کی شان میں نازل ہوئی لیکن اُنہیں یہ فضیلت اُن کے سروں کے تاج حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی بدولت حاصل ہو رہی ہے لہٰذا اشارۃ النص کی رُو سے آیت میں آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت و رفعت کا بیان ہے۔

یہاں پھر خیال رہے کہ جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے دعا کی تھی: وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ

Marfat.com

اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (سورہ ابراھیم : ۳۵) یعنی ''مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے بچالے۔'' (۱۴:۳۵) اُن کی دعا اور التجا کو اُن کی فریاد اور درخواست پر پذیرائی بخشی گئی لیکن یہاں محبوب علیہ السلام کے گھرانے پر بن مانگے عنایتِ خسروانہ کی جارہی ہے۔ اُس شانِ کریمی کے مالک کی بندہ پروری اور بندہ نوازی کے کیا کہنے!

(103) اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ O (الانشراح : ۱)
''کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ (انوارِ علم وحکمت اور معرفت کے لئے) کشادہ نہیں فرما دیا؟'' (۹۴:۱)

امام راغب اصفہانی ''مفردات القرآن'' میں لکھتے ہیں کہ گوشت کاٹنے اور اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو الشرح کہتے ہیں☆۔ اسی سے شرحِ صدر ماخوذ ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ نورِ الٰہی سے سینہ کا کشادہ ہو جانا' اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسکین وطمانیت کا حاصل ہو جانا اور اُس کی طرف سے مسرت وراحت کا شعور پیدا ہو جانا۔

علامہ سید محمد آلوسی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ الشرح اصل میں کشادگی اور فراخی کا مفہوم

☆ یہ آیت بھی تشریح الابدان' عملِ جراحی اور اس میدان میں تحقیقات کے لئے محرّک بنی ہے۔ اس کی مزید تائید اُس واقعہ سے ہوتی ہے جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لڑکپن کے زمانہ میں ہوا جب آپ اپنے رضاعی والدین کے ہمراہ تھے۔ یہ واقعہ کتبِ حدیث اور کتبِ تاریخ میں درج ہے۔ آپ کے رضاعی والدین کہتے ہیں:۔

''مکہ سے ہماری واپسی کے چند ماہ بعد آپ ﷺ اور آپ کا رضاعی بھائی خیموں کے پیچھے ہماری بھیڑ بکریوں کے ساتھ تھے جبکہ آپ کا بھائی بھاگتا ہوا آیا اور ہمیں کہا کہ سفید لباس میں ملبوس دو آدمیوں نے میرے اُس قریشی بھائی کو پکڑ کر نیچے گرا دیا ہے' اُن کا پیٹ چاک کیا ہے اور اُسے خوب ہلا رہے ہیں۔ ہم آپ کی طرف گئے اور پوچھا کہ معاملہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سفید لباس میں ملبوس دو آدمی آئے' مجھے نیچے گرا کر میرا پیٹ چاک کیا اور اُس میں۔۔ مجھے نہیں معلوم۔۔ کہ کیا تلاش کرنے لگے۔''

کچھ مفسرین کے نزدیک سورۃ الانشراح کی اوّل آیت کا تعلق درجِ بالا واقعہ سے ہے اور اِس واقعہ اور آیت نے اسلامی تہذیب کے ابتدائی زمانہ میں عملِ جراحی اور تشریح الابدان کو تحریک دی ہے اور علاج کے اس پہلو کو اختیار کرنے میں بہت سے معالجین کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ لہٰذا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں اگر ہم ابن سینا' ابوالقاسم الزہراوی' علاؤالدین ابنِ نفیس' ابن القف اور شمس الدین علکفانی جیسے مشہورِ زمانہ معالجین کو عملِ جراحی کرتا ہوا دیکھتے ہیں۔
("Quranic Sciences"... Afzalur Rahman, p. 127)''

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے حکیمِ مطلق، علیم وخبیر خالق سے جراحی کا علم پا کر ''علاج بذریعہ آپریشن'' کی بنیاد رکھی اور اس طرح جراحی کی عظیم مثال قائم کی۔ جراحی (سینگی لگوانے) سے متعلق چند احادیث کا ذکر حدیث لٹریچر میں آتا ہے۔

Marfat.com

ادا کرتا ہے۔ کسی الجھی ہوئی اور مشکل بات کی توضیح کو بھی شرح کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ شرح کے لفظ کا استعمال دلی مسرت اور قلبی خوشی کے لئے بھی ہوتا ہے۔ آخر میں وہ لکھتے ہیں کہ شرحِ صدر کا یہ مفہوم بھی لیا جاتا ہے کہ نفس کو قوتِ قدسیہ اور انوارِ الٰہیہ سے اس طرح مؤید کرنا کہ معلومات کے قافلوں کے لئے میدان بن جائے، ملکات کے ستاروں کے لئے آسمان بن جائے اور گوناگوں تجلیات کے لئے عرش بن جائے۔ جب کسی کی یہ کیفیت ہوتی ہے تو اُسے ایک حالت، دوسری حالت سے مشغول نہیں کرسکتی۔ اُس کے نزدیک مستقبل، حال اور ماضی سب یکساں ہو جاتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ اپنے احسان کا ذکر فرما رہا ہے، اس لئے یہاں شرحِ صدر کا یہی آخری معنیٰ زیادہ مناسب ہے۔''

''اس تحقیق کے بعد علامہ آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ کیا ہم نے آپ کے سینہ کو کشادہ نہیں کردیا کہ غیب وشہادت کے دونوں جہاں اس میں سما گئے ہیں، استفادہ اور افادہ کی دونوں ملکتیں جمع ہو گئی ہیں۔ علائقِ جسمانیہ کے ساتھ آپ کی وابستگی ملکاتِ روحانیہ کے انوار کے حصول میں رکاوٹ نہیں۔ خلق کی بہبودی کے ساتھ آپ کا تعلق معرفتِ الٰہی میں استغراق سے رکاوٹ نہیں۔'' (ضیاء القرآن، جلد پنجم، ص ۵۹۷)

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کی تفسیر بیان کی ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''اس میں علوم و معارف کے سمندر اتار دئے اور لوازمِ نبوت اور فرائضِ رسالت برداشت کرنے کو بڑا وسیع حوصلہ دیا۔''

''اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ مکرم ﷺ کو جو علوم و معارف عطا فرمائے، امام بوصیری نے قصیدہ بردہ میں اُنہیں یوں بیان کیا ہے:

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا      وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

''دنیا اور آخرت دونوں آپ کی جُود و کرم کے مظہر ہیں اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے۔''

شاعرِ مشرق علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے بھی اس قسم کی بات منظوم کی:

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب      گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے وجود میں حباب

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری زندگی اس آیت کی آئینہ دار ہے۔ آپ نے جس بلند حوصلگی اور اولوالعزمی سے فرائضِ نبوت کو ادا کیا، جس صبر وشکر کے ساتھ اِس راہ میں آنے والی مشکلات کو برداشت کیا، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرحِ صدر کے بغیر ممکن نہ تھا۔ پھر آپ نے انسانی زندگی کے ہر پہلو کو اپنے علم کے نور سے

Marfat.com

منوّر کیا' اسے بھی شرح صدر کی برکت کے بغیر اور کیا کہا جا سکتا ہے۔''

''اس آیت میں غور کرنے سے کلیم اور حبیب کے درمیان فرق بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔ دونوں کو شرحِ صدر بخشا گیا لیکن کلیم کو مانگنے پر (بحوالہ سورہ طٰـــہٰ: آیت ۲۵) اور حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بن مانگے۔ پھر دونوں کے شرحِ صدر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔''

۱۰۴) (104) وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ (الانشراح: ۴)

''اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر (اپنے ذکر کے ساتھ ملا کر) بلند فرما دیا۔'' (۴ : ۹۴)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائلِ حمیدہ' آپ کی عظمتِ کردار اور نوعِ انسانی کے لئے آپ کی والہانہ محبت کو آپ کی حیاتِ طیبہ ہی میں تسلیم کر لیا گیا تھا اور آپ کا نامِ نامی دنیا کے عظیم قائدین میں سرِ فہرست ہے۔ آپ کی شان میں محولہ بالا آیت اپنے معنیٰ و مفہوم میں سورہ الصّافات کی اُس آیت ۱۱۹ سے کہیں زیادہ جامع ہے جو مختلف انبیاء علیہم السلام کے بارے میں آئی ہے: وَتَرَكۡنَا عَلَيۡهِمَا فِي الۡاٰخِرِيۡنَ'' اور ہم نے اُن دونوں یعنی موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے حق میں (بھی) پیچھے آنے والوں میں ذکرِ خیر باقی رکھا۔'' (۳۷ : ۱۱۹)

<u>ذِكۡرَكَ سے پہلے لَكَ لانے کی افادیت</u>: یہاں صرف وَرَفَعۡنَا ذِكۡرَكَ کہہ دینا ہی کافی تھا جس سے معنیٰ پوری طرح سمجھ میں آ جاتا تھا۔ لیکن نہیں' الٰہی حکمت و دانش تاجدارِ انبیاء ﷺ کے عظیم مرتبہ کو مزید اجاگر کرنے کی متقاضی تھی۔ ذِكۡرَكَ سے پہلے لَكَ کا لفظ لا کر اس حقیقت کو جتلانا مقصود ہے کہ (۱) پیارے حبیب! یہ اعزاز و اکرام صرف آپ کے لئے ہے' کسی اور کے لئے نہیں۔ (۲) ہم نے نہ صرف آپ کے ذکر کو بلند کیا ہے بلکہ اُن کے ذکر کو بھی بلند کر دیا ہے جو آپ کی شان و عظمت کے ڈنکے بجاتے ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَتَانِيۡ جِبۡرِيۡلُ عَلَيۡهِ السَّلَامُ وَقَالَ: اِنَّ رَبَّكَ يَقُوۡلُ: اَتَدۡرِيۡ كَيۡفَ رَفَعۡتُ ذِكۡرَكَ؟ قُلۡتُ: اَللّٰهُ تَعَالٰى اَعۡلَمُ قَالَ: اِذَا ذُكِرۡتُ ذُكِرۡتَ مَعِيۡ

''جبریل میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ کا ربِّ کریم پوچھتا ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ کے ذکر کو کس طرح بلند کیا؟ میں نے جواب دیا: اسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کے رفعِ ذکر کی کیفیت یہ ہے کہ جہاں میرا ذکر کیا جائے گا' وہاں آپ کا بھی میرے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔''

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

Marfat.com

''اس سے بڑھ کر رفعِ ذکر کیا ہو سکتا ہے کہ کلمہ شہادت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ اپنے محبوب کا نام ملا دیا' حضور کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا' ملائکہ کے ساتھ آپ پر درود بھیجنا اور مومنوں کو درود پڑھنے کا حکم دیا اور جب بھی خطاب کیا' معزز القاب سے خطاب فرمایا' پہلے آسمانی صحیفوں میں بھی آپ کا ذکرِ خیر فرمایا' تمام انبیاء اور اُن کی اُمتوں سے وعدہ لیا کہ وہ آپ پر ایمان لے آئیں۔ آج دنیا کا کوئی آباد ملک ایسا نہیں جہاں روز و شب میں پانچ بار حضور کی رسالت کا اعلان نہ ہو رہا ہو۔''

''جن حالات میں یہ آیت نازل ہوئی' کون تصوّر کر سکتا تھا کہ اُن کا ذکرِ پاک دنیا کے گوشہ گوشہ میں بلند ہوگا' اُن کے دین کی روشنی سے مہذّب دنیا کو بہت بڑا علاقہ منوّر ہوگا اور کروڑوں انسان اُن کے نام پر جان دینے کو اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھیں گے۔ لیکن جو وعدہ مولا کریم نے اپنے بندے اور محبوب رسول کے ساتھ کیا وہ پورا ہو کر رہا اور تا قیامت ذکرِ محمدی کا آفتاب ضوفشانیاں کرتا رہے گا۔ اعلیٰ حضرت بریلوی نے کیا خوب فرمایا:

مٹ گئے' مٹتے ہیں' مٹ جائیں گے اعداء تیرے      نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

''حضور علیہ السلام کے سوانح پر اپنوں اور بیگانوں نے جتنی کتابیں لکھی ہیں' دنیا کے کسی نبی' مُصلح' فاتح اور سلطان کے بارے میں نہیں لکھی گئیں۔ بے شمار اعلیٰ پایہ کے لوگوں نے حضور کریم کے ذکرِ پاک کو بلند کرنے کے لئے جس طرح اپنی زندگیاں' اپنی علمی قوّتیں' روحانی لطافتیں' اپنا مال اور اپنے وسائل وقف کئے ہیں' کسی دوسرے کے بارے میں اس کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آپ ﷺ کے عشاق نے نثر و نظم میں انسانیت کو جو پاکیزہ ادب (Literature) عطا فرمایا ہے' اُس کی نظیر بھی نہیں ملتی۔ لادینیت کے اِس دَور میں آپ کے دین کی تبلیغ اور آپ کی سنت کے اِحیاء کی کوششیں بڑے خلوص سے کی جارہی ہیں۔ آپ کا نامِ پاک لے کر' آپ کا ذکرِ خیر کر کے اور آپ کے محاسن سُن کر کروڑوں دلوں کو جو سرور و فرحت نصیب ہوتی ہے' اُس کا جواب نہیں۔ اپنے تو رہے ایک طرف' بیگانوں اور متعصب مخالفوں کو بھی بارگاہِ رسالت میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے بغیر چارہ نہ رہا۔''

مثل مشہور ہے: اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ یعنی فضیلت تو اس بات میں ہے کہ دشمن بھی تمہاری خوبیوں کے معترف ہوں اور خوش نصیب ہے وہ عورت جس کی سوکن اُس کے حسن و جمال کی معترف ہو۔

غیر مسلمین کی طرف سے آقا علیہ السلام کے حضور خراجِ عقیدت کی اس بیش بہا لڑی کے کچھ نمونے موقع بہ موقع گزشتہ متعدد صفحات میں ہدیہ قارئین کرتا آیا ہوں۔ اِنہی مستشرقین کے چند اور بیانات ملاحظہ ہوں:

(۱) ''محمد (ﷺ) نے اپنی بساط میں جو کچھ بھی کیا اُس کا محرک آپ کی یہ پُر خلوص آرزو تھی کہ وہ اپنے ہم وطنوں کو بت پرستی کی گھٹیا عادت سے نجات دلائیں۔۔۔ آپ کو اس اعلان کی شدید خواہش نے تحریص دلائی کہ اللہ جلّ جلالہٗ کی وحدانیت ہی اصل حق ہے اور اسی جذبہ کا آپ کی روح (پاک) پر کامل قبضہ تھا۔'' (Preface to the Koran.. Rev. Rodwell, p. XXI)

Marfat.com

(۲) ''محمد (ﷺ) کا سفرِ حیات اُس قوت اور جانداری کی حیران کن مثال ہے جو صرف اُسی شخص میں ہو سکتے ہیں جو ایمانِ کامل کا مالک ہو، جس کا عقیدے اور اپنے ابنائے جنس کی زندگی اور اخلاقیات پر اثر ہو اور یہ خصوصیات فی الواقع ایک عظیم انسان ہی میں ہو سکتی ہیں۔'' (ایضاً)

(۳) ''یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ اگر کسی شخص نے تاریخ کے دھارے کو موڑ دیا، تو وہ ہستی محمد (ﷺ) کی ہے۔''
(Article "Muhammad's Historical Role" by Charles Issawi, published in "The Muslim World", April, 1950, p. 95)

(۴) محمد (ﷺ) کا موازنہ لوگوں کی اُس طول طویل فہرست سے کیجیے جنہیں دنیا نے مشترک رائے سے ''عظیم'' کہا ہے۔۔۔آپ کے کردار کو بوجوہ کل لیجیے کہ آپ کیا ہیں اور آپ نے کیا کیا اور جن لوگوں نے آپ سے تحریک پائی، اُنہوں نے کیا کیا۔ غرض آپ کی شخصیت تو مجھے اُن سب سے یگانہ، نمایاں اور منفرد معلوم ہوتی ہے۔''
("Muhammad and Muhammadanism".. Bosworth Smith, pp. 339, 340)

(۵) ''فانی زندگی کے مختصر عرصہ میں محمد (ﷺ) نے مایوس کن مادّے (مسالے) سے ایک قوم کو دُہائی دے کر بلایا جو اس سے پہلے کبھی متحد نہ ہوئے تھے اور ایک ایسے ملک میں جو اُس وقت تک محض جغرافیائی اظہارِ بیان تھا، ایک ایسے مذہب کو مستحکم کیا جو وسیع علاقوں میں عیسائیت اور یہودیت سے سبقت لے گیا اور جسے اب تک نسلِ انسانی کے ایک اچھے خاصے حصّے کی پذیرائی حاصل ہے آپ نے ایک ایسی مملکت کی بنیاد رکھی جس نے بہت جلد اپنی دُور دراز سرحدوں میں اُس وقت کی مہذب دنیا کے عمدہ ترین علاقوں کو سمولیا۔''
("History of the Arabs".. P.K. Hitti, pp. 121, 122)

(۶) ''ایمان کے پہلے ستون کا خلاصہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ میں ہے۔ نوزائیدہ مسلمان بچے کے کان میں پڑنے والے یہ پہلے لفظ ہیں اور یہی الفاظ اُس کی قبر پر پڑھے جانے والے آخری بھی ہیں۔ اِن دونوں سلسلۂ واقعات کے دوران ان الفاظ سے زیادہ کوئی اور الفاظ نہیں دہرائے جاتے۔''

(۷) ''تاریخ میں بیان شدہ ایک ایسا شخص بھی ہے جو بہ یک وقت قانون ساز بھی ہے، ایک مذہب کا بانی بھی ہے اور ایک مملکت کی تاسیس رکھنے والا بھی ہے۔''
("The Saracens".. Gilman, p. 207)

(۸) ''کیا ہم اس شخص کے متعلق بے تعظیمی سے بات کر سکتے ہیں؟ آپ (ﷺ) کے فرامین اور

Marfat.com

ضابطے آج تک نسلِ انسانی کے ایک تہائی کے لئے مذہبی راہ نما ہیں۔'' ("Conflict between Religion and Science"... Draper, p. 8)

(۹) ''یہ ابھی انہی سالوں کی بات ہے کہ ہم محمد (ﷺ) اور آپ کے مذہب اسلام کے متعلق مختلف طور پر سوچنے لگے ہیں۔ اب اس بات کو تسلیم کرلیا گیا ہے کہ آپ کو خدا کی طرف سے وحی آتی تھی اور آپ کے مذہب نے کئی لاکھ انسانوں کو شرمناک بُت پرستی سے بچالیا اور اُنہیں خدائے واحد کا شریفانہ تصور دیا۔'' (Book of Knowledge, Vol. IV, p. 2282) Educational Book Company, London.

(۱۰) ''یہ یقینی بات ہے کہ کسی اور پیغمبر کی ذاتی عادات ایسے مخلصانہ طور پر ضبطِ تحریر میں نہیں لائی گئیں اور اُن کے پیرکاروں سے ایسے خلوص کے ساتھ اُن کی اتباع نہیں کی گئی اور نہ ہی اُن کے فیصلوں کو الٰہی سند کا درجہ دیا گیا ہے۔'' ("Foundations of Living Faith".. Bhattacharya, p. 45)

بھارت کا ایک وسیع العلم عالم و فاضل پنڈت نور بہار لکھنوی آقائے نامدار ﷺ کو یوں گلدستۂ عقیدت پیش کرتا ہے:۔

دَیر سے نُور چلا یوں کہ حرم تک پہنچا — فاصلہ میرے گناہوں کا تیرے کرم تک پہنچا
تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا — میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

بھارت کا ہی ایک ہندو وکیل اپنے ایک قصیدے میں یوں گوہر افشانی کرتا ہے:

گر شمس و قمر کو کوئی ہاتھوں پہ اٹھالے — اور دولتِ کونین کو دامن میں چھپا لے
پھر کالکا پرشاد سے پوچھے کہ وہ کیا لے — نعلینِ محمد کے وہ آنکھوں سے لگا لے

ایک اور ہندو شاعر چوہدری دتو رام نے آپ ﷺ کو یوں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

جس دَم دبایا مجھ کو گناہوں کے بار نے — میں شافعِ گناہ کو لگا پھر پکارنے
حضرت نے آکے مجھ کو سبکدوش کر دیا — رحمت بڑی کی شافعِ روزِ شمار نے
دیکھا بنا کے جبکہ محمد کا حُسن و نور — محبوب اپنا کرلیا پروردگار نے

ہے نام دِتو رام تخلص ہے کوثری
دَیر و حرم کی سیر کی اِس خاکسار نے

Marfat.com

## ۴۳۹۲ (محمد ﷺ Mohammad)

سکھ مذہب کے بانی گرونانک نے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام نامی کی یوں روشن گری کی ہے:

ہر عدد کو چوگن کرلو، دو کو اُس میں دو بڑھائے — پورے جوڑ کو پنج گن کرلو، بیس سے اس میں بھاگ لگائے
باقی بچے کو نو گن کرلو، دو کو اُس میں دو بڑھائے — گرو نانک یوں کہے ہر شے میں محمد کو پائے

یعنی ایک چیز کے اعداد معلوم کرلو۔ ان اعداد کو 4 سے ضرب دو، حاصل ضرب میں 2 جمع کر کے اُسے 5 سے ضرب دو۔ پھر حاصل ضرب کو 20 سے تقسیم کرو۔ باقی بچے ہوئے کو 9 سے ضرب دے کر اُس میں 2 جمع کرلو تو جواب 92 آئے گا۔ گرونانک کو یقین ہے کہ ہر چیز میں آپ کو محمد (ﷺ) کے نام کے اعداد کی خوشبو محسوس ہوگی جو 92 ہے۔ حروفِ تہجی کے مندرجہ ذیل اعداد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

مُحَمّد: م(۴۰)+ح(۸)+م(۴۰)+د(۴)=۹۲x۴=۳۶۸+۲=۳۷۰x۵=۱۸۵۰÷۲۰
20 پر تقسیم کرنے کے بعد باقی 10 بچے۔ ۱۰x۹=۹۰+۲=۹۲

رمضان: ر(۲۰۰)+م(۴۰)+ض(۸۰۰)+ا(۱)+ن(۵۰)=۱۰۹۱x۴=۴۳۶۴+۲=۴۳۶۶
۴۳۶۶x۵=۲۱۸۳۰÷۲۰=باقی بچے 10 ۱۰x۹=۹۰+۲=۹۲

ثاقب: ث(۵۰۰)+ا(۱)+ق(۱۰۰)+ب(۲)=۶۰۳x۴=۲۴۱۲+۲=۲۴۱۴x۵=
۱۲۰۷۰÷۲۰=باقی بچے 10 ۱۰x۹=۹۰+۲=۹۲

عاطف: ع(۷۰)+ا(۱)+ط(۹)+ف(۸۰)=۱۶۰x۴=۶۴۰+۲=۶۴۲x۵=۳۲۱۰
۳۲۱۰÷۲۰=باقی بچے 10 ۱۰x۹=۹۰+۲=۹۲

وقاص: و(۶)+ق(۱۰۰)+ا(۱)+ص(۹۰)=۱۹۷x۴=۷۸۸+۲=۷۹۰x۵=۳۹۵۰
۳۹۵۰÷۲۰=باقی بچے 10 ۱۰x۹=۹۰+۲=۹۲

ایک اور ہندو شاعر شیام سُندر شیامؔ (مدیر "پارس" لاہور) نے حضور علیہ السلام کو یوں خراجِ عقیدت پیش کیا:

دنیا کو تم نے آ کر پُرنور کر دیا ہے — اور ظلمتوں کو یکسر کافور کر دیا ہے
پیغامِ حق سنا کر مسرور کر دیا ہے — وحدت کی مے پلا کر مخمور کر دیا ہے
اِک بار تو دیارِ یثرب کو دیکھ لیتا — پابندیِ جہاں نے مجبور کر دیا ہے
سُندرؔ سے کیا رقم ہو وہ شان ہے تمہاری — جس نے گداگروں کو فغفور کر دیا ہے ☆

اردو حروفِ تہجی کے ہر حرف کے اعداد حسبِ ذیل ہیں:
الف (۱)، ب (۲)، پ (۲)، ت (۴۰۰)، ٹ (۴۰۰)، ث (۵۰۰)، ج (۳)، چ (۲)، ح (۸)،
خ (۶۰۰)، د (۴)، ڈ (۴)، ذ (۷۰۰)، ر (۲۰۰)، ڑ (۲۰۰)، ز (۷)، ژ (۷)، س (۶۰)، ش (۳۰۰)،
ص (۹۰)، ض (۸۰۰)، ط (۹)، ظ (۹۰۰)، ع (۷۰)، غ (۱۰۰۰)، ف (۸۰)، ق (۱۰۰)،
ک، گ (۲۰، ۲۰)، ل (۳۰)، م (۴۰)، ن (۵۰)، و (۶)، ہ (۵)، ی، ے (۱۰)

☆ فغفور چین کے شہنشاہوں کا شاہی لقب تھا۔

Marfat.com

لالہ دھرمپال وفاؔ نامی ایک اور ہندو شاعر (مدیر روزنامہ ''تیج'' دہلی) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نامِ نامی کو نوعِ انسانی کے تمام قائدین کے ناموں سے اعلیٰ وارفع سمجھتا ہے اور اس حقیقت کو اُس نے اپنے منظوم کلام میں اس طرح پیش کیا ہے:

چھڑا کے بُت کی پرستش سکھائی تھی وحدت | مرے خیال کی ترویج عام ہو جائے
سیاسیات سے مذہب ملا دیا تو نے | کہ دین و دنیا کا سب انتظام ہو جائے
رفاہِ عام ہی ترا تھا جبکہ نصب العین | لقب نہ کیوں ترا خیر الانام ہو جائے

وفا جہاں میں وہ عالی مقام ہوتا ہے
عطا جسے مے عِرفان ہو جائے

مہاراجہ سری کشن پرشادؔ (سابق مدار المہام ریاست نظام حیدر آباد دکن) ختم المرسلین ﷺ کو یوں خراجِ تحسین پیش کرتا ہے:

مرحبا سیّد مکی مدنی العربی

رفعت کے معنیٰ میں بہت وسعت ہے۔ یہاں بڑوں کا ذکر تو زمین پر ہے مگر اس رفعت والے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر زمین پر بھی ہے اور عرش پر بھی' جنت میں بھی اور ربّ کائنات کے ہاں بھی۔ دیکھئے پاؤں سے آنکھ زیادہ کام کرتی ہے' آنکھ سے زیادہ کان کام کرتا ہے کہ آگے پیچھے ہر طرف سے سنتا ہے اور کان سے زیادہ خیال اور تصوّر کام کرتا ہے' خصوصًا خیالِ شاعر کہ زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں ☆۔ مگر جہاں خیالِ شاعر بھی تھک جائے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفعت اور بلندی ہے۔ شاعرِ دربارِ رسول جناب حسّان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ وَلٰکِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٖ

یعنی میں نے یہ قصیدہ کہہ کر محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ستائش نہیں کی بلکہ محمد علیہ السلام کی مدح و توصیف کر کے اپنے کلام کو چار چاند لگا دئے ہیں۔

اپنی تخلیق کی شاہکار ہستی ﷺ کا مدّاح قادر و قدیر رب خود فرماتا ہے کہ لاکھوں کروڑوں گناہوں کی گٹھڑی سر پر لئے میرے محبوب کے در پر حاضر ہو کر مجھ سے معافی مانگ لو اور رسول بھی تمہارے حق میں مجھ سے سفارش کر دیں تو مجھے تم یقینًا توّاب و رحیم پاؤ گے۔ پوچھا: یا الٰہ العالمین! آپ تو جبّار بھی ہیں۔ فرمایا: کوئی شک نہیں کہ میں جبّار بھی ہوں' قہّار بھی ہوں لیکن جب مدینے والے کے در پر منگتے بن کر پہنچتے ہو تو میں جبّار نہیں بلکہ غفور رّحیم ہو جاتا ہوں۔

---

☆ اس کی مثال مرزا غالب کا یہ شعر ہے:

رات رو کا میں نے غالبؔ کو وگرنہ دیکھتے | اُس کے سیلِ گریہ سے گردوں کفِ سیلاب تھا

Marfat.com

رَفَعْنَا ماضی مطلق سے معلوم ہوا کہ ہم اس سے پہلے ہی اپنے حبیب محتشم کو رفعت دے چکے ہیں۔ اس اعلان میں یہ صاف فرما دیا کہ اے محبوب! میں جس کا ذکر کروں وہ تو ہے یعنی :

شان و مرتبہ دینے والا میں ہوں' لینے والا تو ہے۔
مزمّل کی چادر تجھے اُڑھانے والا میں ہوں' اُس چادر میں گنہگاروں کو چھپانے والا تو ہے۔
مُدثّر کے کمبل میں حقیقتِ محمدیہ کو چھپانے والا میں' چھپنے والا تو۔
ربّ العالمین میں' رحمة للعالمین تو۔
ربوبیت میری' ختمِ نبوّت تیری۔
عبادت میری' نماز میں تعظیم تیری۔
کلام میرا' زبان تیری۔
کتاب میری' ادا تیری۔
تیری زبان پر بولنے والا میں' آگے اُس کی عملی تفسیر کرنے والا تو۔
قرآن کو نازل کرنے والا میں' دنیا کو عملی نمونہ دینے والا تو۔
پیارے! جنت میری' مالک تو۔
کوثر میرا' ساقی تو۔
قدرت میری' رحمت تیری۔
بخشش میری' شفاعت تیری۔
تقدیر میری' تدبیر تیری۔
برکت میری' حرکت تیری۔
عطا میری' تقسیم تیری۔
مخلوق میری' اُمّت تیری۔

نبی کا غلام نبی کی غلامی میں آنے سے پہلے ذرّہ تھا' ستارہ ہو گیا۔ ادنیٰ تھا' اعلیٰ ہو گیا۔ قطرہ تھا' بوند بن گیا۔ بوند تھی' لہر بن گئی۔ لہر تھی' موج بن گئی۔ موج تھی' دریا بن گئی۔ دریا تھا' سمندر بن گیا۔ پست تھا' بلند ہو گیا۔ فرش تھا' عرش بن گیا۔ ابوبکر تھا' صدیقِ اکبر بن گیا۔ عمر تھا' فاروقِ اعظم بن گیا۔ عثمان تھا' جامع القرآن بن گیا۔ علی تھا' حیدرِ کرّار بن گیا۔ بلال حبشی غلام تھا' دنیا کا امام بن گیا۔ پھر یہ شان کہ اے بلال! سب سے پہلے تم جنت میں جاؤ گے۔ اُس وقت تک صبح نہیں ہوتی جب تک بلال اذان نہیں کہتے۔

واقعہ یوں ہوا کہ شہِ دوسرا ﷺ کی خدمتِ اقدس میں صحابہ نے شکایت کی کہ بلال کی زبان میں لکنت ہے اور اذان میں وہ اَشْھَدُ میں شین کی بجائے سین بولتے ہیں لہٰذا اُن کی بجائے آپ کوئی اور موٴذن مقرر فرما

Marfat.com

دیجئے۔ رحمتِ مجسم نے اپنے غلام کی عظمت و شان کو صحابہ پر آشکارا کرنے کے لئے صحابہ کے مطالبے کو مان لیا اور جنابِ بلال کو حکم دیا کہ صبح آپ اذان نہ کہنا۔ بلال کی آنکھوں میں نم' چہرے پر اَلم اور دل میں غم۔ بلال کا رونا تھا کہ اللہ کی رحمت کو جوش آنا تھا۔ عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ بارگاہِ نبوی میں عرض کناں ہوئے کہ حضور! رات لمبی ہوگئی' سوسو کے کمر درد کرنے لگی۔ صبح کاذب جاتی نہیں' صبح صادق آتی نہیں۔ محبوبِ ربّ العالمین نے فرمایا: اِصْبِرْ یَا عُمَرُ اَنَا اُصَلِّیْ رَکْعَتَیْن (عمر! ذرا صبر کرو' میں دو رکعت نماز نفل پڑھ لوں)۔ میرے اور آپ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی جبینِ نیاز اپنے خالق و مالک کے حضور زمین پر رکھی ہی تھی کہ جبریلِ امین حاضر ہو کر بولے: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعالٰی : سِیْنُ بِلَالٍ عِنْدَ اللّٰہِ شِیْن" (اے اللہ کے رسول! رب فرما رہا ہے کہ بلال کی سین میرے نزدیک شین ہے)۔ مطلب یہ کہ جب تک بلال لکنت والی زبان سے اذان کہے گا نہیں' سورج طلوع نہیں کروں گا' چاہے لوگ قیامت تک بستروں میں کروٹیں بدلتے رہیں۔

پیغمبر کے فرمان پر جنابِ بلال کی تلاش کی گئی تو آپ مسجدِ نبوی کے ایک کونے میں غم سے نڈھال گریہ و زاری کر رہے تھے۔ روتے ہوئے عرض کی: یا رسول اللہ! میں کہیں جہنمی تو نہیں ہوگیا؟ زبانِ رسالت نے جنابِ بلال کو اپنے سینۂ اقدس سے لگا کر فرمایا: بلال! میرے ہوتے ہوئے تم دوزخ میں نہیں جا سکتے' تم تو جنت میں جاؤ گے۔ عرض کیا: آقا! کیا میں جنتی ہوں؟ فرمایا: ہاں تم جنتی ہو اور جنت میں پہلے تم جاؤ گے۔ جنابِ بلال نے بڑے ادب سے پوچھا: کیا نمازیوں سے بھی پہلے؟ فرمایا: جی ہاں' نمازیوں سے بھی پہلے۔ عرض کیا: کیا عابدین سے بھی پہلے؟ فرمایا: ہاں' عابدین سے بھی پہلے۔ پھر عرض کیا: اچھا' شہیدوں سے بھی پہلے؟ فرمایا: ہاں' شہیدوں سے بھی پہلے۔ پوچھا: اچھا' صحابہ سے بھی پہلے؟ میرے نبی نے فرمایا: ہاں' صحابہ سے بھی پہلے۔ جنابِ بلال نے پھر وضاحت چاہی کہ اچھا' آپ کے صدّیق سے بھی پہلے؟ فرمایا: جی ہاں' میرے صدّیق سے بھی پہلے۔ اچھا' تو آپ کے مانگے ہوئے عمر سے بھی پہلے؟ فرمایا: ہاں۔ اچھا' عثمانِ غنی سے بھی پہلے؟ فرمایا: جی ہاں۔ پھر پوچھا: آپ کے علی سے بھی پہلے؟ فرمایا: ہاں علی سے بھی پہلے۔ جنابِ بلال نے پھر پوچھا کہ تمام انبیاء و رُسل سے بھی پہلے؟ فرمایا: ہاں اُن سے بھی پہلے۔ جنابِ بلال عشق و جذب کی لہر میں آکر پوچھنے لگے: کیا آپ کے اہلِ بیت سے بھی پہلے؟ فرمایا: ہاں' میرے اہلِ بیت سے بھی پہلے۔ بلال تڑپ اٹھے اور مؤدّبانہ پوچھ بیٹھے کہ حضور! آپ سے بھی پہلے؟ فرمایا: ہاں' ہاں مجھ سے بھی پہلے۔ اس پر بلال قدموں میں گر پڑے۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! دنیا والے کیا کہیں گے کہ اُمتی آگے اور نبی پیچھے۔ آقا! محبت میں بات ہو گئی' اب بات بدل دیجئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرۂ انور سرخ ہوگیا اور فرمایا: بلال! سُن لے' کائنات اِدھر کی اُدھر ہوسکتی ہے' زمین پھٹ سکتی ہے' سورج مغرب سے طلوع ہوسکتا ہے' سمندروں کے پانی خشک ہو سکتے ہیں لیکن خاتم النبیین کی زبان سے نکلی ہوئی بات تبدیل نہیں ہو سکتی۔ فرمایا: قیامت کے دن میں جس سواری پر سوار ہوں گا' اے بلال! اُس کی لگام تیرے ہاتھ میں ہوگی۔ ذرا بتا تو سہی کہ لگام تھامنے والا پہلے اندر جاتا ہے یا سواری پر سوار پہلے جاتا ہے۔ سُن لے تو آگے آگے غلام بن کے جائے گا اور میں پیچھے پیچھے آقا بن کے آؤں گا۔

Marfat.com

ذرا اُس واقعہ کی طرف توجہ ہو جب فتح مکّہ کے موقع پر نبی الثقلین ﷺ نے بیت اللہ شریف پہنچ کر جنابِ بلال کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان کہہ دو۔ جنابِ بلال نے عرض کی: آقا! مدینے میں میں نے اذان دی تو کعبے کی طرف رخ کیا' سفر میں اذان دی' بدر میں اذان دی تو رخ کعبے کی طرف کیا۔ لیکن اب تو آپ نے کعبہ کے اوپر چڑھا دیا' اب رخ کدھر کروں؟ بلال کی اس بات پر امام القبلتین ۔۔ کعبے کا کعبہ ۔۔ مسکرا دیئے اور فرمایا: اب تک جہاں اور جس جگہ بھی تم نے اذان کہی' رخ کعبے کی طرف کیا۔ اب نبی نے تمہیں کعبہ کی چھت پر چڑھا دیا تو اَب اپنے نبی کی طرف رخ کر کے اذان کہہ دو۔ اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر کعبہ کی بلندیوں پر بھی چڑھ جاؤ تو اپنے نبی سے رخ نہ پھیرو۔

**(105-110)** نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کی صداقت کی توثیق میں قرآن مجید کئی مقامات پر استدلال کرتا ہے' مثلاً:

(۱) ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ O (آلِ عمران: ۴۴)

''(اے محبوب!) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں حالانکہ آپ (اُس وقت) اُن کے پاس نہ تھے جب وہ (قرعہ اندازی کے طور پر) اپنے قلم (دریا میں) ڈال رہے تھے کہ اُن میں سے کون مریم کی کفالت کرے اور نہ آپ اُس وقت اُن کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔''

جب مریم علیہا السلام کی ولادت کا وقت آ پہنچا تو اُن کی والدہ حنّہ کو معلوم ہوا کہ اُن کے بطن سے لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ جہاں تک اولاد کا تعلق ہے' حنّہ کے لئے یہ لڑکی بھی لڑکے سے کم نہ تھی مگر اُنہیں یہ افسوس ضرور ہوا کہ میں نے جو نذر مانی تھی وہ پوری نہیں ہو سکے گی کیونکہ لڑکی کس طرح مقدس ہیکل کی خدمت کر سکے گی لیکن اللہ تعالٰی نے اُن کے افسوس کو یہ کہہ کر بدل دیا کہ ہم نے تیری لڑکی کو ہی قبول کیا اور اُس کی وجہ سے تمہارا خاندان بھی معزز و مبارک قرار پایا۔ حنّہ نے لڑکی کا نام ''مریم'' رکھا جس کے معنی سریانی زبان میں ''خادم'' کے ہیں (فتح الباری' ج ۶' ص ۳۶۵)۔ چونکہ یہ ہیکل کی خدمت کے لئے وقف کر دی گئیں اس لئے یہ نام موزوں سمجھا گیا۔

''حضرت مریم علیہا السلام جب سنِ شعور کو پہنچیں اور یہ سوال پیدا ہوا کہ مقدس ہیکل کی یہ امانت کس کے سپرد کی جائے تو کاہنوں ☆ میں سے ہر ایک نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اِس مقدس امانت کا کفیل مجھے بنایا جائے مگر اس امانت کی نگرانی کا اہل حضرت زکریا علیہ السلام سے زیادہ کوئی نہ تھا کیونکہ وہ مریم علیہا السلام کی خالہ ایشاع کے شوہر بھی تھے اور مقدس ہیکل کے معزز کاہن اور ربِ ذوالجلال کے نبی بھی تھے۔ اس لئے سب سے پہلے اُنہوں نے ہی اپنا نام پیش کیا مگر جب سب کاہنوں نے یہی خواہش ظاہر کی اور باہمی کشمکش کا اندیشہ ہونے لگا تو آپس میں یہ طے پایا کہ قرعہ اندازی کے ذریعے اس کا فیصلہ کر لیا جائے اور بقولِ روایاتِ بنی اسرائیل تین مرتبہ قرعہ اندازی کی

☆ کاہنوں سے وہ مقدس ہستیاں مراد ہیں جو ہیکل میں مذہبی رسوم ادا کرتی اور خدمتِ ہیکل پر مامور تھیں۔

Marfat.com

گئی۔ وہ دریا میں اپنے قلم ڈالتے جن سے وہ تورات لکھا کرتے۔ مگر قرعہ کی شرط کے مطابق ہر مرتبہ زکریا علیہ السلام ہی کا نام نکلتا۔ کاہنوں نے جب یہ دیکھا کہ اس معاملہ میں زکریا علیہ السلام کے ساتھ تائیدِ غیبی ہے تو انہوں نے بخوشی اس فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اس طرح یہ ''سعید امانت'' حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد کی گئی۔''

آیت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کی تصدیق یوں کر رہی ہے کہ پیارے! اس سارے قضیہ میں آپ بہ نفسِ نفیس موجود نہیں تھے اور اہلِ کتاب کو یہ بھی تسلیم ہے کہ اُمی ہونے کے ناطے سے آپ نے اُن کی کتابیں (تورات وانجیل) بھی نہیں پڑھیں اور نہ ہی آپ اُن کے کسی پادری یا عالم سے ملے ہیں جس نے آپ کو یہ سارا واقعہ بتا دیا ہو۔ تو پھر اُن کی سماوی کتب کے مطابق من وعن آپ کا بتلا دینا اس بات کا پکا ثبوت ہے کہ آپ کو خبر دینے والا وہی اللہ ہے جس نے آپ کو ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔

(۲) تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا
''یہ (بیان اُن) غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں، اس سے قبل نہ آپ اُنہیں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔'' (ھود: ۴۹ : ۱۱)

یعنی (اے حبیب!) فراہم شدہ معلومات کے کسی بھی ذریعہ سے آپ کو قومِ نوح (علیہ السلام) کے المناک انجام کا علم حاصل نہ تھا۔ اس قدیم تاریخ کے متعلق اہلِ عرب نے کبھی سنا بھی نہ تھا، ہماری وحی کے ذریعہ ہی اس کی نقاب کشائی ہوئی ہے۔ گویا اِس خدائی بیان کا مقصدِ وحید ہمارے رسول علیہ السلام کی رسالت کی صداقت کا محکم ثبوت فراہم کرنا ہے۔

(۳) ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝ (یوسف: ۱۰۲)
''(اے حبیبِ مکرّم!) یہ (قصہ) غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم آپ کی طرف وحی فرما رہے ہیں اور آپ اُن کے پاس موجود نہ تھے جب وہ (برادرانِ یوسف) اپنی سازشی تدبیر پر جمع ہو رہے تھے اور وہ مکروفریب کر رہے تھے۔'' (۱۰۲ : ۱۲)

(۴) وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (اَلْقَصَص: ۴۴)
''اور (اے حبیب!) آپ (پہاڑ کے) مغربی جانب موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو احکام دیے تھے اور نہ آپ اُن لوگوں میں سے تھے جو (اُس وقت) موجود تھے۔'' (۲۸:۴۴)

(۵) وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ

Marfat.com

نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ O (القصص: ۴۶)

"اور نہ آپ طور کے پہلو میں اُس وقت موجود تھے جب ہم نے موسیٰ کو آواز دی تھی لیکن آپ اپنے پروردگار کی رحمت سے (نبی بنائے گئے) تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تا کہ وہ لوگ نصیحت قبول کریں۔" (۲۸ : ۴۳ تا ۴۶)

مطلب یہ ہوا کہ اے حبیبِ مکرّم! موسیٰ علیہ السلام پر نزولِ وحی وکتاب کے وقت آپ وہاں موجود نہ تھے۔ یعنی یہ امور آپ کو مشاہدہ سے تو معلوم ہی نہیں ہو سکتے تھے، ہماری وحی ہی سے معلوم ہو رہے ہیں۔ نہ آپ کو جسماً وہاں حضوری حاصل رہی اور نہ یہ چیزیں آپ کے مشاہدہ میں آئیں۔ پھر آپ جو اُنہیں اتنا صاف وصحیح بتا رہے ہیں تو وحی کے سوا اور کیا ذریعہ ہو سکتا ہے؟" (ماجدی اردو، صفحہ ۷۸۹، نوٹ: ۵۸ تا ۶۰)

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے حضور علیہ السلام کی فضیلت اور آپ کی اُمت کی شان بیان فرمائی تو آپ نے خواہش ظاہر کی کہ مجھے دیدار کرایا جائے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دیکھ نہیں سکتے۔ اگر چاہو تو میں اُنہیں بلاتا ہوں اور اُن کی آواز تمہیں سناتا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: ہاں مجھے آواز ہی سنوا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ندا دی: اے محمد (ﷺ) کی امت! تو اپنے باپوں کی پشتوں سے امتِ محمدیہ نے جواب دیا تو آیت کا معنیٰ یہ ہوگا کہ (اے حبیبِ مکرّم!) آپ اُس وقت طور کے پاس نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور آپ کی امت کو آواز دی اور موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ ہم نے آپ کو اور آپ کی امت کو اتنی بڑی شان دی ہے۔

"سپرینگر، سنوک اور اُن کے ہم نوا جیسے مستشرقین کہتے ہیں کہ اگر ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام عرب کے پیغمبر ہوتے تو قرآنِ عزیز اُمتِ عربیہ کے متعلق اس طرح محمد (ﷺ) سے خطاب نہ کرتا۔ مگر یہ بھی ایک سخت مغالطہ ہے جو قرآنِ عزیز کے طرزِ خطابت، اسلوبِ بیان اور باطل پرستوں کی باطل پرستی کے خلاف دلائل کی ترتیب سے ناواقفیت کی بناء پر پیدا ہوا ہے یا گزشتہ اعتراضات کی طرح محض بغض وعناد کی خاطر اختیار کیا گیا ہے۔"

"مستشرقین کی طرف سے سورۃ القصص کی پیش کردہ آیت ۴۶ بالا لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ سرزمینِ عرب (حجاز) ہمیشہ سے اللہ کے نبی اور پیغمبر کے وجود سے محروم ہے اور اس ملک میں نبی اکرم ﷺ کی آواز سب سے پہلی آواز ہے۔ قرآنِ عزیز ایسی خلافِ حقیقت بات کیسے کہہ سکتا تھا جبکہ سورہ ابراھیم، الانعام اور النحل کی متعدد آیات میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے عربی ہونے کی صاف اور صریح شہادتیں موجود ہیں۔ بلاشبہ قرآنِ عزیز اس قسم کے تضاد اور اختلاف سے قطعاً بری ہے کہ ایک جگہ وہ ایک بات کا انکار کرے اور دوسری جگہ اُسی بات کا اقرار کرے۔

Marfat.com

سورۃ القصص کی زیرِ نظر آیت ۴۶ کا مطلب اگر یوں بیان کیا جائے تو آیت کے سمجھنے میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ فرمایا: ہم نے آپ کو اس قوم میں مبعوث فرمایا جس میں اسماعیل علیہ السلام کے وقت سے لے کر اب تک کے عرصہ دراز میں کوئی نبی اور نذیر (ڈرانے والا) نہیں آیا تھا۔ ہدایت کی روشنی مدت سے ناپید تھی، ہر طرف کفر و جہالت کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی تاکہ آپ اُنہیں عذابِ الٰہی سے بروقت ڈرائیں۔

لہٰذا قرآن عزیز کے خلاف سنوک، اسپرنگر اور وینسنک کے یہ تمام دعاوی اور اُن کے دلائل تاریخی حقائق اور واقعات کی روشنی میں قطعاً باطل اور محض افترا ہیں اور اُن کے طرزِ عمل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اور اس قسم کے دوسرے ناقدین قرآنِ عزیز پر علمی دیانت کے ساتھ تنقید نہیں کرتے اور نہ اُن کی فہم اور سمجھ کا قصور ہے بلکہ اس کے برعکس وہ علمی بددیانتی سے کام لے کر قرآن کے خلاف زہر اگلتے، غلط الزام قائم کرتے اور صریح اور واضح مسائل میں اپنے پیشِ نظر مقاصد کے مطابق گنجلک پیدا کر کے ناواقف دنیا کو گمراہ کرتے ہیں بلکہ اس قسم کے الزامات سے اُن کا صرف ایک ہی مقصد ہو سکتا ہے جسے قرآن عزیز نے اس قسم کے معاندین کے لئے ایک مستقل قانون کی طرح واضح کر دیا ہے:

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً (النساء : ۸۹)

''یہ (منکرینِ قرآن و اسلام) تو دل سے چاہتے ہیں کہ کاش تم بھی اُنہی کی طرح منکر بن جاؤ تاکہ وہ اور تم (سب) برابر ہو جاؤ۔'' (۴:۸۹)

''بہرحال قرآنِ حکیم کی مسطورہ بالا زیرِ بحث آیت کا مطلب صاف اور واضح ہے اور اُس کے درمیان اور الانعام، ابراھیم اور النّحل جیسی سورتوں میں ابراہیم علیہ السلام کے پیغمبرِ عرب ہونے کے درمیان قطعاً کوئی تضاد اور اختلاف نہیں ہے۔ اس پیش کردہ تفصیل و تشریح کے علاوہ عام مفسرین نے اس قسم کی آیات کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہ خطاب صرف اُنہی لوگوں سے متعلق ہے جو نبیِ اکرم ﷺ کی حیاتِ طیّبہ میں موجود تھے۔ اُن کے گزشتہ آباء و اجداد اور گزشتہ تاریخِ عرب سے اس خطاب کا کوئی تعلق نہیں ہے۔'' (''قصص القرآن''۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ج ۱، ص ص ۱۵۱ تا ۱۶۷ ملخصاً)

(۶) مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ (ص : ۶۹)

''مجھے تو (از خود) عالَمِ بالا کی جماعت (ملائکہ) کی کوئی خبر نہ تھی جب وہ (تخلیقِ آدم کے بارے میں) بحث و تمحیص کر رہے تھے۔'' (۶۹ : ۳۸)

یَخْتَصِمُوْن سے مراد روزِ ازل کو اللہ تعالیٰ سے فرشتوں کی گفتگو ہے جس کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیات ۳۰ تا ۳۲ میں ہوا۔ اور پیغمبر علیہ السلام کو اب جو اس کی خبر ہوئی ہے، محض وحی کے ذریعہ سے ہوئی ہے اور جب وحی کے ذریعے معلوم ہونا ثابت ہو گیا تو آپ کی رسالت کے سچ ہونے میں کیا شبہ باقی رہ جاتا ہے!!

Marfat.com

(111) هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۝ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (الفتح : ۲۸، ۲۹)

''وہی ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دینِ حق عطا فرما کر بھیجا تا کہ اُسے تمام اَدیان پر غالب کر دے اور (رسول ﷺ کی صداقت وحقانیت پر) اللہ ہی گواہ کافی ہے۔ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔'' (۴۸ : ۲۸، ۲۹)

آیتِ بالا کا ابتدائی لفظ هُوَ اسمِ اشارہ ہے اور اس سے متصل اگلا لفظ اَلَّذِیْ اسم موصول ہے۔ یہ خیال رہے کہ اسم اشارہ اور اسم موصول دونوں اپنے معانی میں مبہم اور غیر واضح ہوتے ہیں۔ اسم اشارہ کا ابہام اُس مرجع سے دُور کیا جاتا ہے جس کا حوالہ اسم اشارہ دے رہا ہوتا ہے۔ جبکہ اسم موصول کا ابہام اُس سے متصل لفظ یعنی صلہ سے دُور کیا جاتا ہے۔ یوں کہئے کہ صلہ اسم موصول کے ابہام کو دُور کرتا ہے جبکہ مرجع اسم اشارہ کے ابہام کو دُور کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اِن دونوں مبہم اسماء هُوَ اور اَلَّذِیْ کو لایا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ هُوَ کون ہے اور اَلَّذِیْ کون ہے۔ اَلَّذِیْ اسم موصول ہے اور اس کا صلہ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ ہے۔ اس کا مقصد ہمیں یہ سمجھانا ہے کہ جس طرح اسم موصول کا ابہام اُس وقت تک دُور نہیں ہوتا جب تک صلہ کی طرف رجوع نہ کیا جائے اور اسم اشارہ کا ابہام مرجع کے بغیر دُور نہیں ہوتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بارے میں تمہارے ذہنوں میں جو انتشار پیدا ہوا ہے، وہ پیغمبر کے بغیر دُور نہیں ہو سکتا۔ مرجع کے بغیر اسم اشارہ ادھورا ہے اور صلہ کے بغیر اسم موصول مخفی اور پوشیدہ رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح رب تعالیٰ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے توسل کے بغیر مخفی رہتا ہے۔

یہاں ایک جاندار سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اپنے پیغمبر علیہ السلام کے وسیلہ کے بغیر نہیں مل سکتی جبکہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اُس کی قدرت کا مظہر اور علامت ہے اور علامت مقصد کی طرف راہ نما ہوتی ہے۔ کیا کائنات میں اتنی کثیر تعداد میں پھیلے ہوئے مظاہر اللہ رب العزت کی معرفت کے لئے کافی نہیں ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دلیل دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک خاموش دلیل ہوتی ہے، دوسری ناطق دلیل ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ رب تعالیٰ کی ہستی کی علامت ہے لیکن یہ تمام مظاہر (شمس و قمر، آسمان، زمین، شجر و حجر، پہاڑ، آگ، حیوانات وغیرہ) اُس کے وجود کے خاموش دلائل ہیں۔ لوگ ان مظاہر و علامات کی مسلسل پرستش کرتے رہے اور یہ علامات و مظاہر خاموش ہی رہے اور انہیں پرستش سے نہ روکا۔

کیا پتھر علاماتِ ناطق ہیں؟ ہرگز نہیں۔ لیکن جب ابوجہل نے اِن پتھروں کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مارنا چاہا تو کیا وہ نبی محتشم ﷺ کی رسالت کی توثیق وتصدیق کرتے ہوئے دلیلِ ناطق نہیں بن گئے؟ آسمان میں

Marfat.com

چمکتا ہوا مہِ کامل نبی علیہ السلام کی انگلی کے اشارے سے دو لخت ہوا اور اُس نے دلیل ناطق بن کر کائنات کو بتا دیا کہ اگر محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں تو میرے دو ٹکڑے ہوئے تو کیونکر ہوئے؟

اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی کے دو ممکن معانی ہوسکتے ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو پہلے ہی سے رشد و ہدایت سے مالا مال کر کے بھیجا۔ دوسرے لوگوں کو تو راہ نمائی اپنے والدین' اساتذہ اور دوستوں سے ملتی ہے لیکن اقلیمِ رسالت کے اِس آخری تاجدار ﷺ کو رشد و ہدایت کسی انسانِ فانی سے نہیں ملی بلکہ اُس کے خالق نے ہر شعبہ حیات میں اُن کی راہ نمائی کا ذمہ اپنے آپ پر لیا ہوا ہے اور اسی حقیقت کی طرف زبانِ رسالت نے یوں فرمایا تھا:

اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ / ھَذَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَھْذِیْبِیْ

''میرے رب نے مجھے ادب سکھایا تو اُس نے کیا ہی خوب مجھے ادب سکھایا!'' یا آپ نے فرمایا:

''میرے رب نے میری تہذیب کی تو اُس نے کیا ہی خوب میری تہذیب کی!''

تفسیر ''روح البیان'' میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیدا ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا۔ مزید یہ کہ رب تعالیٰ کی معرفت کے باعث آپ نے اپنی رضاعی ماں سیّدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی ایک چھاتی سے دودھ چوسا اور اُن کی دوسری چھاتی کو اپنے رضاعی بھائیوں کے لئے چھوڑ دیا۔ یہی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی ہے کہ شہر کی تمام دایوں کے دودھ کو آپ نے قبول نہیں کیا لیکن جب آپ کی حقیقی والدہ نے چھاتی منہ میں دی تو فوراً دودھ چوسنے لگے (بحوالہ سورۃ القصص: آیت ۱۲) اس لئے کہ پیغمبر دوسروں کا حق کبھی نہیں مارا کرتا۔

(۲) اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی کا دوسرا معنیٰ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمام رُشد و ہدایت پیغمبر علیہ السلام ہی کے درِ دولت سے ملتی ہے اور نوعِ انسانی آپ کے توسل سے ہدایت سے بہرہ ور ہوگی کیونکہ آپ کی ذاتِ ستودہ صفات ہی الٰہی رُشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

دِیْنِ الْحَقِّ کا معنیٰ سچا دین یا مستحکم دین ہے۔ انبیائے سابقہ کے ادیان بھی سچے تھے لیکن وہ مستحکم اور ہمیشہ رہنے والے نہیں تھے' اس لئے منسوخ ہوگئے۔ لیکن نبی علیہ السلام کا لایا ہوا دین سچا بھی ہے اور مستحکم بھی ہے اور اسی لئے وہ ہمیشہ رہنے والا ہے اور کبھی بھی منسوخ نہ ہوگا۔

مُحَمَّدٌ'' رَّسُوْلُ اللّٰہِ (محمد ﷺ اللہ کا رسول ہے)۔ اگرچہ آپ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے لیکن یہاں آپ کا ذکر خصوصی طور پر کچھ وجوہ کے باعث کیا گیا: (۱) تمام انبیاء اور رسول علیہم السلام کو اُن کے اس دنیا میں آنے کے بعد منصبِ رسالت و نبوّت سے سرفراز کیا گیا جبکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی پیدائش سے پہلے بھی عالمِ ارواح میں نبی تھے۔ (۲) سابقہ انبیاء و رُسل علیہم السلام کی نبوّت و رسالت مستقل اور دائمی نہ تھی جبکہ نبی علیہ الصلوٰۃ

Marfat.com

والسلام کی رسالت مستقل اور دائمی ہے۔ (۳) تمام انبیاء علیہم السلام کو مخصوص اور انفرادی معجزات سے نوازا گیا جبکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے لاتعداد معجزات عطا کئے گئے جو زمانہ ماضی کے تمام معجزات اور اُن کی فوقیت کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہیں۔ (۴) گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اُن کے معجزات بھی ختم ہو گئے جبکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سب سے بڑا اور عظیم معجزہ قرآن مجید کی شکل میں اب تک زندہ و جاوید ہے جو ابدالآباد تک چاردانگ عالم کو اپنی درخشانی اور تابانی سے منوّر کرتا رہے گا۔

اسلام حق وصداقت کی مکمل روشنی ہے۔ جس طرح مکمل روشنی اپنی توانائی کے بل بوتے پر کم تر روشنیوں کو مزید روشن کر دیتی ہے' اسی طرح اسلام بھی سب چیزوں کو روشن کر دیتا ہے۔ دوسرے تمام ادیان پر اسلام کا غلبہ اور فوقیت اُس کے مضبوط' مُسکت اور ٹھوس دلائل کی بنیاد پر ایک مسلّمہ حقیقت ہے لیکن اقوامِ عالم پر اسلام کا مادّی اور بالفعل غلبہ مسلمانوں کے اپنے خالق و مالک اللہ پر مکمل اور پختہ ایمان کے ساتھ مشروط ہے جیسا کہ سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۳۹ میں مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا ہے :

وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝

''اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم (کامل) ایمان رکھتے ہو۔'' (۳:۱۳۹)

**(112)** مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰـكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا ۝ (الاحزاب : ۴۰)

''محمد علیہ السلام تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النّبیّین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔'' (۳۳ : ۴۰)

''باپ ہونے کی نفی کی اور اللہ تعالیٰ کا رسول ہونے کا اعلان فرما دیا۔ بے شک باپ اپنی اولاد پر بڑا مہربان اور شفیق ہوتا ہے لیکن رسول کو جو قلبی تعلق اپنی اُمّت کے ہر ہر فرد سے ہوتا ہے اور جو لُطف و کرم وہ فرماتا ہے' اُس کے مقابلہ میں باپ کی ساری شفقتیں ہیچ ہیں۔ باپ کی مہربانیاں' اولاد کی جسمانی اور مادّی دُنیا تک محدود ہوتی ہیں۔ رسول کی نگاہِ کرم سے اُمّتی کا جسم اور رُوح' ظاہر اور باطن' دل اور عقل سب فیض یاب ہوتے ہیں۔ باپ کی شفقتیں روزِ حشر کسی کام نہیں آئیں گی بلکہ سارے دنیاوی رشتے اُس دن ٹوٹ جائیں گے (سورہ عبس : آیات ۳۴ تا ۳۷) لیکن رسول کے لطف وعنایت سے دُنیا اور آخرت دونوں میں اُن کا اُمّتی شادکام ہوتا ہے۔''

آیت ۴۰ میں '' حضور علیہ السلام کی نہایت شفقت کو بیان فرمایا جا رہا ہے کہ اگر آپ کے بعد بھی نبوّت کا سلسلہ جاری رہتا تو حضور علیہ السلام اتنی تن دہی سے اُمّت کے سامنے دینِ اسلام کے سارے گوشے آشکار کرنے کی شاید زحمت نہ فرماتے لیکن اب جبکہ نبوّت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے اور حضور علیہ السلام ہی اِس سلسلہ ذھبیہ کی آخری

Marfat.com

کڑی ہیں' تو آپ کی محبت اور اُلفت کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی بھی چیز ادھوری نہ رہنے دی جائے۔ ساری بُری رسموں کا قلع قمع کر دیا جائے کیونکہ اگر باطل کا کوئی پہلو اصلاح سے محروم رہا تو پھر اس کی اصلاح ممکن نہیں ہوگی اور اگر دَورِ جاہلیت کی قبیح رسموں کو مٹایا نہ گیا تو پھر ایسی ہستی پیدا ہی نہیں ہوگی جو اُنہیں مٹا سکے۔ اتنی محبوبیت' اتنی جامعیت اور اتنا تقدّس کہاں پایا جائے گا تا کہ دُنیا اُس کے اشارہِ ابرو پر اپنا سب کچھ نثار کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔'' (ضیاء القرآن۔۔ کرم شاہ الازہری' جلد چہارم' صفحات ۶۵' ۶۶)

خَاتَمُ اور خَاتِم دونوں کے لغوی معنیٰ آخر کے ہیں (لسان العرب) اور آپ کا لقب خَاتَمُ النَّبِیِّین ہے اِس لئے کہ نبوت آپ پر ختم ہوگئی اور آپ کی آمد سے نبوت کی تکمیل ہوگئی ('' مفردات الفاظ القرآن'' لاامام راغب اصفہانی) اور حضور علیہ السلام کے اسماء میں سے اَلْعَاقِب بھی ہے جس کا معنیٰ آخرالانبیاء ہے۔ اِس معنیٰ کی تائید کے لئے اہلِ لغت نے سورۃ المُطَفِّفِین کی آیت ۲۶ سے بھی استدلال کیا ہے: خِتَامُہٗ مِسْكٌ اَیْ آخِرُہٗ مِسْكٌ یعنی اہلِ جنت کو جو مشروب پلایا جائے گا اُس کے آخر میں اُنہیں کستوری کی خوشبو آئے گی۔ (ضیاء القرآن)

علامہ ابنِ منظور افریقی لفظ خاتَم کے بارے میں لکھتے ہیں:

خِتَامُ الْوَادِیْ اَقْصَاہُ وَخِتَامُ الْقَوْمِ وَخَاتِمِھِمْ وَخَاتَمِھِمْ آخِرُھُمْ وَ مُحَمَّد'' ﷺ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ (لسان العرب)

'' کسی وادی کے آخری کونے کو خِتَامُ الْوَادِیْ کہتے ہیں' کسی گروہ کے آخری آدمی کو خِتَامُ الْقَوْم یا خَاتِمُ الْقَوْمُ یا خَاتَمُ الْقَوْم کہتے ہیں تو محمد ﷺ کو خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ اِسی لئے کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے آخری رسول ہیں۔''

لفظِ خاتَم کا ایک معنیٰ مُہر کا بھی ہے۔ جب کسی دستاویز پر مہر لگا دی جائے تو وہ مکمل ہو جاتی ہے اور اس میں مزید کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ ابن منظور افریقی نے '' لسان العرب'' میں لکھا:

'' وَمَعْنٰی خَتَمَ وَطَبَعَ فِی اللُّغَۃِ وَاحِد'' وَھُوَالتَّغْطِیَۃُ عَلَی الشَّیْءِ وَالْاِسْتِیْثَاقُ عَنْ اَنْ لَّایَدْخُلَہٗ شَیْء'' کَمَا قَالَ جَلَّ وَعَلَا: اَمْ عَلٰی قُلُوبٍ اَقْفَالُھَا

'' ختم'' اور '' طبع'' کا معنیٰ بہ لحاظِ لغت ایک ہی ہے اور وہ کسی چیز کو ایسی مضبوطی سے ڈھانپ اور بند کر دینا ہے کہ اُس میں کسی بیرونی چیز کے اندر جانے کا امکان نہ رہے جیسا کہ سورہ محمد میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا: کیا اُن کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟'' (۴۷ : ۲۴)

آیت کا صاف اور واضح مطلب یہی ہے کہ نبوّت و رسالت کے سلسلہ ذہبیہ کی آخری کڑی محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے کہ آپ پر نبوت کے دروازے کو بند کر کے اُسے سر بہ مُہر کر دیا گیا ہے تا کہ کوئی جھوٹا اور جعلی نبی اس

Marfat.com

میں داخل نہ ہو سکے۔ اگر کوئی اس میں جبراً داخل ہونے کی کوشش کرے گا تو اُسے سب سے پہلے مُہر کو توڑنا ہو گا اور مُہر کے توڑنے پر وہ مجرم کے طور پر پکڑا جائے گا اور نارِ جہنم کی جھلستی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

غرض تعلیم الٰہی دائمی ہے اور دائمی رہے گی اور محمد ﷺ کے بعد کسی بھی نبی یا رسول نے نہیں آنا۔ بعد کے زمانوں میں مفکرین اور مصلحین کی ضرورت تو ہو گی لیکن رسولوں اور پیغمبروں کی نہیں۔ آپ کے آخر الانبیاء ہونے کا ذکر آپ کی متعدد احادیثِ مبارکہ سے بھی صاف اور واضح الفاظ میں ہوا ہے۔

خَاتَمَ النَّبِیّٖن کی وضاحت میں چند احادیث مبارکہ : نبی علیہ السلام کے آخر الانبیاء ہونے کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے اور اسی پر ہر زمانہ میں اُمت کا متفقہ اجماع رہا ہے۔ علامہ طبری کا بیان ہے کہ جھوٹا نبی مُسَیلمہ کذّاب' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کا منکر نہیں تھا لیکن آپ ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنی رسالت کا بھی دعویدار تھا۔ طبری کہتے ہیں کہ مسیلمہ کی اذان میں بھی اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ کا جملہ تھا یعنی ''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔'' لیکن چونکہ وہ خود نبوّت کا دعویدار تھا' اس لئے خلیفہ اوّل جناب ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے مرتد قرار دے کر اُس کے خلاف فوج کشی کی اور اُس وقت تک آرام سے نہیں بیٹھے جب تک اُس لعین کو کیفرِ کردار تک نہیں پہنچا دیا۔

ہمارے نبی معظم ﷺ کے آخری رسول ہونے کی تائید میں لاتعداد احادیثِ مبارکہ موجود ہیں۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان کسی مرتد سے اُس کی نبوّت کی دلیل مانگے تو اُس کا ایمان اُس سے اُسی وقت رخصت ہو جاتا ہے اور وہ کافر ہو جاتا ہے کیونکہ دلیل مانگنے میں اُس نے اپنے نبی کے آخری نبی ہونے پر شک اور غیر یقینی کا اظہار کیا ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ اور احادیث ذیل میں سپردِ قلم کی جاتی ہیں :۔

(۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : اِنَّ مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا فَاَحْسَنَہٗ' وَ اَجْمَلَہٗ' اِلَّا مَوْضِعُ لَبِنَۃٍ مِّنْ زَاوِیَۃٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِہٖ وَ یُعْجِبُوْنَ لَہٗ' وَیَقُوْلُوْنَ: ھَلْ لَّا وُضِعَتْ ھٰذِہِ اللَّبِنَۃُ فَاَنَا اللَّبِنَۃُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ (صحیح بخاری: کتاب المناقب' باب: خاتم النبیین)

''نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال دراصل اُس شخص کی سی ہے جس نے ایک مکان تعمیر کیا اور اُسے حسین و جمیل بنایا لیکن اُس گھر کے کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی۔ لوگ اُس گھر کا طواف کرنے لگے اور اُس کے حسن و جمال سے حیرت زدہ ہوتے ہوئے کہنے لگے کہ اس جگہ پر اینٹ کیوں نہ رکھ دی گئی (اور اس جگہ کو خالی کیوں چھوڑ دیا گیا؟) (سن لو!) وہ اینٹ میں ہی ہوں اور میں ہی سب نبیوں کے آخر میں آیا ہوں۔'' (صحیح بخاری: کتاب المناقب)

(۲) فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ بِسِتٍّ : اُعْطِیْتُ جَوَامِعُ الْکَلِمِ وَ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَ اُحِلَّتْ لِیَ

Marfat.com

الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طَهُوْرًا وَاُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَآفَّةً وَخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ (صحیح مسلم، ترمذی، ابن ماجہ)

''مجھے دوسرے انبیاء علیہم السلام پر چھ باتوں میں فضیلت بخشی گئی ہے: مجھے فصاحت و بلاغت عطا کی گئی ہے، رعب و دبدبے والی شخصیت سے مجھے نوازا گیا ہے، اموالِ غنیمت کو میرے لئے حلال کر دیا گیا ہے، تمام روئے زمین کو میرے لئے پاکیزہ اور سجدہ کرنے کی جگہ بنا دیا گیا، مجھے تمام مخلوقات کی طرف مبعوث کیا گیا، اور سلسلۂ نبوّت مجھ پر ختم کر دیا گیا۔''

(۳) اَنَا آخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ آخِرُ الْاُمَمِ (ترمذی)

''میں آخری نبی ہوں اور تم آخری اُمّت ہو۔''

(۴) لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّاب (ترمذی: کتاب المناقب)

''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ابن الخطّاب ہوتے۔''

(۵) اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ وَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیًّا

''رسالت و نبوّت کا سلسلہ بلا شک و شبہ منقطع ہو چکا ہے، میرے بعد کسی رسول اور نبی نے نہیں آنا۔''

(۶) اِنَّهٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ کَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ کُلُّهُمْ یَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِیٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ

''میرے بعد میری اُمّت میں تیس (۳۰) جھوٹے نبی پیدا ہوں گے اور اُن میں سے ہر کوئی نبوّت کا دعویدار ہوگا جبکہ سلسلۂ نبوّت کی میں آخری کڑی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(۷) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِعَلِیٍّ: اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هٰرُوْنَ بِمُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ

''اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے فرمایا: ''میرے ساتھ تمہاری مثال ایسی ہے جیسی ہارون علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی (البتہ فرق اتنا ہے کہ) میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

ہارون اور موسیٰ علیہما السلام ایک دوسرے کے حقیقی بھائی اور اللہ کے پیغمبر تھے۔ اُدھر جناب علی کرّم اللہ وجہہ اور نبی ﷺ ایک دوسرے کے چچا زاد بھائی ہیں۔ باہم بھائی ہونے کے لحاظ سے اپنے ساتھ جناب علی کی مثال دے کر یہ فرق بیان کر دیا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں تاکہ اس مثال سے لوگ جناب علی کو رسول یا نبی نہ سمجھ بیٹھیں۔

Marfat.com

ابن حیّان اندلسی (م ۷۴۵ھ) اپنی تفسیر ''البحر المحیط'' میں لکھتے ہیں :

وَمَنْ ذَهَبَ إِلَى أَنَّ النُّبُوَّةَ مُكْتَسَبَةٌ" لَاتَنْقَطِعُ أَوْإِلَى أَنَّ الْوَلِيَّ أَفْضَلُ مِنَ النَّبِيِّ فَهُوَزِنْدِيقٌ" يَجِبُ قَتْلُهُ، وَقَدِادَّعٰى نَاس" اَلنُّبُوَّةَفَقَتَلَهُمُ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى ذٰلِكَ (البحر المحيط)

''جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ نبوت کسبی چیز ہے اور اس کا سلسلہ بند نہیں ہوا یا یہ عقیدہ ہو کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے تو وہ دہریہ ہے اور واجب القتل ہے۔ (نبی علیہ السلام کے بعد جن لوگوں نے کسی بھی زمانہ میں) نبوّت کا دعویٰ کیا تو مسلمانوں نے اِسی بنیاد پر اُسے قتل کر دیا۔''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ختمِ نبوّت کی توثیق میں متعدد احادیث کا حوالہ دینے کے بعد علاّمہ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) اپنی تفسیر میں اس طرح رقمطراز ہیں :

فَقَدْ أَخْبَرَاللّٰهُ تَعَالٰى فِي كِتَابِهِ وَرَسُوْلُهُ ﷺ فِي السُّنَّةِ الْمُتَوَاتِرَةِ عَنْهُ أَنَّهُ، لَانَبِيَّ بَعْدَهُ لِيَعْلَمُوْا أَنَّ كُلَّ مَنِ ادَّعٰى هٰذَاالْمُقَامَ بَعْدَهُ، فَهُوَ كَذَّابٌ" أَفَّاكٌ" دَجَّالٌ" ضَالٌّ" مُضِلٌّ" (تفسیر ابن کثیر)

''اللہ تعالیٰ نے اپنے کتاب قرآن مجید میں اور اُس کے رسول ﷺ نے اپنی احادیثِ مبارکہ میں یہ خبر دی ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں تا کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ جو کوئی آپ ﷺ کے بعد نبوّت کا دعویٰ کرے تو وہ حق وصداقت کا منکر ہوگا، افتراپرداز، دجّال، خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہوگا۔''

علاّمہ سیّد محمود آلوسی (م ۱۲۷۰ھ) اس سلسلہ میں فرماتے ہیں :

وَكَوْنُهُ ﷺ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ مِمَّا نَطَقَ بِهِ الْكِتٰبُ وَصَرَّحَتْ بِهِ السُّنَّةُ وَأَجْمَعَتْ عَلَيْهِ الْأُمَّةُ فَيُكَفَّرُ مُدَّعِيْ خِلَافِهِ وَيُقْتَلُ إِنْ أَصَرَّ (روح المعانی)

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری نبی ہونے کا صراحت کے ساتھ بیان قرآن مجید اور سنتِ نبوی سے ثابت ہے اور اُسے اُمّت کا اجماع حاصل ہے۔ اس لئے جو کوئی آپ ﷺ کے بعد منصبِ نبوّت کا دعویدار ہو، مرتد ہو جائے گا۔ اگر وہ توبہ سے گریز کرے اور اپنے دعویٰ پر مصر ہے تو اُسے قتل کر دیا جائے گا۔''

(113) اَلنَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ (الاحزاب : ۶)

''یہ نبی مکرّم مومنوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے زیادہ قریب اور حقدار ہیں اور آپ کی ازواج (مطہرات) اُن کی مائیں ہیں۔'' (۶ : ۳۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اُس تعلق کی کیفیت اور نوعیت کو بیان فرما رہا ہے جو نبی کریم ﷺ کو اپنے غلاموں کے ساتھ ہے۔ بتایا کہ تمہاری خیر خواہی، اصلاحِ احوال، فلاحِ دارین اور تم پر لطف وکرم فرمانے میں میرا

Marfat.com

محبوب تم پر تمہارے نفسوں سے بھی زیادہ مہربان اور شفیق ہے۔ جتنا میرے نبی کو تمہاری عزت، خوشحالی اور اخلاقی برتری کا خیال ہے، تمہیں خود بھی اپنا اِس قدر خیال نہیں۔ اس حقیقت کی وضاحت سورۃ التوبہ کی اِس آیت ۱۲۸ میں بھی کر دی گئی ہے: عَزِيزٌ "عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ" عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ" رَّحِيمٌ "یعنی" جو چیز تمہارے لئے تکلیف دہ ہے، وہ اُنہیں بھی بڑی گراں گزرتی ہے۔ وہ تمہارے لئے آرزومند ہیں اور اہل ایمان کے لئے بڑے مہربان اور رحیم ہیں۔"

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ أُمَّتِي كَمَثَلِ رَجُلٍ اِسْتَوْقَدَ نَارًا فَجَعَلَتِ الدَّوَآبُّ وَالْفَرَاشُ يَقَعْنَ فِيهِ وَأَنَا آخِذٌ" بِحُجَزِكُمْ وَأَنْتُمْ تَقَحَّمُونَ فِيهِ(تفسیر قرطبی)

"میری اور میری اُمّت کی حالت اُس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی ہو اور مختلف جانور اور پروانے اُس میں گرنے کے لئے دوڑتے چلے آرہے ہوں۔ میں تمہیں تمہاری کمروں سے پکڑ رہا ہوں جبکہ تم اُس میں گرنے پر اصرار کر رہے ہو۔"

صحیح بخاری کی یہ حدیث مبارکہ بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنی اُمّت سے حد درجہ محبت کی آئینہ دار ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَا مِنْ مُّؤْمِنٍ إِلَّا وَأَنَا أَوْلَى بِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اِقْرَءُ وْا إِنْ شِئْتُمْ: اَلنَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَيُّمَامُؤْمِنٍ "مَاتَ وَتَرَكَ مَالاً فَلْيَرِثْهُ عَصَبَتُهُ، مَنْ كَانُوا وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضِيَاعًا فَلْيَأْتِنِي فَأَنَا مَوْلَاهُ

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی ایسا مؤمن نہیں جس کا دنیا اور آخرت میں میں والی نہیں۔ اگر تم چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھو: اَلنَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ اور جو مؤمن فوت ہو اور اپنے پیچھے مال چھوڑ جائے تو اُس کے قریبی رشتہ دار اُس کے وارث ہوں گے اور جو مؤمن قرضہ وغیرہ چھوڑ جائے تو وہ میرے پاس آئے، میں اُس کا والی ہوں۔"

"جب حضور علیہ السلام کا ہمارے ساتھ ایسا تعلق ہے، آپ ﷺ کی خیر خواہی اور لطف و کرم کا یہ عالم ہے تو پھر حیف ہے ہم پر اگر ہم حضور علیہ السلام کی شریعت کو چھوڑ کر اپنے نفسوں کی خواہشات کی پیروی میں لگ جائیں، اپنے دوستوں کو خوش کرنے کے لئے اور اعلیٰ حکام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہم اپنے نبی پاک کی اطاعت سے سرتابی کریں۔ نیز اسلامی حکومتوں اور قانون ساز اداروں کو بھی اس امر کا پورا پورا احساس ہونا چاہئے کہ وہ کس رؤف و رحیم کا دامن چھوڑ رہے ہیں اور کس کی اطاعت کو اپنا شعار بنا رہے ہیں۔"

حضور علیہ السلام کے اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِین ہونے کا مطلب یہی تو ہے کہ آپ مؤمنوں پر اُن کے نفسوں سے

Marfat.com

زیادہ مہربان اور شفقت کرنے والے ہیں کیونکہ آپ اُنہیں نجات کی طرف بلاتے ہیں جبکہ اُن کے نفس اُنہیں ہلاکت کی طرف بلاتے ہیں۔

حضرت سہیل فرماتے ہیں :

مَنْ لَّمْ یَرَ نَفْسَہ، فِیْ مِلْکِ الرَّسُوْلِ وَلَمْ یَرَ وِلَایَتَہ، عَلَیْہِ فِیْ جَمِیْعِ اَحْوَالِہٖ لَمْ یَذُقْ حَلَاوَۃَ سُنَّتِہٖ
''جو شخص اپنے آپ کو حضور علیہ السلام کا غلام نہ سمجھے اور اپنے تمام حالات میں اپنے آپ پر حضور کی حکمرانی تسلیم نہ کرے' اُس نے سنتِ رسول کی شیرینی کا مزہ ہی نہیں چکھا۔''

آیت کے اگلے حصّہ میں حضور رسالتمآب ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی عزت افزائی فرمائی جارہی ہے کہ وہ مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ اس تعلق کے باعث ہر مؤمن کا فرض ہے کہ اُن کا اسی طرح احترام کرے جس طرح اپنی ماں کا احترام کرتا ہے۔ اگر ان جسمانی ماؤں کا احترام نہ کرنے والا رحمتِ الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے تو جو بدنصیب اپنی روحانی ماؤں کے متعلق گستاخیاں کرنے سے باز نہیں آتے' اُنہیں اپنے حشر کا ابھی سے اندازہ کر لینا چاہئے۔

خیال رہے کہ حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات سب صورتوں میں مسلمانوں کی مائیں نہیں بلکہ بعض صورتوں میں اُن کی مائیں ہیں۔ یعنی اُن سے نکاح کرنا حرام ہے' اُن کی عزت واحترام اپنی ماں سے بھی بڑھ کر کرنا فرض ہے۔ لیکن اُنہیں اُن کی بے حجابی کی حالت میں دیکھنا' اُن کے ساتھ اکیلے سفر کرنا اور اُن کے ساتھ تخلیہ کرنا سب حرام ہیں (جبکہ اپنی حقیقی ماں کا ساتھ ایسا نہیں ہے)۔ ازواجِ مطہرات کے بھائی اور بہنیں مسلمانوں کے چچا یا چچیاں نہیں ہیں۔ مثلاً سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مؤمنوں کی ماں ہیں لیکن اُن کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ماموں نہیں اور نہ ہی آپ کی ہمشیرہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا مسلمانوں کی خالہ ہیں۔

ربِّ ذوالجلال والاکرام نے اپنے بارے میں فرمایا کہ ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں (سورہ قٓ : ۱۶) اور اپنے محبوب علیہ السلام کے بارے میں یہاں فرمایا: ''نبی (ﷺ) مؤمنوں سے اُن کے نفسوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔'' (سورۃ الاحزاب: ۶) اگر شہ رگ کاٹ دی جائے یا روح جسم سے جدا ہو جائے تو دونوں صورتوں میں موت واقع ہو جاتی ہے۔ اِن دونوں آیتوں کو ملا کر پڑھنے سے جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ اگر کسی شخص کا عقیدہ یہ ہو کہ اللہ اُس کے قریب نہیں ہے تو اُس کا ایمان جاتا رہے گا اور اگر وہ نبی علیہ السلام کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ آپ ﷺ اس کی جان سے زیادہ قریب نہیں ہیں تو اس کا نتیجہ بھی اوّل الذکر ہی کی طرح ہوگا۔

اِس آیت کی تفسیر میں مولانا محمد قاسم نانوتوی لکھتے ہیں: ''دو علیحدہ جملوں کہ ''آپ ﷺ مؤمنوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے زیادہ قریب اور حقدار ہیں'' اور ''آپ کی ازواج (مطہرات) اُن کی مائیں ہیں''

Marfat.com

آپ ﷺ کی حیات بعدازوفات کا ایسا پختہ ثبوت ہیں کہ اس کے بعد کسی انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

''کیا انتہا ہے اُس شفقت وتعلق کی جو ہمارے نبی کو اپنی تمام امت کے ساتھ ہے۔ انسان خود اپنا دشمن و بدخواہ تو ہو بھی سکتا ہے اور بعض اوقات جہل وغباوت کی بناء پر بھی ہو جاتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ سے تو جن پر خفی سے خفی مصالح ومنافع روشن ہیں' کسی حال میں بھی بدخواہی کا امکان نہیں۔'' (ماجدی' ص ۸۴۰)

(114) وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ (ابراھیم : ۴)
''اور ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کی زبان کے ساتھ۔'' (۴ : ۱۴)

اِس آیت میں بھی محبوب کبریاء ﷺ کی تعریف وتوصیف کی خوشبو رسی بسی نظر آتی ہے۔ اس حقیقت سے کہ آپ مختلف زبانیں بولنے والی مختلف اقوام کی طرف مبعوث کئے گئے' یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو تمام اقوامِ عالم کی تمام متداول زبانیں سکھائی گئیں۔ سلسلہِ انبیاء علیہم السلام میں ہمارے نبی مکرّم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دوہری' نمایاں حیثیت حاصل ہے: اوّل تو آپ کو تمام کائنات کے ہادی ومرشد ہونے کا اعزاز حاصل ہے جس کا ذکر قرآن مجید کے مختلف مقامات پر کیا گیا ہے اور دوم یہ کہ آپ ملکِ عرب کے بھی رسول ہیں۔ آیتِ بالا میں آپ کی اسی دوسری قسم کی حیثیت کا بیان ہے۔

(115) اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ○ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ○ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ○
(اَلضُّحٰی : ۶ تا ۸)
''(اے حبیب!) کیا اُس نے آپ کو یتیم نہیں پایا' پھر (اپنی آغوشِ رحمت میں) جگہ دی۔ اور اُس نے آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ وگم پایا تو اُس نے منزلِ مقصود تک پہنچا دیا۔ اور اُس نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا۔'' (۶ تا ۸ : ۹۳)

ہمارے نبیِ مکرّم یتیم پیدا ہوئے لیکن والدہ ماجدہ نے انتہائی محبت و پیار سے پروان چڑھایا۔ چھ سال کی عمر میں تھے کہ والدِ ماجد جناب عبداللہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اُن کے بعد آپ کی پرورش کی خدمت آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے سنبھالی۔ آٹھ سال کی عمر میں جدِّ محترم بھی داغِ مفارقت دے گئے تو یہ سعادت آپ کے حقیقی اور شفیق چچا جناب ابوطالب کے سپرد ہوئی جنہوں نے تادمِ واپسیں اس خدمت کو اُس حسن وخوبی سے انجام دیا کہ اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ ویسے تو ہر ماں اپنے لختِ جگر پر سو جان سے قربان ہوتی ہے اور ہر دادا اپنے متوفی فرزند کے یتیم بچے کو بڑی محبت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے اور چچا کا پیار بھی اپنے فوت شدہ بھائی کے فرزند کے لئے بڑا عمیق ہوتا ہے لیکن یہاں معاملہ ہی بالکل جدا ہے۔ بچپن ہی سے جو علاماتِ سعادت ونجابت وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہیں' اُس نے ماں' دادا اور چچا کی محبت میں کئی گنا اضافہ کر دیا۔

Marfat.com

حضور علیہ السلام کی معصومانہ ادائیں اور پاکیزہ اطوار اور نجابت و سعادت کے وہ آثار جو ہر صبح و شام نمایاں ہوتے رہتے تھے' اُنہوں نے حضور علیہ السلام کی محبوبیت میں اتنا اضافہ کر دیا تھا اور آپ کی قدر و منزلت کو ان حضرات کی نگاہوں میں اِتنا بلند فرما دیا تھا جو کسی اور بچے کو نصیب نہیں ہو سکتی اور یہ ساری ادائے دلبری رب تعالیٰ کی بخشی ہوئی تھی اس لئے فَـآوٰی کی نسبت اپنی طرف فرمائی کہ ہم نے اپنی خاص مہربانی سے اُن کے دلوں میں آپ کی محبت اور ادب واحترام اور قدر و منزلت پیدا فرما دی۔

علامہ قرطبی نے مجاہد سے ایک اور تفسیر نقل کی ہے کہ یہاں یتیم سے مراد دُرِّ شہوار ہے جو اپنی آب و تاب اور قدر و قیمت میں بے مثال ہو۔ علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساری مخلوقات میں یگانہ اور عدیم النظیر پایا۔ صدفِ امکان کو آپ جیسا موتی آج تک نصیب نہیں ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے آغوشِ رحمت میں آپ کو پناہ دی۔ (روح المعانی بحوالہ ضیاء القرآن' جلد پنجم صفحات ۵۸۸'۵۸۹)

آیت ہفتم (وَوَجَدَكَ ضَـآلًّا فَهَدٰى) کے ترجمہ میں بڑے بڑے مدّعیانِ علم نے بُری طرح ٹھوکر کھائی ہے' اس لئے اسے اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرنا از حد لازم ہے تا کہ دامنِ رسالت پر ہلکا سا غبار بھی نہ آنے پائے۔

ضَآلًّا ضلالت سے اسم فاعل ہے۔ عام طور پر ضلالت کا یہی مفہوم سمجھا جاتا ہے: راہِ راست سے بھٹک جانا' گمراہ ہو جانا' عقیدہ و عمل میں غلط راہ اختیار کرنا۔ علمائے اہلِ سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ اعلانِ نبوّت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی عقیدہ اور عمل کی ہر کجی سے معصوم تھے۔ آپ نے اُس مشرکانہ ماحول میں عمر بسر کی لیکن ایک لمحہ کے لئے بھی شرک نہیں کیا۔ زمانہ جاہلیت کی لغویات سے حضور علیہ السلام کا دامن ہمیشہ محفوظ رہا۔ تاریخ شاہد ہے کہ عرب معاشرہ جس قسم کی فکری اور عملی گمراہیوں میں مبتلا تھا' حضور علیہ السلام اُن سے ہمیشہ بالکل منزّہ اور مبرّا تھے۔ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کی سابقہ زندگی کو آپ کی صداقت کی دلیل کے طور پر سورہ یونس کی آیت ۱۶ میں پیش کیا ہے کہ ''میں نے اپنی عمر اس سے پہلے بھی تمہارے درمیان گزاری ہے' تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟'' سورۃ النّجم کی آیت دوم میں بھی حضور علیہ السلام سے عقیدہ اور عمل کی گمراہی کی نفی کی گئی ہے۔ ان آیات کی موجودگی میں اور تاریخ کی اٹل شہادت کے باوجود یہاں ضَآلًّا کا معنیٰ گمراہ یا بھٹکا ہوا کرنا خود بڑی ضلالت ہے (العیاذ باللہ)۔

علمائے تفسیر نے اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے بہت سے اقوال بیان کئے ہیں۔ ان میں سے چند ہدیہ قارئین کئے جاتے ہیں:۔

(۱) ضَلَالَت کا لفظ غفلت کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے لَا يَضِلُّ رَبِّىْ وَلَا يَنْسٰى (طٰهٰ:۵۲)

Marfat.com

یعنی میرا رب نہ کسی چیز سے غافل ہوتا ہے اور نہ کسی چیز کو فراموش کرتا ہے۔ مذکورہ آیت میں ضَآلًّا بمعنیٰ غافل مستعمل ہوا ہے یعنی آپ قرآن اور احکامِ شرعیہ کو پہلے نہیں جانتے تھے۔ رب تعالیٰ نے آپ کو قرآن کا علم بھی بخشا اور احکامِ شرعیہ کی تفصیلات سے بھی آگاہ فرمایا۔ (تفسیر قرطبی بحوالہ ضیاء القرآن' جلد پنجم' صفحہ ۵۸۹)

(۲) جب پانی دودھ میں ملایا جائے اور پانی پر دودھ کی رنگت وغیرہ غالب آجائے تو عرب کہتے ہیں: ضَلَّ الْمَاءُ فِی اللّبن کہ پانی دودھ میں غائب ہو گیا۔ اس استعمال کے مطابق آیت کا معنیٰ ہوگا کہ آپ مکہ میں کفار میں گھرے ہوئے تھے پس رب تعالیٰ نے آپ کو قوت عطا فرمائی اور آپ نے اُس کے دین کو غالب کیا۔

(۳) ایسا درخت جو کسی وسیع صحرا میں تنہا کھڑا ہو اور مسافر اُس کے ذریعے اپنی منزل کا سراغ لگائیں' اُسے بھی عربی میں اَلضَّال کہتے ہیں۔ اس مفہوم کے اعتبار سے آیت کا معنیٰ یہ ہوگا کہ جزیرہ عرب! ایک سنسان ریگستان تھا جس میں کوئی ایسا درخت نہ تھا جس پر ایمان وایقان اور عرفان کا پھل لگا ہوا ہو۔ صرف آپ کی ذات جہالت کے اُس صحرا میں ایک پھلدار درخت کی مانند تھی۔ پس ہم نے آپ کے ذریعہ سے مخلوق کو ہدایت بخشی (تفسیر کبیر)۔

(۴) کبھی قوم کے سردار کو خطاب کیا جاتا ہے لیکن اصلی مخاطب قوم ہوتی ہے۔ یہاں بھی یہی معنیٰ ہے اَیْ وَجَدَ قَوْمَکَ ضَآلًّا فَهَدَاهُمْ (اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کو گمراہ پایا تو آپ کے ذریعہ سے اُنہیں ہدایت بخشی)۔ علامہ ابوحیان اندلسی اپنی تفسیر میں اس مقام پر لکھتے ہیں کہ ایک رات خواب میں میں اس آیت کی ترکیب پر غور کر رہا تھا کہ فوراً میرے دل میں خیال آیا کہ یہاں مضاف محذوف ہے اور اصل میں عبارت یوں ہے: وَجَدَ رَهْطَكَ ضَآلًّا فَهَدیٰ بِكَ۔ پھر میں نے کہا کہ جس طرح سورہ یوسف کی آیت ۸۲ میں وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ اصل میں وَاسْئَلْ اَهْلَ الْقَرْيَةِ ہے اور اَهْل جو مضاف ہے محذوف ہے۔ اسی طرح یہاں بھی رَهْط مضاف محذوف ہے (البحر المحیط)

(۵) حضرت جنید قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ ضَآلًّا کا معنیٰ مُتَحَيِّرًا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم کے بیان میں حیران پایا تو اُس کے بیان کی تعلیم دی۔

(۶) امام رازی کہتے ہیں کہ یہاں ضلال سے مراد محبت ہے جس طرح سورہ یوسف کی آیت ۹۶ میں ہے کہ برادرانِ یوسف نے اپنے والدِ ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا تھا: تَاللهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلَالِكَ الْقَدِيْمِ ''اللہ کی قسم! یقیناً آپ اپنی (اُسی) پرانی محبت کی وارفتگی میں ہیں۔'' تو اس صورت میں آیت کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت اور عشق میں وارفتہ پایا تو ایسی شریعت سے بہرہ ور فرمایا جس کے ذریعے آپ نے اپنے محبوبِ حقیقی کا قرب حاصل کرلیا۔

بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت اور اپنے عشق میں از حد بڑھا ہوا

Marfat.com

پایا تو آپ کو اپنے محبوب کے وصال کی طرف رہنمائی کی یہاں تک کہ آپ قَابَ قَوْسَین کے مقام پر فائز ہوئے۔

(۷) اَلضَّال کا ایک معنیٰ گم ہو جانے کا بھی ہے جیسا کہ سورہ الٓمّٓ السّجدہ کی آیت دہم میں ہے: وَقَالُوْا ءَ اِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَ اِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ یعنی" وہ (کفار) کہتے ہیں جب (مرنے کے بعد) ہم زمین میں گم ہو جائیں گے تو کیا ہم از سرِ نو پیدا کئے جائیں گے؟"

علامہ آلوسی نے آیت ہفتم کے ضمن میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام عہدِ طفولیت میں اپنے دادا جان سے الگ ہو کر مکہ کی گھاٹیوں میں چلے گئے۔ جناب عبدالمطلب نے بہت تلاش کیا لیکن آپ نہ ملے جس سے آپ کی بے چینی بہت بڑھ گئی اور غلافِ کعبہ کو پکڑ کر بارگاہِ الٰہی میں فریاد کرنی شروع کر دی۔ حضور علیہ السلام کسی گھاٹی میں گھوم رہے تھے۔ اِسی اثناء میں ابوجہل اپنی اونٹنی پر سوار اپنے ریوڑ کو ہانک کر لا رہا تھا۔ اُس نے جب حضور کو دیکھا تو اپنی اونٹنی کو بٹھایا، اتر کر حضور کو جا لیا اور اپنے پیچھے بٹھا لیا اور خود آگے بیٹھا پھر اونٹنی کو اٹھنے کا اشارہ کیا لیکن اونٹنی اٹھنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ جب بڑی کوشش کے باوجود اُس نے جنبش نہ کی تو ابوجہل حیران رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اونٹنی کو قوتِ گویائی بخشی اور اُس نے کہا: اے بیوقوف! یہ امام ہیں اور امام مقتدی کے پیچھے کھڑا نہیں ہوا کرتا۔ اُس نا ہنجار نے آپ کو اٹھا کر آگے بٹھایا تو اونٹنی فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی۔ تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ذریعے اپنی والدہ تک پہنچایا تھا، اُسی طرح اللہ تعالیٰ نے اِس اُمت کے فرعون ابوجہل کے ذریعے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جدِّ امجد تک پہنچا دیا۔

عَائل کے دو معنیٰ ہیں: تنگدست اور اہل وعیال والا۔ آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عیال والا پایا (کیونکہ ساری اُمت آپ کی عیال ہے) تو غنی کر دیا یا آپ کو تنگدست پایا تو غنی کر دیا۔ ظاہری غنیٰ کی تو صورت یہ تھی کہ سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنی جان، اپنا سارا مال حاضر کر دیا اور اپنے تمام رشتہ داروں کی موجودگی میں یہ اعلان کر دیا کہ یہ مال اب میرا نہیں بلکہ ان کا ہے۔ چاہے تو ابھی تقسیم کر دیں اور چاہے تو اپنے پاس رکھیں۔ اُمّ المؤمنین کے وصال کے بعد حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال و متاع حضور علیہ السلام کی خدمت کے لئے وقف کر دیا لیکن حقیقی غنیٰ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ ارزانی فرمایا کہ قلبِ مبارک کو غنی کر دیا اور زمین کے سارے خزانوں کی کنجیاں مرحمت فرما دیں اور کائنات کی ہر چیز کو تابع فرمان کر دیا۔ ایک دن فخرِ موجودات ﷺ کاشانہِ اقدس میں تشریف لائے۔ مسلسل فاقہ کشی کے باعث شکم مبارک کمر کے ساتھ پیوست ہو گیا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بے تاب ہو گئیں اور اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ شکم مبارک کو بوسہ دیا اور عرض کناں ہوئیں: یا رسول اللہ! اپنے رب سے اتنا تو مانگئے کہ یوں فاقوں کی نوبت تو نہ آئے۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! اگر میں چاہوں تو یہ سارے پہاڑ سونے کے بن کر میرے پہلو میں چلنا شروع کر دیں۔ حضور علیہ السلام کا یہ فقرہ اضطراری نہ تھا بلکہ فقرِ اختیاری تھا۔ قاضی

Marfat.com

محمد سلیمان منصور پوری نے خوب لکھا ہے۔

گزید فقر فرماں روائے مُلک ابد  بمشتِ خاک ندارد ہوائے سلطانی

یعنی ''حضور علیہ السلام نے فقر کو پسند فرمایا کیونکہ جسے ملکِ اَبد کی سروری بخشی گئی ہو' وہ مشتِ خاک پر حکومت کرنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتا۔''

**(115)** فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ O لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ O (الغاشية : ۲۱' ۲۲)

''پس آپ نصیحت فرماتے رہیے' آپ تو نصیحت ہی فرمانے والے ہیں۔ آپ اُن پر جابر و قاہر (کے طور پر) مسلّط نہیں ہیں۔'' (۲۱' ۲۲ : ۸۸)

یہاں رسالت کے عظیم منصب کی روشن گری کی جارہی ہے۔ آیتِ بالا (۲۲) میں رب تعالیٰ اپنے محبوب علیہ السلام کی اُس دل آزاری اور رنج والم کو کم کر رہا ہے جو آپ کو اپنے دشمنوں سے پہنچتی تھی۔ آپ کا دشمنوں کی فلاح و بہبود کے لئے جانفشانی اور کمال لگن سے کام کرنے کا اُن دشمنوں کے نزدیک کسی قدر و قیمت کا حامل نہ تھا اور پیغمبر علیہ السلام سے فرمایا جارہا ہے کہ جب آپ نے اپنا مفوّضہ فرض باحسن طریق انجام دے دیا ہے تو آپ کو اُن کے اِس متکبرانہ رویہ پر فکر و تردد میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ وہ حق و صداقت کو قبول نہیں کرتے۔

**(117)** يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ O قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا O نِّصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا O أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا O إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا O (اَلْمُزَّمِّل : ۱-۵)

''اے کملی کی جھرمٹ والے (حبیب!) آپ رات کو (نماز میں) قیام فرمایا کریں مگر تھوڑی دیر (کے لئے)۔ آدھی رات یا اس سے تھوڑا کم کر دیں۔ یا اس پر کچھ زیادہ کر دیں اور قرآن مجید خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں۔ ہم عنقریب آپ پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے۔'' (۱-۵:۷۳)

جیسا کہ قبل ازیں آغاز میں بیان ہوا کہ آپ ﷺ کے لئے رب تعالیٰ کی طرف سے یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ اُس نے پورے قرآن مجید میں آپ کو آپ کے نام ''محمد'' سے کہیں بھی خطاب نہیں فرمایا بلکہ یا تو ہمیشہ اُن کے القاب (مزمّل' مدثر' نبی اور رسول وغیرہ) سے خطاب کیا یا اُس حالت کی مناسبت سے خطاب کیا گیا جس میں آپ پائے گئے جیسا کہ اوپر کی آیت میں لفظ مزمّل سے خطاب کیا گیا ہے جبکہ آپ اپنی نبوّت کے ابتدائی ایام میں کچھ قریشیوں کے دل خراش رویہ سے مغموم واداس اپنی کملی میں لپٹے بیٹھے تھے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لفظ مُزَمّل کا مصدر زَمَل ہے جس کا معنیٰ ''بوجھ'' کا ہے۔ اہلِ عرب کہتے ہیں: اِزْدَمَلَ (اُس نے بوجھ اٹھالیا)۔ اس لحاظ سے آیت کا ترجمہ یہ ہوگا: ''اے بارِ نبوّت

Marfat.com

اٹھانے والے!'' (روح المعانی بحوالہ ضیاء القرآن' جلد پنجم' صفحہ ۴۰۲)۔

معنیٰ مذکور کا حوالہ دینے کے بعد علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں کہ زمخشری نے اپنی تفسیر ''الکشاف'' میں کہا ہے کہ یَا اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ کے خطاب میں پیغمبر علیہ السلام کو اُن لوگوں کی طرح کملی میں لپٹ کر بیٹھنے سے سرزنش کی جا رہی ہے جن کے نزدیک زندگی بے مقصد ہے۔ لہٰذا اٹھیئے اور اپنا فرضِ نبوّت ادا کیجئے۔ علامہ کہتے ہیں کہ زمخشری کا یہ انداز ایسا گستاخانہ ہے جس کی تاویل کسی بھی طریق سے نہیں کی جا سکتی۔ کچھ لوگوں نے زمخشری کے دفاع میں جواب دینے کی کوشش کی ہے لیکن آلوسی کا کہنا ہے کہ اُس کے بیان میں گستاخانہ پہلو کا کسی بھی طرح ازالہ نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے: ''اے وہ جس نے رسالت کی معزز کملی میں اپنے آپ کو چھپا رکھا ہے۔'' قُمِ الَّیْلَ کے لفظ سے ساری رات نماز میں کھڑے ہونے کا تصوّر ہو سکتا تھا لیکن اِلَّا قَلِیْلًا کہہ کر اُس تصور کی نفی کر دی گئی اور پیغمبر سے کہا گیا کہ تھوڑی دیر کے لئے آرام بھی کر لیا کیجئے جس کی مقدار ''نصف شب'' بتا دی گئی اور اگر ''نصف شب'' کو کچھ کم یا کچھ زیادہ کر لیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بہ الفاظِ دیگر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ اختیار مرحمت فرمایا جا رہا ہے کہ یا تو آپ نصف شب آرام فرما لیا کریں یا اس میں کمی بیشی کا بھی آپ کو اختیار ہے۔

تَرْتِیْل کے لفظ کا حوالہ دیتے ہوئے آلوسی فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرّم اللہ وجھہٗ کے بقول نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اس کا معنیٰ یہ بتایا ہے:

''قرآن کی تلاوت اُس شخص کی طرح نہ کرو جو بے قدر و قیمت اور ردّی کھجوروں کو جلدی جلدی بکھیرتا چلا جاتا ہے یا بال کاٹتا چلا جاتا ہے۔ جب کوئی نادر نکتہ آئے تو اُس پر کچھ دیر کے لئے غور کر لیا کرو۔ اپنے دل کو قرآن کی اثر انگیزی سے متحرّک کرو اور اپنی روح میں تموّج پیدا کرو اور تمہیں کسی بھی سورۃ کو جلد ختم کرنے کی فکر نہ ہو۔''

قولِ ثقیل سے مراد گراں قدر کلام (قرآن مجید) کا نزول ہے جو اوامر و نواہی' احکام و ارشادات کے ایک طویل سلسلہ پر مشتمل ہوگا۔ اس پر خود عمل کرنا اور دوسرے لوگوں سے اُس پر عمل کرانا بڑی بھاری ذمّہ داری ہے۔ اس کے بوجھ کا اندازہ لگانا آسان کام نہیں۔ اگر پہاڑوں پر بھی یہ کلام نازل ہوتو وہ اس کی دہشت اور جلال سے ریزہ ریزہ ہو جائیں (سورۃ الحشر:۲۱)۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نزولِ آیات کے وقت عجیب کیفیت طاری ہوتی تھی۔ سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو اس حالت میں دیکھا جب سخت سردی کے دن بھی وحی نازل ہوتی تو جب وحی کا نزول ختم ہوتا تو آپ ﷺ کی پیشانی مبارک سے پسینہ کے قطرے ٹپکنے لگتے۔

کلامِ الٰہی کے ثقیل ہونے کی یہ وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ پہلے حضور علیہ السلام حِرا کی خلوتوں میں ذکرِ الٰہی اور

Marfat.com

مشاہدۂ انوار و تجلیات میں مستغرق رہتے۔ اس طرح دل کو بڑی خوشی و اطمینان نصیب ہوتا۔ مقام نبوت پر فائز کر کے حضور علیہ السلام کو مخلوق کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا گیا۔ توجہ کی سمت میں یہ تبدیلی حضور پر بڑی گراں تھی۔ ارشاد و تکمیل کا درجہ اگرچہ استکمال و خلوت سے اعلیٰ و برتر ہوتا ہے لیکن صوفی کے لئے رجوع الی الخلق بڑا صبر آزما ہوتا ہے۔ اسی لئے بعض نے کہا ہے کہ نبی کی شانِ ولایت اُس کی شانِ نبوت سے ارفع ہوتی ہے کیونکہ پہلی حالت میں ساری توجہ محبوبِ حقیقی کی طرف ہوتی ہے اور دوسری حالت میں توجہ کا مرکز مخلوق ہوتی ہے۔ لیکن حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قول غلط ہے کیونکہ نبوت ہر لحاظ سے ولایت سے افضل ہے کہ صوفیاء کی اصطلاح میں نبوت سیر فی الذات کا نام ہے اور ولایت سیر فی الصفات کا نام ہے اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ (مظہری)

(118) وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ○ وَذَرْنِیْ وَالْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَ مَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ○ (اَلْمُزَّمِّل : ۱۰، ۱۱)

''اور آپ اُن (باتوں) پر صبر کریں جو کچھ وہ (کفار) کہتے ہیں اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ اُن سے کنارہ کش ہو جائیں۔ اور آپ مجھے اور جھٹلانے والے خوشحال لوگوں کو (انتقام لینے کے لئے) چھوڑ دیں اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے دیں۔'' (۷۳ : ۱۰، ۱۱)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ آپ اللہ اور اُس کے رسول کے خلاف کفار کی گستاخیوں اور بہتان طرازیوں پر صبر سے کام لیں۔ اے محبوب! وہ جو کچھ بکتے ہیں' بکنے دو' اُن کی طرف سے رُخِ انور پھیر لو۔ اُن کی گستاخیوں اور اذیت رسانیوں کا انتقام لینے کا خیال بھی آپ کے قلب مبارک میں نہ آنے پائے۔ آپ نے سب کام میرے سپرد کر دئے ہیں۔ اب آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں خود اُن سے نپٹ لوں گا۔ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا کا بھی یہی مطلب ہے کہ اُن سے اُلجھنا' اُن کے دوبدو ہونا اور اُن سے انتقام لینا آپ کے اعلیٰ و ارفع منصب کو زیب نہیں دیتا۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد بہت جلد یہ اُولِی النَّعْمَة میدانِ بدر میں ذلیل و رسوا کر کے قتل کر دئے گئے۔

(119) اِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ وَاللّٰهُ یُقَدِّرُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَیْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (اَلْمُزَّمِّل : ۲۰)

''بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ (کبھی) دو تہائی شب کے قریب اور (کبھی) نصف شب اور (کبھی) ایک تہائی شب (نماز میں) قیام کرتے ہیں اور اُن لوگوں کی ایک جماعت (بھی) جو آپ کے ساتھ ہیں (قیام میں شریک ہوتی ہے) اور اللہ ہی رات اور دن (کے گھٹنے اور بڑھنے) کا صحیح اندازہ رکھتا ہے' وہ جانتا ہے کہ تم ہرگز اُس کے احاطہ کی طاقت نہیں رکھتے' سو اُس نے تم پر (مشقت میں تخفیف کر کے) معافی دے دی' پس جتنا آسانی سے ہو سکے' قرآن پڑھ لیا کرو۔'' (۷۳:۲۰)

Marfat.com

مشہور و معروف صوفیائے کرام نے کہا ہے کہ اس آیت کے افتتاحی الفاظ (إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ) میں محبوبِ کبریاء ﷺ کے لئے رحمتِ الٰہی اور اُن کے لئے اللہ تعالیٰ کی خصوصی توجہ اور تعلق چھپا ہوا ہے۔

''نبی اکرم ﷺ اور آپ کے پُر جوش صحابہ کا ایک دستہ اکثر رات کا دو تہائی یا ایک تہائی یا نصف حصہ اپنی میٹھی نیند کو قربان کرتے ہوئے عبادتِ الٰہی اور تلاوتِ قرآن میں گزار دیتے تھے۔ اُنہیں بتایا جا رہا ہے کہ اُن کا یہ عمل اُن پر بہت بھاری ہے بالخصوص جبکہ یہ عمل اُن کی صحت پر اثر انداز ہو یا وہ سفر پر ہوں یا وہ تبلیغِ دین کی کوشش میں ہوں۔''

''اس کا عمومی معنیٰ یہ ہے کہ عوام الناس کے لئے دن اور رات کے صحیح اوقات کا شمار کرنا شاید ممکن نہ ہو کہ بالکل صحیح طور پر معلوم کیا جا سکے کہ رات کا نصف یا تہائی یا دو تہائی حصہ کب گزر چکا ہے۔ دن اور دن کی طوالت شمسی سال کے ہر دن میں مختلف ہوا کرتی ہے اور نصف شب کا بالکل صحیح وقت کھلے اور صاف آسمان کے مشاہدہ یا وقت ناپنے کی گھڑی (Chronometer) کے ذریعے ہی معلوم کیا جا سکتا ہے جو ہر ایک کے لئے ممکن نہیں ہے۔ وقت کا کتنا حصہ گزرا' یہ اُنہیں معلوم نہ تھا۔ اُسے معلوم کرنے کے لئے اسلام کے ابتدائی زمانہ کے کچھ مسلمان قیام اور نماز کی حالت میں تمام رات کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ اُن کے پاؤں سوج جاتے تھے۔ تو یہاں یہ کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کام کاج اور آرام کے لئے دن اور رات کا موسمی اختلافات کے مطابق مناسب تناسب سے تعین کرتا ہے۔ نماز اور ذکر و اذکار کے لئے اُس قسم کی نہایت باریک بیں اور محتاط مشاہدات کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ ہی وہ ممکن ہیں۔ عبادتِ الٰہی کئی طریقوں سے کی جا سکتی ہے جیسا کہ آیت کے آخر میں بیان ہوا۔ لیکن ہمیں اپنی سہولت کے مطابق اپنی صحت' سفر اور مختلف فرائضِ حیات کی انجام دہی کے مختلف حالات میں عبادت کے لئے وقت ضرور نکالنا چاہئے۔''

''یہاں تلاوتِ قرآن کا قریب قریب معنیٰ نماز اور مذہب سے والہانہ وابستگی ہے۔ جیسا کہ سورہ طٰہٰ کی آیت دوم میں فرمایا گیا' اسے ذہنی اثر زدگی یا بوجھ نہ سمجھا جائے۔ ہمیں پوری دل جمعی اور کامل خلوص و توجہ سے عبادتِ الٰہی میں منہمک رہنا چاہئے نہ کہ رسمی میکانی حساب (Formal Mechanical Computations) سے۔''

(Abdullah Yusuf Ali, Notes: 5771-73)

فَتَابَ عَلَيْكُمْ (وہ رحمت کے ساتھ تمہاری طرف متوجہ ہوا) کے الفاظ میں نبی علیہ السلام کے صحابہ کرام کے لئے بالخصوص اور دوسرے مسلمانوں کے لئے بالعموم رحمتِ الٰہی مخفی ہے کہ مسلمانوں کے لئے تہجد کا حکم منسوخ کر کے واپس لے لیا گیا اگرچہ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے حسبِ سابق برقرار رہا۔

نصف شب تک نیند کو قربان کر دینا اگر فرض کر دیا جاتا تو ظاہر ہے کہ لوگ کسی بیماری' سفر اور دن بھر کی محنت مشقت وغیرہ کے باعث ایسا نہ کر سکتے اور ایسی صورت میں وہ گنہگار اور نافرمان ہوتے۔ اس لئے رحیم و کریم اللہ

Marfat.com

نے تمہارے لئے آسانی کر دی ہے اور اب یہ آپ کی صوابدید پر ہے کہ عبادت کے لئے رات کا کتنا حصہ آپ بہ سہولت جاگ سکتے ہیں۔ سبحان اللہ! اُمّتِ مصطفیٰ ﷺ کے لئے یہ تمام تر مہربانیاں اور عنایات و نوازشات اپنے محبوب ہی کی خاطر ہی تو ہیں! کاش کہ اُمّت اپنے خالقِ حقیقی کے فائق حق اور اُس کے رسول ﷺ کی قدر و منزلت کو پہچانے اور اُنہی کے ہو کے رہ جائیں!

(120) يَآ اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُO قُمْ فَاَنْذِرْO وَرَبَّكَ فَكَبِّرْO وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْO وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْO وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُO وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْO (اَلْمُدَّثِّر: ۱-۷)

''اے چادر اوڑھنے والے (حبیب!)، اٹھیں اور (لوگوں کو اللہ کا) ڈر سنائیں۔ اور اپنے رب کی بڑائی اور عظمت بیان فرمائیں اور اپنے (ظاہر و باطن کے) لباس (پہلے کی طرح ہمیشہ) پاک رکھیں۔ اور (حسبِ سابق گناہوں اور) بتوں سے الگ رہیں۔ اور (اس غرض سے کسی پر) احسان نہ کریں کہ اس سے زیادہ کے طالب ہوں۔ اور آپ اپنے رب کے لئے صبر کیا کریں۔'' (۱-۷ : ۷۴)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ابتدائی وحی میں کچھ عرصہ انقطاع (وقفہ) کے بارے میں فرمایا: ''ایک مرتبہ میں نے آسمان سے آتی ہوئی ایک آواز سنی۔ میں نے آنکھیں اٹھا کر اوپر کو نظر کی تو ایک فرشتہ غارِ حرا میں میری طرف آتا ہوا دکھائی دیا جو آسمان اور زمین کے درمیان میں ایک تخت پر بیٹھا تھا۔ مجھ پر رعب اور خوفزدگی طاری ہو گئے۔ میں گھر کو پلٹا اور (اپنی زوجہ سیّدہ خدیجہ سے) کہا کہ مجھے چادر اُڑھا دو، مجھے چادر اُڑھا دو۔ اس پر اللہ بزرگ و برتر نے (میرے حسبِ حال) یہ آیات نازل فرمائیں: ''اے چادر اوڑھنے والے! اٹھئے اور اللہ کا ڈر سنائیے۔ اور بتوں سے الگ رہیں۔'' اس کے بعد وحی مسلسل اور اپنے زورِ بیان کے ساتھ آتی رہی۔ (بخاری)

یہاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اُن کی خصوصی جسمانی ظاہری کیفیت اور چادر کے حوالے سے خطاب کیا جا رہا ہے نہ کہ اُن کے نامِ محمد سے، یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اُنہیں اپنے خالق کی نظروں میں کتنا اعزاز و اِکرام حاصل ہے

آیت دوم ''اُٹھئے اور ڈرائیے'' سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ کے عوامی سفر کا آغاز ہوتا ہے۔

نماز اور اذان میں اللہ اکبر کے افتتاحی الفاظ کا ماخذ زیرِ نظر سورۃ کی آیت سوم وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ کا جملہ ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ بزرگ و برتر کی کبریائی اور عظمت کا عقیدہ تمہیں غلامی کی تمام قیود اور پابندیوں سے آزاد کر دے گا اور کسی بھی انسانی سطوت و سلطنت کے خوف سے نڈر کر دے گا۔ نہ صرف یہ کہ تم خود اُس کی کبریائی کا عقیدہ رکھو بلکہ لوگوں میں بھی اس کی تشہیر اور اعلان کرتے رہو اور اے پیارے رسول! یہ اعلان آپ پر فرض کر دیا گیا ہے۔

Marfat.com

اور اے پیارے رسول! آپ کو ہم نے رسالت کے منصبِ رفیع پر فائز کیا ہے اور آپ کو اپنی کبریائی اور عظمت کا اعلان کرنے کے لئے ہم نے چن لیا ہے۔ ہماری چاہت یہی ہے کہ عظمت و کبریائی والے پاک اللہ کی کبریائی کا اعلان کرنے والے کا لباس بھی (حسبِ سابق) پاک و صاف رہے اور میل مٹی اور گرد و غبار سے محفوظ رہے۔ پیارے حبیب! جس طرح آپ کا مقصدِ حیات مقدّس اور پاکیزہ ہے' اُسی طرح آپ کا لباس بھی پاک و صاف ہونا چاہئے۔ آیت کا ایک اور معنیٰ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اے محبوبِ برحق! آپ اپنے طرزِ عمل کو اسی طرح پاک و صاف رکھیں تاکہ کسی قسم کا دھبّہ آپ کی رسالت کے منصبِ رفیع کو داغدار نہ کرنے پائے۔ دشمنانِ اسلام کو اپنے کردار میں کسی بھی خلا یا کمزوری کی طرف انگشت نمائی کرنے کا موقع نہ دیں کہ اُن کے اعتراضات طالبانِ حق کے لئے رکاوٹ نہ بن جائیں۔ فقہاء نے اِسی سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ نماز کے لئے کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے اور جب کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے تو نمازی کا اپنا جسم اور وہ جگہ جہاں وہ نماز ادا کر رہا ہے' اُس کا پاک ہونا بہ طریقِ اَولیٰ ضروری ہوگا۔'' (ضیاء القرآن۔۔ جلد پنجم' صفحہ ۴۱۶)

سورۃ ہٰذا کی آیت ششم (وَلَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَكۡثِرُ) میں قرآن مجید نے اپنے ماننے والوں کو اعلیٰ اخلاقی ضابطہ عطا کیا۔ قانونی اور تجارتی فارمولہ یہ ہے کہ آپ کسی سے لینے کے لئے اُسے کچھ دیتے ہیں اور بالعموم آپ کو یہ امید ہوتی ہے کہ آپ کی دی ہوئی چیز سے زیادہ قیمتی چیز آپ کو دی جائے۔ لیکن اس عمل کا روحانی پہلو یہ ہے کہ آپ لینے والے سے واپس دیئے جانے کی کوئی امید نہ رکھیں۔ قرآن مجید مسلمانوں سے بندگانِ خدا کی دل و جان سے آمادہ بے لوث خدمت کرنے کی امید رکھتا ہے نہ کہ اس کے بدلے میں اُن سے کچھ وصول کرنے کی۔ لہٰذا کسی کو عطا کرنے میں لینے والے سے کوئی امید نہیں رکھنی چاہئے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اپنے اعمال کو کثیر جاننا یا اُن کے عوض میں رجوعِ خلق یا مدح کی آس لگائے رکھنا شریعت میں قطعاً ناجائز ہے۔ آیت ہفتم میں فرمایا کہ راہِ حق میں صبر ورضا حق ہی کی خاطر کیجئے کہ وہ صابرین کے ساتھ ہے۔

(120) ذَرۡنِي وَمَنۡ خَلَقۡتُ وَحِيدًا ۝ وَجَعَلۡتُ لَهُۥ مَالًا مَّمۡدُودًا ۝ وَبَنِينَ شُهُودًا ۝ وَمَهَّدتُّ لَهُۥ تَمۡهِيدًا ۝ ثُمَّ يَطۡمَعُ أَنۡ أَزِيدَ ۝ كَلَّآ إِنَّهُۥ كَانَ لِأٓيَٰتِنَا عَنِيدًا ۝ سَأُرۡهِقُهُۥ صَعُودًا ۝ إِنَّهُۥ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝ فَقُتِلَ كَيۡفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَيۡفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ أَدۡبَرَ وَٱسۡتَكۡبَرَ ۝ فَقَالَ إِنۡ هَٰذَآ إِلَّا سِحۡرٞ يُؤۡثَرُ ۝ إِنۡ هَٰذَآ إِلَّا قَوۡلُ ٱلۡبَشَرِ ۝ سَأُصۡلِيهِ سَقَرَ ۝ وَمَآ أَدۡرَىٰكَ مَا سَقَرُ ۝ لَا تُبۡقِي وَلَا تَذَرُ ۝ لَوَّاحَةٞ لِّلۡبَشَرِ ۝ عَلَيۡهَا تِسۡعَةَ عَشَرَ ۝

(اَلْمُدَّثِّر: ۱۱۔۳۰)

'' آپ مجھے اور اُس شخص کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا (انتقام لینے کے لئے) چھوڑ دیں۔ اور میں نے اُسے بہت وسیع مال مہیا کیا تھا۔ اور (اُس کے سامنے) حاضر رہنے والے بیٹے دیئے تھے اور میں نے اُسے (سامانِ عیش و عشرت میں) خوب وسعت دی تھی۔ پھر (بھی) وہ حرص

Marfat.com

رکھتا ہے کہ میں اور زیادہ دوں ۔ ہرگز (ایسا) نہ ہوگا' بیشک وہ ہماری آیتوں کا دشمن رہا ہے ۔ عنقریب میں اُسے سخت مشقت (کے عذاب) کی تکلیف دوں گا ۔ بے شک اُس نے سوچ بچار کی اور (دل میں) ایک تجویز مقرر کر لی ۔ اُس پر اللہ کی مار (یعنی لعنت) ہو کہ اُس نے کیسی تجویز کی ۔ اس پر پھر (اللہ کی مار) (یعنی لعنت) ہو اور اُس نے کیسی تجویز کی ۔ پھر اُس نے (اپنی تجویز پر دوبارہ) غور کیا ۔ پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑا ۔ پھر (حق سے) پیٹھ پھیر لی اور تکبر کیا ۔ پھر کہنے لگا کہ یہ (قرآن) جادو کے سوا کچھ نہیں جو (اگلے جادوگروں سے) نقل ہوتا چلا آرہا ہے ۔ یہ (قرآن) سوائے انسان کے کلام کے (اور کچھ نہیں) ۔ میں عنقریب اُسے دوزخ میں جھونک دوں گا اور آپ کو کس نے بتایا ہے کہ سقر کیا ہے ۔ وہ (ایسی آگ ہے جو) نہ باقی رکھتی ہے اور نہ چھوڑتی ہے ۔ وہ (جسمانی) کھال کو جھلسا کر سیاہ کر دینے والی ہے ۔ اُس پر اُنیس (۱۹ فرشتے داروغے مقرر) ہیں ۔'' (۱۱ تا ۳۰ : ۷۴)

یہ آیات ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئیں جو ملکِ عرب کا مالدار اور خوشحال آدمی تھا' کٹر قسم کا بُت پرست اور نبی آخرالزماں ﷺ کا پکا دشمن تھا ۔ تبلیغِ اسلام کے آغاز ہی سے اُس نے مبلّغِ اسلام ﷺ کو گالیاں بکنے' اُنہیں اذیت دینے' اُن کے مشن کو ناکام بنانے اور آپ کے صحابہ کو تکالیف دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی ۔ اِن مندرجہ بالا آیات میں ربِّ ذوالجلال والاکرام ولید کے خلاف سخت غصّے اور بیزاری کا اظہار فرما رہا ہے اور اس الٰہی غصّے کا سبب آیت ۱۸ میں بیان ہوا (کہ اُس نے سوچ بچار کی اور ایک تجویز مقرر کر لی) جس کی تفصیل نیچے آرہی ہے ۔

کفارِ مکّہ اسلام کی روز افزوں ترقی سے بہت پریشان تھے اور پیغمبر علیہ السلام کے مشن کو روکنے کے طور طریقوں پر غور کرنے کے لئے حج کے موسم میں دارالندوہ میں اُنہوں نے ایک میٹنگ منعقد کی تاکہ اِس ''نئے مذہب'' سے متعلق کسی متفقہ فیصلہ تک پہنچا جا سکے اور عوام الناس کو اس مشن کی ''حقیقت'' سے باخبر کیا جا سکے ۔ ولید نے ہی گفتگو کا آغاز کیا اور لوگوں کو اس مجلس کے اغراض و مقاصد سے آگاہ کیا ۔ اُس نے کہا کہ ہمیں چاہئے کہ ہم سب ایک بات پر متفق ہو جائیں اور جو شخص بھی اُن کے بارے میں پوچھے' سب کا جواب ایک ہی ہو ۔ چنانچہ بعض لوگوں نے کاہن کا لفظ تجویز کیا ۔ ولید بولا: بخدا! وہ کاہن نہیں ۔ کاہنوں کے بے جوڑ' بے ربط فقرے میں نے بارہا سنے ہیں ۔ قرآن کو بھلا اُن سے کیا نسبت؟ کچھ لوگ کہنے لگے کہ اُنہیں مجنون (دیوانہ) کہنا چاہئے ۔ ولید نے اس کی بھی تردید کی اور کہا اگر تم نے ایسی بیہودہ بات کی تو لوگ تمہارا مذاق اڑائیں گے ۔ کچھ نے کہا کہ ان کے لئے مناسب لفظ شاعر ہے ۔ ولید سے نہ رہا گیا ۔ کہنے لگا: تم شعر کی تمام اَصناف سے واقف ہو ۔ کیا قرآن کی کسی آیت پر ان میں سے کسی صنف کا اطلاق ہو سکتا ہے ۔ جو لوگ اب تک گفتگو میں شریک نہیں ہوئے تھے' وہ کہنے لگے اور کوئی لفظ اُن کے لئے موزوں نہیں ۔ البتہ ہم اُنہیں بڑے اطمینان سے ساحر کہہ سکتے ہیں ۔ ولید نے کہا: دوستو! جادوگروں کی غلیظ زندگی اور ناپاک کردار کو بھلا مکارمِ اخلاق کے اِس حسین و جمیل پیکر سے کوئی نسبت ہو سکتی ہے؟ ان الفاظ میں سے کوئی لفظ بھی اگر تم نے استعمال کیا تو بیرونی مہمان تم پر بدگمان ہو جائیں گے اور اُسے جھوٹی تہمت خیال کریں گے ۔ پھر وہ کہنے لگا:

Marfat.com

وَاِنَّ لَہٗ لَحَلَاوَۃً وَاِنَّ عَلَیْہِ لَطَلَاوَۃً وَاِنَّ اَعْلَاہُ لَمُثْمِرٌ وَاِنَّ اَسْفَلَہٗ لَمُغْدِقٌ وَاِنَّہٗ لَیَعْلُوْا وَلَا یُعْلٰی عَلَیْہِ

"بخدا! اس کلام میں بڑی مٹھاس ہے، اُس کی جڑیں بہت گہری ہیں، اُس کی ٹہنیاں پھلوں سے لدی ہوئی ہیں، اس کا نچلا حصہ سدا بہار ہے، یہ ہر ایک سے اونچا ہے اور کوئی اس سے اونچا نہیں ہو سکتا۔"

ولید یہ کہہ کر مجلس سے اٹھ کر گھر چلا گیا۔ مجمع میں شور مچ گیا کہ ولید صابی ہو گیا۔ ابو جہل نے کہا: ٹھہرو، یہ مشکل میں حل کر دیتا ہوں۔ چنانچہ بڑی افسردہ شکل بنا کر اُس کے پاس گیا۔ ولید نے پوچھا: خیر تو ہے؟ بڑے غمگین نظر آرہے ہو۔ ابو جہل نے کہا: اب غمزدہ ہونے کے بغیر چارہ ہی کیا ہے؟ قریش کے لوگ تیرے لئے گھر گھر سے چندہ جمع کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ولید بھوکا ہو گیا ہے، اس لئے (حضور کا اسم گرامی لے کر) اُس کی طرف اور ابو بکر کی طرف راغب ہو گیا ہے تا کہ وہ اُس کی مالی امداد کریں۔ ولید فوراً مشتعل ہو گیا۔ کہنے لگا: لات و عزیٰ کی قسم! میرے جیسا رئیسِ اعظم محمد (ﷺ) اور ابو بکر کے ٹکڑوں کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ لیکن اُن کے بارے میں جو الفاظ تم کہتے ہو وہ غلط ہیں۔ پھر بڑے غور سے سوچنے لگا۔ یوں معلوم ہوتا تھا گویا بحرِ فکر میں غوطہ زنی کر رہا ہے تا کہ آپ کے لئے کوئی موزوں لفظ نکالے۔ کافی دیر تک اسی حالت میں رہا اور آخر کار کہنے لگا کہ ہم اُسے ساحر کہہ سکتے ہیں کیونکہ اُس نے بھائی کو بھائی سے اور بیٹے کو باپ سے جدا کر دیا ہے۔

اب ذرا اِن آیات کو گہری نظر سے دیکھیں۔ ایسے شخص کی جو تصویر کشی کی گئی ہے، یہ بھی اپنے اندر ایک اعجازی شان رکھتی ہے۔

وہ اس بارے میں غور و فکر کرنے لگا کہ اس نبی مکرم کے لئے کون سا لفظ تجویز کیا جائے۔ کاہن، مجنون، شاعر یا ساحر؟ طویل غور و خوض کے بعد اُس نے طے کر لیا کہ اُنہیں ساحر کہنا درست ہے۔ ایسی سمجھ اور ایسی عقل پر پھٹکار کہ کتاب کی خوبیوں کو پوری طرح جاننے اور صاحبِ کتاب ﷺ کے مکارمِ اخلاق کو تسلیم کرنے کے باوجود وہ ایسا لفظ منہ سے نکالنے کا فیصلہ کرتا ہے۔

آخری اعلان سے پہلے وہ ایک مرتبہ پھر رعونت کا مجسمہ نظر آتا ہے، اُس کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں، پھر وہ منہ بسورتا ہے، چہرے کو کرخت بناتا ہے، پھر غرور و تکبر سے منہ پھیر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ جادو ہے اور اس کتاب کا لانے والا جادوگر ہے۔ پھر لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے کہتا ہے کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں۔ اس کا رواج قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔ ہر زمانے کے جادوگر اپنے شاگردوں کو اس کی تعلیم دیتے آئے ہیں اور یوں ہی یہ سلسلہ جاری رہا ہے۔ اُنہیں بھی کسی بڑے جادوگر نے یہ چیزیں سکھا دی ہیں اور گھر گھر میں جو انتشار و افتراق پیدا ہو گیا ہے، وہ اسی جادو کا کرشمہ ہے۔

Marfat.com

فرمایا جا رہا ہے کہ اس پر ہم نے اتنے احسانات کئے' اولاد دی' بے حد و بے حساب دولت دی' عزت و سرداری بخشی اور اتنی لمبی عمر عطا فرمائی اور وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ نہ آپ ساحر ہیں اور نہ یہ کلام سحر ہے لیکن محض اپنے جھوٹے نام و نمود کے لئے اور چند روزہ سرداری کے لئے وہ ایسا ناپاک الزام میرے پاک نبی پر لگا رہا ہے۔ ایسے نابکار کو ہم ضرور دوزخ کا ایندھن بنا دیں گے۔ وہ دوزخ ایسی ہے کہ دوزخیوں کو نہ تو زندہ رہنے دیتی ہے اور نہ اُنہیں جلا کر فنا کر دیتی ہے۔ جل کر کوئلہ ہوتے ہیں اور عذاب جھیلنے کے لئے ہم پھر اُنہیں زندہ کر دیتے ہیں۔

ہم نے اس کشادہ اور وسیع دوزخ کی حفاظت کے لئے اُنیس داروغے مقرر کئے ہیں۔ کفار نے جب یہ آیت سنی تو بڑے زور سے قہقہے لگانے لگے۔ اس نبی کے خدا کی فوج بس یہی کچھ ہے۔ ہم تو سمجھے تھے کہ بے شمار لشکر ہوگا جو دوزخ کو چاروں طرف سے گھیرے کھڑا ہوگا اور اُن کی گرفت سے بچ کر نکلنے کی کسی میں ہمت نہ ہوگی۔ کیا حقیقت ہے اِن اُنیس کی؟ کفار کا مجمع لگا تھا۔ یہی بات موضوعِ بحث بنی ہوئی تھی۔ ہر شخص چٹخارے لے لے کر نکتہ آفرینیاں کر رہا تھا۔ ابوجہل کہنے لگا: دوستو! تم نے سن لیا اِس نبی کے خدا کی فوج صرف اُنیس سپاہیوں پر مشتمل ہے۔ کیا ہم دس دس مل کر بھی ایک کو پکڑ کر اُس کا کچومر نہ نکال دیں گے؟ ابن اُسید الجمحی جو اپنے قبیلہ بنی جمح کا زور آور پہلوان تھا' وہ بھی وہاں موجود تھا۔ کہنے لگا: ابوجہل جی مہاراج! اُن میں سے سترہ کو تو میں اکیلا کافی ہوں۔ باقی رہے دو تو آپ سب مل کر اُن دو کو سنبھال لینا۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ اے بیوقوفو! وہ تمہاری طرح بشر نہیں' وہ گوشت پوست کے آدمی نہیں کہ دس دس یا سولہ مل کر اُنہیں پچھاڑ دیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جن کی قوّت و طاقت کا تم تصوّر نہیں کر سکتے۔ اگر تمہیں کچھ غلط فہمی ہو تو عاد و ثمود اور سدوم و عمورہ سے پوچھو۔ وہ تمہیں اُن کی قوّت کے بارے میں بتا دیں گے۔

جہنم کے داروغوں کی یہ تعداد بیان کرنے میں کیا حکمت ہے؟ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سن کر کفار نے اودھم مچا دیا اور رسول ﷺ کو ہدفِ تنقید و استہزاء بنا دیا۔ اس لئے اس کی حکمت بتائی جا رہی ہے کہ جن کے دلوں میں کفر بھرا ہوا ہے اور وہ کسی مصلحت کے باعث ظاہر نہیں کر رہے ہیں تو وہ کفر بھی کھل کر سامنے آ جائے۔ نیز یہ کہ اہلِ کتاب کو بھی یقین آ جائے کہ واقعی یہ اللہ کا رسول ہے اور اپنے رب کا فرمان ہی سنا رہا ہے۔ مسلمان تو پہلے ہی سے نورِ ایمان سے مشرف ہیں اور وہ بے حیل و حجت' شرحِ صدر کے ساتھ اس عدد کو تسلیم کر لیں گے۔ اس طرح اُن کے ایمان اور قوّتِ ایمان دونوں میں اضافہ ہو جائے گا۔ مسلمانوں کے ایمان میں اضافہ کی بات تو واضح ہے لیکن اہلِ کتاب کو اس سے کیسے یقین آ گیا۔ اس کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ اہلِ کتاب کی کتب میں اُن کی یہی تعداد مذکور ہے۔ اس بارے میں یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ اہلِ کتاب کی کتب کی ورق گردانی کے باوجود یہ کہیں نہیں ملا کہ اُن کے نزدیک بھی دوزخ کے داروغوں کی تعداد اُنیس ہے۔ اس بارے میں عرض ہے کہ اہلِ کتاب کی کتب میں تحریف و تبدّل کا سلسلہ مدتوں جاری رہا۔ ہو سکتا ہے یہ عدد کسی تحریف کی زد میں آ گیا ہو اور آپ کو نہ ملا ہو۔ دوسرا شبہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ اگر اُنیس کا عدد اُن کی کتب میں مل

Marfat.com

بھی جائے تو اس سے بھی اُن کے یقین میں اضافہ کی کوئی صورت نہیں۔ وہ تو الٹا یہ کہہ دیں گے کہ آپ نے ہماری کتابوں سے نقل کیا ہے۔ اس کے لئے گزارش ہے کہ تمام اہلِ کتاب تو ہٹ دھرم اور متعصب نہیں' اُن میں کئی حق پسند بھی تو ہوں گے۔ وہ تو یہ جانتے ہیں کہ اس نبی کریم نے عبرانی کتب کا مطالعہ تو کجا اپنی مادری زبان میں بھی ابجد شناسی تک نہیں سیکھی' چہ جائیکہ وہ عبرانی کتب سے اخذ کر کے قرآن مرتب کرتے رہے ہوں۔ باقی رہے متعصب تو ایسے لوگوں کے حصہ میں ہدایت لکھی ہی نہیں' اُن کا کیا ذکر۔''

''ایک اور توجیہ بھی کی گئی ہے کہ اہلِ کتاب نے دیکھا کہ یہ تعداد سن کر کفار نے وہ اودھم مچایا کہ الامان والحفیظ۔ لیکن حضور علیہ السلام نے اُن کی اس مخالفت اور استہزاء کو کوئی اہمیت نہ دی اور اُسی وثوق سے قرآن کا پیغام پہنچایا تو اُنہیں یقین آ گیا کہ مخالفت کے طوفانوں میں حق بات کہنا اور کہتے رہنا صرف پیغمبرانہ شیوہ ہے اور عام آدمی کے بس کا روگ نہیں۔'' (ضیاء القرآن' جلد پنجم' صفحات ۴۲۱' ۴۲۲)

آیت ۱۱ کے لفظ وَحِیۡد کے دو مطالب ہو سکتے ہیں: (۱) میں نے اُسے کسی کی مدد کے بغیر تنہا پیدا کیا ہے اور مجھے اُس کو ہلاک کرنے کے لئے کسی دوسرے کی مدد کی ضرورت نہیں۔ (۲) اُسے میں نے اس حالت میں پیدا کیا ہے کہ وہ تنہا تھا۔ نہ اُس کے پاس مال تھا' نہ دولت' نہ زمین' نہ باغات' نہ اس کے پاس کوئی بیٹا تھا اور نہ کوئی ملازم۔ اب ہم نے اُس پر یہ احسان کیا کہ اُسے اتنا مال دے دیا جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔ ایک روایت کے مطابق دس اور بہ روایت آخر اُس کے بارہ بیٹے تھے جو کسبِ رزق سے مستغنی تھے۔ تجارت و کاروبار کے لئے اُنہیں دُور دراز ملکوں کی خاک چھاننا نہیں پڑتی تھی۔ کھیتی باڑی میں سارا سارا دن مصروف نہیں رہتے بلکہ تمام ضروریات سے بے نیاز ہو کر ہر وقت اپنے باپ کے پاس حاضر رہتے ہیں۔ شُھُوۡد کا معنی معروف و مشہور بھی کیا گیا ہے یعنی باپ کی طرح وہ نامور اور معزز ہیں۔ لوگ اپنی حاجات میں اُن کے پاس بھی حاضر ہوتے رہتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کرنے کی پاداش میں ولید کا کاروبار ماند پڑ گیا۔ زراعت و تجارت کی ترقی رک گئی اور خسارے کا چکر چلنے لگا۔

آیت ۱۷ میں فرمایا ہم اُسے جبراً حکم دیں گے کہ وہ جہنم کے اُس پھسلواں پہاڑ پر چڑھے جس کا نام صَعود ہے۔ جان جوکھوں میں ڈال کر جب وہ چوٹی کے قریب پہنچے گا تو اُس کا پاؤں پھسل جائے گا اور وہ دھڑام سے نیچے آ گرے گا۔ پھر اُسے اسی طرح اوپر چڑھنے کا حکم ملے گا تو اُسے مجالِ انکار نہ ہوگی۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا معنی یہ بتایا کہ ہم اُسے ایک ایسے عذاب کی مشقتوں میں بتلا کر دیں گے جس میں اُسے پل بھر کے لئے بھی آرام نصیب نہ ہوگا۔

۱۱ تا ۳۰ تک کی آیات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعزاز و اکرام اور ولید بن مغیرہ کی مذمت میں نازل ہوئی جس نے نبی برحق ﷺ کے لئے ''ساحر'' کا لقب تجویز کیا تھا۔

Marfat.com

(122) وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًاO وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًاO (الفرقان:۳۲'۳۳)

''اور کافر کہتے ہیں کہ اس (رسول) پر قرآن ایک ہی بار (یکجا کر کے) کیوں نہیں اتارا گیا۔ یوں (تھوڑا تھوڑا کر کے اُسے تدریجاً اس لئے اتارا گیا ہے) تاکہ ہم اس سے آپ کے قلب (اطہر) کو قوت بخشیں اور (اسی وجہ سے) ہم نے اُسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا ہے (تاکہ آپ کو ہمارے پیغام کے ذریعے بار بار سکونِ قلب ملتا رہے)۔ اور یہ (کفار) آپ کے پاس کوئی (ایسی) مثال (سوال اور اعتراض کے طور پر) نہیں لاتے مگر ہم آپ کے پاس (اس کے جواب میں) حق اور (اس سے) بہتر وضاحت کا بیان لاتے ہیں۔'' (۲۵ : ۳۲' ۳۳)

یہ آیات بھی امام القبلتین ﷺ کے اعزاز و اکرام اور اُن کے ارفع منصب کی روشن گری کے لئے نازل ہوئیں۔ قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے پر مخالفین کا یہ اعتراض بھی تھا کہ یہ بہ یک وقت ایک مرتّب اور مدوّن کتاب کی صورت میں کیوں نہیں اترا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحب اُسے خود تصنیف کرتے ہیں یا اُن کے معاون لوگ اُنہیں سکھاتے ہیں۔ جس قدر یہ خود بناتے ہیں یا اُن سے سیکھتے ہیں' اُسی قدر آ کر سنا دیتے ہیں۔

چنانچہ ایک ہی جملہ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا میں قرآن کو تدریجاً نازل کرنے کی کئی حکمتیں بیان فرما دیں:

(۱) تاکہ لوحِ قلب پر وہ اچھی طرح نقش ہو جائے۔

(۲) ہر آیت کا مفہوم خوب ذہن نشین ہو جائے۔

(۳) ضرورت کے مطابق قرآن کا نزول ہونے سے دلالاتِ لفظیہ کے ساتھ جب قرائنِ حالیہ بھی مل جائیں تو آیات کا مفہوم اور مصداق زیادہ واضح ہو جائے۔

(۴) ہر موقع پر جب وحیِ الٰہی اُترے گی تو دل کو اطمینان رہے گا کہ جس خالق نے مجھے اس کارِ عظیم کو سرانجام دینے کے لئے مقرر فرمایا ہے' اُس کی نظرِ عنایت ہر وقت میرے شاملِ حال رہتی ہے۔

(۵) چونکہ قرآن مجید ایک دستورِ حیات ہے اس لئے اُسے تدریجاً نافذ کرنا ہی مناسب ہے تاکہ اُسے اپنانے میں آسانی ہو۔ اگر کسی قوم کو اپنے تمام اطوار و رسوم کو یک بارگی ترک کر کے بالکل جدید دستورِ حیات اپنانے کا حکم دیا جائے تو اس کے لئے بڑا مشکل ہو جاتا ہے لیکن اگر آہستہ آہستہ احکام نازل ہوں تو اس طرح اُن پر عمل کرنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔

اس سے اگلی آیت (۳۳) میں فرمایا کہ (اے حبیبِ محتشم!) کہ جب بھی مخالفینِ قرآن آپ پر کوئی اعتراض کریں گے تو ہم آپ کو اُس کا صحیح اور دندان شکن جواب سکھا دیں گے اور اُس کی ایسی وضاحت فرما دیں گے کہ پھر اُنہیں مجالِ شک نہ رہے گی۔ (ضیاء القرآن' جلد سوم' صفحات ۳۶۳'۳۶۴)

Marfat.com

(123) قُلْ اِنَّمَا اَنَابَشَرٌ" مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَىَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰه" وَّاحِد" (الکھف:۱۱۰' فُصّلت:۶)
''فرما دیجئے: میں تو صرف (خلقتِ ظاہری) بشر ہونے میں تمہاری مِثل ہوں' میری طرف وحی کی جاتی ہے' وہ یہ کہ تمہارا معبود' معبودِ یکتا ہے۔'' (۱۸:۱۱۰ ؛ ۶ : ۴۱)

اس آیت سے بعض لوگوں کو یہ دھوکہ ہوا ہے کہ نبی علیہ السلام (معاذ اللہ) ہمارے جیسے ہیں جس کی ایک وجہ تو عربی زبان سے اُن کی ناواقفیت ہے' یا پھر دشمنِ رسول سے سنی سنائی بے بنیاد اور لغو باتوں پر اُنہوں نے یقین کر کے بات کو آگے پھیلا دیا ہے۔ کیا صحابہ کرام کے پیشِ نظر یہ آیت نہیں تھی اور کیا اُن کا اس پر ایمان نہ تھا لیکن کبھی بھی اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے جیسا کہنے کی گستاخی نہیں کی ☆۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سورہ ھُود کی آیت ۲۷' سورہ اِبراھیم کی آیت ۱۰ اور سورۃ المؤمنون کی آیت ۳۳ کی رُو سے رسول کو اپنے جیسا بشر کہنے کی رَٹ لگانا ہمیشہ سے کفار اور مخالفینِ انبیاء علیہم السلام کا شیوہ رہا ہے۔

'' بَشَرَہ نام ہے چہرے اور اُس سطح اور جِلد کا جس پر بال اُگتے ہیں۔'' (E.W. Lane's Arabic English Lexicon, part 1, p. 207)

اَلْبَشَرُ ظَاهِرُ جِلْدِ الْاِنْسَان (القاموس المحیط لمجد الدین فیروز آبادی' ج ا' ص ۳۷۲)
یعنی ''انسان کی ظاہری جسمانی جِلد کا نام بشر ہے۔''

لفظ بَشَر کے یہ معنیٰ پیشِ نظر ہونے سے اب آیت کا مفہوم روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ اے دشمنانِ اسلام! بظاہر میرے جسم' اُس کے گوشت پوست اور اُس میں اعضاء کی تعداد کے حوالے سے میں تمہارے جیسا ہوں اور مجھ میں اور تم میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن میری حقیقت اس کے برعکس ہے جسے میرے رب کے سوا کوئی بھی تو نہیں جانتا جیسا کہ فرمایا: لَمْ يَعْرِفْ حَقِيْقَتِىْ غَيْرُ رَبِّىْ (میرے رب کے سوا میری حقیقت کو کسی نے نہیں جانا)۔ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن مجید جس نے آپ والا صفات کو جبریل و میکائیل جیسے مقرب فرشتوں سے بھی بلند مقام عطا کیا ہو' آپ کے مرتبہ و مقام کو عام انسان جیسا بنا دے!!

سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۲ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات سے فرمایا گیا: ''اے نبی کی ازواج! تم عورتوں میں سے کسی ایک کی بھی مِثل نہیں ہو۔'' تو جب نبی کی ازواج کسی بھی عورت کی مثل نہیں ہیں تو اُن کا سرتاج ﷺ جو اُن کی فضیلت اور فوقیت کا سبب ہے' دوسرے عام لوگوں کی طرح کیسے ہو سکتا ہے!

☆ ہم اِن بے ادبوں اور گستاخانِ رسول سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ بہ فرضِ محال اگر تمہارا یہ دعویٰ درست ہے کہ پیغمبر ہمارے جیسا ہے تو ذرا تم بھی چاند کو دولخت اور سورج کو پلٹا کے دکھا دو۔ سچ ہے کہ ہدایت دینا رب کے ہاتھ میں ہے۔

Marfat.com

بیان کیا جاتا ہے کہ (۱) ہندوستان کے شہرہ آفاق مذہبی سکالر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آیت اِنَّمَا اَنَابَشَر" مِّثْلُکُمْ ازقبیلِ متشابہات ہے۔(۲) قرآن میں جہاں کہیں بھی اِنَّمَا اَنَابَشَر" مِّثْلُکُمْ آیا تو اُس سے متصل ہی یُوْحٰی اِلَیَّ کے الفاظ لائے گئے۔ تو گویا نزولِ وحی اور عدم نزولِ وحی کے مابین فرق کو طشت از بام کر دیا۔ یُوْحٰی اِلَیَّ کا مطلب ہی یہی ہے کہ میرا اپنے خالق و مالک کے ساتھ تعلق بذریعہ وحی براہِ راست ہے جبکہ دیگر لوگوں کا اُس کے ساتھ تعلق بالواسطہ اور بواسطہ رسول ہے تو چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک! (۳) نبی علیہ السلام کو یہ حکم ازراہِ تواضع دیا جا رہا ہے اور کسی دوسرے شخص کے لئے ایسا کہنا مناسب نہیں کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا' نبی یا رسول کو اپنے جیسا کہنا ہمیشہ کفار کا شیوہ رہا ہے جو رسول کے حق میں بڑی بے ادبی اور گستاخی ہے۔

جناب ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہ کا حوالہ دیتے ہوئے قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے آیت کی تفسیر یوں کی ہے:
عَلَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَزَّوَجَلَّ رَسُوْلَہ' ﷺ اَلتَّوَاضُعَ لِئَلاَّ یُزْھِیَ عَلٰی خَلْقِہٖ (تفسیر مظھری)
''اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر نے اپنے رسول ﷺ کو متواضع اور حلیم و بُردبار رہنے اور اُس کی مخلوق سے خودنما نہ ہونے کا حکم دیا ہے۔''

بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو خود انبیاء علیہم السلام اپنے لئے استعمال کر سکتے ہیں لیکن اگر ہم اُن الفاظ کو استعمال کریں تو یہ اُن مقدس ہستیوں کے بارے میں صریحاً گستاخی اور بے ادبی ہو گی۔ مثلاً:

(۱) آدم علیہ السلام نے جنت سے زمین کو تشریف لانے کے بعد باری تعالیٰ سے انہوں نے عرض کیا تھا: رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا (سورۃ الاعراف: ۲۳) (اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا)۔
(۲) جناب یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں رب تعالیٰ سے فریاد میں عرض کیا تھا: اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (سورۃ الانبیاء: ۸۷) (بیشک میں ہی اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہوں)۔ لیکن اگر ہم ان مقدس اور معصوم ہستیوں کے لئے ظالم کا لفظ استعمال کریں تو گستاخ کہلائیں گے جو پیغمبر کے حوالے سے یقیناً کفر ہے۔
(۳) جناب موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو قتل کرنے کے بعد کہا تھا: فَعَلْتُھَا اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ (سورۃ الشعراء: ۲۰) جب میں نے وہ کام کیا تو میں ضالّین میں سے تھا (کہ ایک گھونسے سے اُس کی موت واقع ہو سکتی ہے)۔

ظالم اور ضال کے الفاظ پیغمبروں نے اپنے لئے ازراہِ تواضع اور فروتنی (منکسر المزاجی) استعمال فرمائے ہیں اور اگر ہم اُن مقرب و مقدس ہستیوں کے لئے یہ الفاظ استعمال کریں تو یہ صریحاً گستاخی اور بے ادبی ہو گی اور اُسی وقت ایمان رخصت ہو جائے گا۔

کچھ مفسرین کرام کے نزدیک یہ آیت عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کے ردّ میں نازل ہوئی۔ اپنے پیغمبر

Marfat.com

عیسیٰ علیہ السلام کے تین یا چار معجزوں سے متاثر ہو کر عیسائیوں نے اُن کی طرف الوہیت منسوب کر دی۔ لیکن یہاں تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رب تعالیٰ نے متعدد معجزات سے نوازا ہے جس سے یہ خدشہ ہو سکتا تھا کہ عیسائیوں کی پیروی میں کہیں خاتم الانبیاء کو وہی درجہ الوہیت نہ دے دیا جائے۔ اس لئے اسی مصلحت کے تحت پیغمبر علیہ السلام کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا گیا کہ آپ فرمادیں : اِنَّمَا اَنَابَشَر" مِّثْلُکُمْ (میں تمہارے جیسا بشر ہوں)۔

یہ بات بھی غور طلب ہے کہ بَشَر" مِّثْلُکُمْ فرمایا گیا ہے نہ کہ اِنْسَان" مِّثْلُکُمْ جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ (۱) یہ مماثلت ظاہری شکل وصورت میں ہے (۲) میرا پیغمبر اور تم سب ایک خدائے واحد کی مخلوق ہو۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت بالکل حق اور نا قابلِ تردید حقیقت ہے اور اس کی تردید کرنا صریحاً کفر ہے۔ (۲) آپ کی بشریت اتنے اعلیٰ وارفع مرتبہ کی ہے کہ کروڑوں' اربوں بشریتیں آپ کی بشریت کی قربان گاہ پر قربان جائیں۔ (۳) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نزولِ وحی نے آپ ﷺ اور آپ کی اُمّت کے درمیان ایک واضح حدِّ فاصل قائم کر دی ہے۔

لیکن ہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ ایک سچے مسلمان کا زور نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی بشریت پر ایمان لانے کے عقیدہ کے ساتھ ساتھ اُن کی اکملیت اور افضلیت کے پہلو پر زیادہ ہوتا ہے۔ یہاں ہی صدیقیت اور بوجہلیّت کے مابین فرق دکھائی دیتا ہے۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تمام زورِ بیان نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اکملیت وافضلیت پر ہوتا تھا جبکہ ابوجہل آپ ﷺ کے اکملیت اور افضلیت کے پہلو کو نظر انداز کرتے ہوئے آپ کی بشریت پر زور دیتا تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اکملیت وافضلیت کے پہلو کا انکار بھی اسی طرح کفر ہے جیسا کہ آپ کی بشریت کا انکار کفر ہے۔

روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مسلسل روزے رکھنے کی اتباع میں آپ کے صحابہ کرام نے بھی بغیر کسی وقفہ کے مسلسل روزے رکھنے شروع کر دئے۔ تو اس موقع پر نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اَیُّکُمْ مِّثْلِیْ؟ اَبِیْتُ وَھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ "تم میں سے کون مجھ جیسا ہے؟ میں تو رات اس حال میں گزارتا ہوں کہ میرا پروردگار مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔"

**محمد رّسول اللہ ﷺ کی تخصیصات** : (۱) ہماری نیند ہمارے وضو کو توڑ ڈالتی ہے جبکہ نبی علیہ السلام کی نیند آپ کے وضو کو نہیں توڑتی کیونکہ بروئے حدیث آپ کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا تو وضو ٹوٹے تو کیسے ٹوٹے؟

(۲) اُمت کے لئے اسلام کے پانچ ارکان ہیں یعنی کلمہ طیّبہ' نماز' زکوٰۃ' روزہ اور حج جبکہ نبی علیہ السلام

Marfat.com

کے لئے چار ارکان ہیں کیونکہ زکوٰۃ آپ پر فرض نہیں (شامی: کتاب الزکوٰۃ)۔

(۳) اُمّت پر پانچ نمازیں فرض ہیں جبکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بہ شمول نماز تہجد چھ نمازیں فرض ہیں (بحوالہ سورہ بنی اسرائیل: آیت ۷۹)۔

(۴) افرادِ اُمّت کو کچھ شرائط کے تحت چار تک کی شادیوں کی اجازت ہے جیسا کہ سورۃ النّساء کی آیات ۳ اور ۱۲۹ میں آیا۔ لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ایسی کوئی حد بندی نہیں کی گئی اور سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۰ کی رُو سے آپ جتنے نکاح چاہیں کر سکتے ہیں۔

(۵) ہماری بیویاں ہماری وفات کے بعد جس آدمی سے چاہیں نکاح کر سکتی ہیں۔ لیکن مسلمان کے لئے نبی علیہ السلام کی کسی زوجہ سے نکاح کرنا حرام ہے☆ کیونکہ وہ مسلمانوں کی مائیں ہیں (سورۃ الاحزاب: ۵۳، ۶)۔

(۶) ہمارے مرنے کے بعد ہماری میراث وارثوں میں تقسیم ہو جاتی ہے لیکن چونکہ نبی اپنے پیچھے کوئی ترکہ نہیں چھوڑتا، اس لئے اس کی تقسیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۷) نبی علیہ السلام کا بول و براز آپ کی اُمّت کے لئے پاک و مطہر ہے (فتاویٰ شامی: باب الانجاس) جبکہ ہمارا بول و براز پلید اور حرام ہے۔

(۸) ہمارا کلمہ طیبہ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے جبکہ نبی علیہ السلام کا کلمہ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔

(۹) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایمان بصری وعینی (Visual) ہے جبکہ ہمارا ایمان سمعیاتی (Audio) ہے جسے پیغمبر علیہ السلام کی وساطت سے ہم میں پیدا کیا گیا۔

(۱۰) پیغمبر علیہ السلام کا اپنے خالق سے براہِ راست تعلق ہے جبکہ اللہ سے ہمارا تعلق بالواسطہ اور پیغمبر کے ذریعہ سے ہے۔

(۱۱) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لاتعداد معجزات ہیں جبکہ ہم گنہگاروں کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جس کا دعویٰ کیا جا سکے۔ اگر ہمارے گناہ بخش دئے گئے تو یہ ہمارے خالق و مالک کی شانِ کریمی کا بڑا اظہار ہوگا۔

(۱۲) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہماری کبھی بھی ضرورت نہیں بلکہ ہمیں اُن کی ضرورت ہے کہ بروزِ قیامت ہم اُن کی شفاعت کے امیدوار ہیں۔

اِن روشن تفاوتوں کے پیشِ نظر یہ تصوّر تک نہیں کیا جا سکتا کہ (معاذ اللہ) آپ ہمارے جیسے ہیں۔

اور پھر یہ بات کتنی روح پرور ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی آخر الزماں ﷺ کے ہر جسمانی عضو کا ذکر کیا ہے جبکہ انبیائے سابقہ میں سے کسی بھی نبی کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

☆ اسی سے حیات النبی ثابت ہوگئی کیونکہ کسی زندہ شخص کی منکوحہ سے کوئی اور شخص نکاح نہیں کر سکتا۔

Marfat.com

آپ کا قلب مبارک : نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ (الشعراء : ۱۹۳، ۱۹۴)
''اس (قرآن) کو جبریل امین نے آپ کے قلب پر اتارا ہے۔ (۱۹۳، ۱۹۴:۲۶)

آپ کی زبان مبارک : فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ (مریم: ۹۷، اَلدُّخان : ۵۸)
''سو بیشک ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں ہی آسان کر دیا ہے۔''

آپ کی آنکھ/آنکھیں مبارک : (۱) مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ (اَلنَّجم : ۱۷)
''اُن کی آنکھ نہ کسی اور طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی۔'' (۵۳:۱۷)
(۲) لَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ (الکهف : ۲۸)
''آپ کی (محبت اور توجہ کی) آنکھیں اُن سے نہ ہٹیں۔'' (۱۸:۲۸)

آپ کا چہرہ انور : قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ (البقرة : ۱۴۴)
''ہم نے آپ کے چہرہ (انور) کو آسمان کی طرف (بار بار) پلٹتے کو دیکھ لیا ہے۔''

آپ کا دست مبارک اور گردن مبارک : وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ (بنی اسرائیل:۲۹)
''اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھا ہوا نہ رکھئے۔'' (۱۷:۲۹)

آپ کا سینہ مبارک : اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (الانشراح : ۱)
''کیا ہم نے آپ کا شرحِ صدر نہیں فرما دیا؟'' (۹۴ : ۱)

آپ کی کمر مبارک : وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِىْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ (الانشراح:۲، ۳)
''اور ہم نے آپ کا (غمِ اُمت کا وہ) بار آپ سے اتار دیا جو آپ کی پشت پر گراں ہو رہا تھا۔'' (۹۴ : ۲، ۳)

آپ کی ذات پاک : (۱) اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (یونس : ۹۹)
''تو کیا آپ اُن لوگوں پر جبر کریں گے یہاں تک کہ وہ مومن ہو جائیں۔'' (۱۰:۹۹)
(۲) لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (الشعراء : ۳)
''(اے حبیبِ مکرّم!) شاید آپ (اس غم میں) اپنی جان (عزیز) ہی دے بیٹھیں گے کہ وہ ایمان نہیں لائے۔'' (۲۶ : ۳)

Marfat.com

آپ کے بازو مبارک: وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ O (اَلشُّعراء : ۲۱۵)
''اور آپ اپنا بازوئے (رحمت وشفقت) اُن مؤمنوں کے لئے بچھا دیجئے جنہوں نے آپ کی پیروی اختیار کرلی ہے۔'' (۲۱۵ : ۲۶)

نبی محتشم ﷺ کا اپنے خالق کے ہاں اعزاز و اکرام کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر اُن کی قوم نے جو الزامات لگائے تو اُن کا جواب پیغمبرِ وقت نے خود دیا اگرچہ اُن کا جواب قرآن مجید میں درج ہے۔ لیکن ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے معاملہ اس کے برعکس ہے۔ دشمنانِ رسول کو رب تعالیٰ نے اپنے رسول پر لگائے گئے الزامات کا ہر موقع پر اور ہر گھڑی خود جواب دیا اور رسول کو جواب دینے کی تکلیف نہیں دی۔ اِن ہر دو صورتوں کا ذرا ملاحظہ فرماتے جایئے :

## (الف)

(۱) نوح علیہ السلام کی قوم کے سرداروں نے جنابِ نوح پر الزام لگایا :
اِنَّا لَنَرٰكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ O (اَلاعراف: ۶۰)
''ہم تمہیں کھلی گمراہی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں۔'' (۶۰ : ۷)

تو نوح علیہ السلام نے خود اس کا جواب یوں دیا :
یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ O (الاعراف: ۶۱)
''اے میری قوم! مجھ میں کوئی گمراہی نہیں لیکن (یہ حقیقت ہے کہ) میں تمام جہانوں کے رب کی طرف سے رسول (مبعوث ہوا) ہوں۔'' (۶۱ : ۷)

(۲) کافروں نے ھود علیہ السلام کو اس الزام سے متہم کیا :
اِنَّا لَنَرٰكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ O (الاعراف : ۶۶)
''بے شک ہم تمہیں حماقت (میں مبتلا) دیکھتے ہیں اور بیشک ہم تمہیں جھوٹے لوگوں میں گمان کرتے ہیں۔'' (۶۶ : ۷)

تو ھود علیہ السلام کا اُنہیں یہ جواب تھا :
یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ O (الاعراف: ۶۷)
''اے میری قوم! مجھ میں کوئی حماقت نہیں لیکن (یہ حقیقت ہے کہ) میں تمام جہانوں کے رب کی طرف سے رسول (مبعوث ہوا) ہوں۔'' (۶۷ : ۷)

(۳) مصر کے فرعون نے اپنے وقت کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام سے طنزاً یہ کہا تھا :
اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا O (بنی اسراء یل : ۱۰۱)

Marfat.com

''اے موسیٰ! میں تو یہی خیال کرتا ہوں کہ تم پر جادو کر دیا گیا ہے۔'' (۱۰۱ : ۱۷)

اُس کے اس طنز کا بھی جواب موسیٰ علیہ السلام نے خود دیا اور فرمایا:
اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ○ (بنی اسرائیل : ۱۰۲)
''اے فرعون! میں تو یہی خیال کرتا ہوں کہ تو (جلد ہی) ہلاک ہوا چاہتا ہے۔'' (۱۷:۱۰۲)

(۴) شعیب علیہ السلام کی قوم نے اپنے وقت کے پیغمبر جناب شعیب کو یہ دھمکی دی:
یٰشُعَیْبُ مَانَفْقَهُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْنَا ضَعِیْفًا وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَمَآاَنْتَ عَلَیْنَا بِعَزِیْزٍ ○ (هود : ۹۱)
''اے شعیب! تمہاری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم تمہیں اپنے معاشرے میں کمزور شخص جانتے ہیں، اور اگر تمہارا کنبہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے اور (ہمیں اسی بات کا لحاظ ہے ورنہ) تم ہماری نگاہ میں کوئی عزت والے نہیں ہو۔'' (۹۱ : ۱۱)

تو اُن کی ان باتوں کا جواب بھی شعیب علیہ السلام نے خود دیا اور اُنہیں فرمایا:
یٰقَوْمِ اَرَهْطِیْٓ اَعَزُّ عَلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِیًّا ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ○ وَیٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِیْبٌ ○ (هود : ۹۲، ۹۳)
''اے میری قوم! کیا میرا کنبہ تمہارے نزدیک اللہ سے زیادہ معزز ہے؟ اور تم نے اُسے (اللہ کو گویا) اپنے پسِ پشت ڈال رکھا ہے۔ بیشک میرا رب تمہارے (سب) کاموں کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ کام کرتے رہو، میں اپنا کام کر رہا ہوں۔ تم عنقریب جان لوگے کہ کس پر وہ عذاب آپہنچتا ہے جو رُسوا کر ڈالے گا اور کون ہے جو جھوٹا ہے؟ اور تم بھی انتظار کرتے رہو اور میں (بھی) تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔'' (۹۲، ۹۳ : ۱۱)

(۵) ھود علیہ السلام کی قوم نے وقت کے پیغمبر کے خلاف اپنی بیزاری کا یوں اظہار کیا:
یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ○ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ (هود : ۵۳، ۵۴)
''اے ھود! تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لے کر نہیں آئے اور نہ ہم تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ ہی ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں۔ ہم اِس کے سوا (کچھ) نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تمہیں (دماغی خلل کی) بیماری میں مبتلا کر دیا ہے۔''
(۵۳، ۵۴ : ۱۱)

تو اُن کی اِن بہکی بہکی باتوں کا جواب بھی ھود علیہ السلام نے خود دیا اور فرمایا:

Marfat.com

إِنِّیْ أُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْا أَنِّیْ بَرِیْءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنَ ○ إِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآبَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِیَتِهَا إِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ (ھود : ۵۴-۵۶)

''بیشک میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان (تمہارے معبودوں) سے لاتعلق ہوں جنہیں تم شریک گردانتے ہو۔ اُس (اللہ) کے سوا تم سب (بشمول تمہارے معبودانِ باطلہ) مل کر میرے خلاف (کوئی) تدبیر کرلو پھر مجھے مہلت بھی نہ دو۔ بے شک میں نے اللہ پر توکل کرلیا ہے جو میرا (بھی) پالنہار ہے اور تمہارا (بھی) پالنہار ہے۔ کوئی چلنے والا (جاندار) ایسا نہیں مگر وہ اُسے اُس کی چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے (یعنی مکمل طور پر اُس کے قبضۂ قدرت میں ہے)، بیشک میرا رب (حق و عدل میں) سیدھی راہ پر (چلنے سے ملتا) ہے۔'' (۵۴-۵۶ : ۱۱)

(۶) حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا اپنے پیغمبر کے خلاف ردِّعمل کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے:

قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا أَتَنْهٰنَا أَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ آبَآؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَا إِلَیْهِ مُرِیْبٍ ○ (ھود : ۶۲)

''کہنے لگے: اے صالح! اُس سے پہلے ہماری قوم میں تم ہی امیدوں کا مرکز تھے، کیا تم ہمیں ان (بتوں) کی پرستش کرنے سے روک رہے ہو جن کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے رہے ہیں اور جس (توحید) کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو، یقیناً ہم اس کے بارے میں بڑے اضطراب انگیز شک میں مبتلا ہیں۔'' (۱۱:۶۲)

اُن کے اس ردِّعمل کا جواب رب تعالیٰ نے نہیں بلکہ صالح علیہ السلام نے خود دیا اور اُن سے فرمایا:

یٰقَوْمِ أَرَءَیْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَآتٰنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ إِنْ عَصَیْتُهٗ فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ غَیْرَ تَخْسِیْرٍ ○ (ھود : ۶۳)

''اے میری قوم! ذرا سوچو تو سہی اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر (قائم) ہوں اور مجھے اُس کی جانب سے (خاص) رحمت نصیب ہوئی ہے (اُس کے بعد اُس کے احکام تم تک نہ پہنچا کر) اگر میں اُس کی نافرمانی کر بیٹھوں تو کون ہے جو اللہ (کے عذاب) سے بچانے میں میری مدد کرسکتا ہو؟ سوائے نقصان پہنچانے کے تم میرا (اور) کچھ نہیں بڑھا سکتے۔'' (۶۳ : ۱۱)

(۷) جب لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو ہم جنس پرستی (Sodomy) کے مہیب نتائج کے بارے میں سرزنش کی تو وہ آپ سے یوں گویا ہوئے:

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ ○ (اَلشُّعراء : ۱۶۷)

''اے لوط! اگر تم (اِن باتوں سے) باز نہ آئے تو تم ضرور شہر بدر کیے جانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔''

Marfat.com

تو اُن کے ایسے دل شکن رویّے کا جواب لوط علیہ السلام نے خود دیا اور قوم سے فرمایا :
اِنِّیۡ لِعَمَلِکُمۡ مِّنَ الۡقَالِیۡنَ○ رَبِّ نَجِّنِیۡ وَاَهۡلِیۡ مِمَّا یَعۡمَلُوۡنَ○ (اَلشعراء : ۱۶۸، ۱۶۹)
''بے شک میں تمہارے عمل سے بیزار ہونے والوں میں سے ہوں۔ اے میرے پروردگار! تو مجھے اور میرے گھر والوں کو اس (کام کے وبال) سے نجات عطا فرما جو وہ کر رہے ہیں۔'' (۱۶۸، ۱۶۹ : ۲۶)

(۸) جب نوح علیہ السلام حکمِ الٰہی کے تحت کشتی تیار کر رہے تھے تو ''جب بھی اُن کی قوم کے سردار اُن کے پاس سے گزرتے تو اُن کا مذاق اڑاتے۔'' (سورہ ھود : ۳۸)۔ رب تعالیٰ نے اُن کے تمسخر کا جواب نہیں دیا بلکہ نوح علیہ السلام اُن سے جواباً فرماتے :
اِنۡ تَسۡخَرُوۡا مِنَّا فَاِنَّا نَسۡخَرُ مِنۡکُمۡ کَمَا تَسۡخَرُوۡنَ○ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ یَّاۡتِیۡهِ عَذَابٌ "یُّخۡزِیۡهِ وَیَحِلُّ عَلَیۡهِ عَذَابٌ" مُّقِیۡمٌ "○ (ھود : ۳۸، ۳۹)
''اگر آج تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو (کل) ہم بھی تم سے اسی طرح تمسخر کریں گے جیسے تم تمسخر کر رہے ہو۔ سو تم عنقریب جان لو گے کہ کس پر (دنیا میں ہی) عذاب آتا ہے جو اُسے ذلیل و رسوا کر دے گا اور پھر (آخرت میں بھی کس پر) ہمیشہ قائم رہنے والا عذاب آتا ہے۔'' (۳۸، ۳۹ : ۱۱)

## (ب)

لیکن رب تعالیٰ کی سنت کریمہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایسی نہ تھی کہ دشمن اُن پر الزامات کی بوچھاڑ کر دیں اور پیغمبر خود اُن کا جواب دے اور رب خاموش رہے۔ بلکہ محبوب علیہ السلام کا جب بھی اُن کے دشمنوں نے مذاق اڑایا تو ربِّ جلیل فوراً بیچ میں آڑے آگیا اور محبوب علیہ السلام کی طرفداری میں اُنہیں مُسکت اور ناقابلِ تردید جواب دئے۔ ملاحظہ ہوں :

(۱) کفار نے نبی علیہ السلام پر الزام لگاتے ہوئے کہا تھا :
یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیۡ نُزِّلَ عَلَیۡهِ الذِّکۡرُ اِنَّکَ لَمَجۡنُوۡنٌ○" لَوۡمَا تَاۡتِیۡنَا بِالۡمَلٰٓئِکَةِ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ (الحجر : ۶، ۷)
''اور (کفار گستاخی کرتے ہوئے) کہتے ہیں : اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا ہے، بیشک تم دیوانے ہو۔ تم ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتے اگر تم سچے ہو۔'' (۶، ۷ : ۱۵)

قرآن کریم نے صاحبِ قرآن ﷺ کی جانب سے یہ جواب دئے :
(i) مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡنٍ○۔۔ فَسَتُبۡصِرُ وَیُبۡصِرُوۡنَ○ بِاَیِّکُمُ الۡمَفۡتُوۡنُ○ (القلم : ۲، ۵، ۶)
''(اے حبیبِ مکرم!) آپ اپنے رب کے فضل سے (ہرگز) دیوانے نہیں ہیں۔۔ پس عنقریب آپ (بھی) دیکھ لیں گے اور وہ (بھی) دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے۔'' (۲، ۵، ۶ : ۶۸)

Marfat.com

(ii) مَا نُنَزِّلُ الْمَلاۤئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْۤا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ O (اَلْحِجر: ۸)
''ہم فرشتوں کو نہیں اتارا کرتے مگر (فیصلہ) حق کے ساتھ (یعنی جب عذاب کی گھڑی آ پہنچے تو اُس کے نفاذ کے لئے اُتارتے ہیں) اور اُس وقت اُنہیں مہلت نہیں دی جاتی۔'' (۸ : ۱۵)

(۲) کفار نے طنزاً کہا تھا :
ءَ اِنَّا لَتَارِكُوْۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ O (اَلصَّافات : ۳۶)
''کیا ہم ایک دیوانے شاعر کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں؟'' (۳۶ : ۳۷)

ربِ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا :
بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ O (اَلصَّافات : ۳۷)
''(وہ نہ مجنون ہے نہ شاعر) بلکہ وہ (دین) حق لے کر آئے ہیں اور اُنہوں نے (اللہ کے) پیغمبروں کی تصدیق کی ہے۔'' (۳۷ : ۳۷)

(۳) کفار نے مسلمانوں سے کہا تھا :
اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا O (الفرقان : ۸)
''تم تو محض ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو۔'' (۸ : ۲۵)

قرآنِ کریم نے اُس کا جواب یہ دیا :
اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا O (الفرقان : ۹)
''(اے حبیبِ مکرّم!) ملاحظہ فرمائیے یہ لوگ آپ کے لئے کیسی (کیسی) مثالیں بیان کرتے ہیں، پس وہ (بوجہ بے ادبی) گمراہ ہو چکے ہیں، سو وہ ہدایت کا کوئی راستہ نہیں پا سکتے۔'' (۹ : ۲۵)

محبوبِ محتشم کی تسلی و تشفی کا سامان کیا جا رہا ہے کہ پیارے رسول! تیرے مقام کو نہ پہچان کر، تیری عظمت سے بے خبر رہ کر اور تیری شان کا انکار کر کے وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔ کاش اُنہیں صدیقؓ کی آنکھ اور بلالؓ کا دل نصیب ہوتا تو اُنہیں تیرے حسنِ سرمدی اور تیری محبوبیت کا پتہ چلتا!

(۴) کفار نے قرآن کی اعلیٰ درجے کی فصاحت و بلاغت سے بوکھلا کر کہا تھا :
لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ O (اَلانفال : ۳۱)
''اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس (کلام) کے مثل کہہ سکتے ہیں، یہ تو اگلوں کی (خیالی) داستانوں کے سوا (کچھ بھی) نہیں ہے۔'' (۳۱ : ۸)

Marfat.com

قرآن ہی نے اس کا جواب محبوب علیہ السلام کی زبانی دیا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْاِ نْسُ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْرًا O (بنی اسرائیل : ۸۸)

''(اے حبیبِ لبیب!) فرما دیجئے اگر تمام انسان اور جنّات اِس بات پر جمع ہو جائیں کہ وہ اِس قرآن کے مثل (کوئی دوسرا کلام بنا) لائیں گے تو (بھی) وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔'' (۸۸ : ۱۷)

(۵) کفار نے قرآن کو موضوعی اور اختراعی قرار دیتے ہوئے نبی علیہ السلام پر اتہام لگایا تھا اور کہا تھا:

اِنْ ھٰذَا اِلَّآ اِفْکُ نِ افْتَرٰہُ وَاَعَانَہٗ عَلَیْہِ قَوْمٌ'' آخَرُوْنَ (الفرقان : ۴)

''یہ (قرآن) محض افتراء ہے جسے اس (مدعیِ رسالت) نے گھڑ لیا ہے اور اُس (کے گھڑنے) پر دوسرے لوگوں نے اُس کی مدد کی ہے۔'' (۴ : ۲۵)

قرآن کے نازل کرنے والے اللہ نے اس کا جواب دیا:

فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا O (اَلفرقان : ۴)

''بیشک کافر ظلم اور جھوٹ پر (اُتر) آئے ہیں۔'' (۴ : ۲۵)

(۶) کفار نے کہا تھا:

اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَھَا فَھِیَ تُمْلٰی عَلَیْہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا O (الفرقان : ۵)

''(یہ قرآن) اگلوں کے افسانے ہیں جنہیں اِس شخص نے لکھوا رکھا ہے' پھر وہ (افسانے) اُسے صبح و شام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں (تاکہ اُنہیں یاد کر کے آگے سنا سکے)۔'' (۵:۲۵)

رب تعالیٰ نے خود اس کا جواب محبوب علیہ السلام کی زبانی یوں دیا:

قُلْ اَنْزَلَہُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الفرقان : ۶)

''فرما دیجئے: اِس (قرآن) کو اُس (اللہ) نے نازل فرمایا ہے جو آسمانوں اور زمین میں (موجود) تمام رازوں کو جانتا ہے۔'' (۶ : ۲۵)

(۷) کفار نے ختم الرسلین ﷺ سے کہا تھا کہ ''آپ اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں ہیں۔'' (الرّعد : ۴۳)

رب تعالیٰ نے محبوب علیہ السلام کی زبانِ پاک سے اس کا جواب دیا:

قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ (الرّعد: ۴۳)

''فرما دیجئے (میری رسالت پر) میرے اور تمہارے درمیان اللہ بطور گواہ کافی ہے۔'' (۱۳:۴۳)

Marfat.com

(۸) کفار نے اعتراض کیا تھا :

لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً (الفرقان : ۳۲)

''اس (رسول) پر قرآن ایک ہی بار (یکجا کر کے) کیوں نہیں اتارا گیا؟'' (۲۵ : ۳۲)

رب تعالیٰ نے اس کا جواب دیا :

كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًاO (الفرقان : ۳۲)

''یوں (تھوڑا تھوڑا کر کے اُسے تدریجاً اس لئے اتارا گیا ہے) تا کہ ہم اس سے آپ کے قلب (اطہر) کو قوت بخشیں اور (اسی وجہ سے) ہم نے اُسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا ہے (تا کہ آپ کو ہمارے پیغام کے ذریعے بار بار سکونِ قلب ملتا رہے)۔'' (۲۵ : ۳۲)

(۹) کفار نے ازراہِ تعجب کہا تھا :

اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًاO (بنی اسراء یل : ۹۴)

''کیا اللہ نے (ایک) بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟'' (۱۷ : ۹۴)

رب تعالیٰ نے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ اقدس سے اس کا جواب دیا :

لَوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًاO (بنی اسراء یل : ۹۵)

''اگر زمین میں (انسانوں کی بجائے) فرشتے چلتے پھرتے سکونت پذیر ہوتے تو یقیناً ہم اُن پر آسمان سے کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتے۔'' (۱۷ : ۹۵)

(۱۰) کفار نے یہ اعتراض بھی کیا تھا :

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ (الفرقان : ۷)

''اِس رسول کو کیا ہوا ہے' وہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔'' (۲۵ : ۷)

جس کا جواب رب تعالیٰ نے سورۃ الفُرقان کی آیت ۲۰ میں یوں دیا :

وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ

''اور ہم نے آپ سے پہلے رسول نہیں بھیجے مگر (یہ کہ) وہ کھانا (بھی) یقیناً کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے (بھی) تھے۔'' (۲۵ : ۲۰)

(۱۱) کفار نے نبوّت کی الٰہی تقسیم پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا :

Marfat.com

لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍO (اَلزُّخْرُف : ۳۱)
"یہ قرآن (مکّہ اور طائف کی) دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی (یعنی کسی وڈیرے' سردار اور مالدار) پر کیوں نہیں اتارا گیا؟" (۴۳ : ۳۱)

ربِّ ذوالجلال والاکرام نے اس کا جواب خود دیا اور فرمایا:
اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ (اَلزُّخْرُف : ۳۲)
"کیا آپ کے رب کی رحمت (نبوّت) کو یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟" (۴۳ : ۳۲)

اور سورۂ الانعام کی آیت ۱۲۴ میں بھی کفار کے اعتراضِ بالا کا جواب موجود ہے:
اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَه' (الانعام : ۱۲۴)
"اللہ خوب جانتا ہے کہ اُسے اپنی رسالت کا محل کسے بنانا ہے۔" (۶ : ۱۲۴)

(۱۱) کفار نکاح و ازدواج اور اس کے نتیجہ میں بچے پیدا ہونے کو بھی رسالت کی شان کے خلاف سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ کیسا نبی ہے جو شادیاں بھی کرتا ہے اور اولاد بھی پیدا کرتا ہے۔ رب تعالیٰ نے اس کا بھی جواب خود دیا ہے اور فرمایا ہے:
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً (الرَّعْد : ۳۸)
"اور (اے رسولِ محترم!) بے شک ہم نے آپ سے پہلے (بہت سے) پیغمبروں کو بھیجا اور ہم نے اُن کے لئے بیویاں (بھی) بنائیں اور اولاد (بھی)۔" (۱۳ : ۳۸)

(۱۲) کفار کے ایک اور اعتراض کو سورہ یونس کی آیت ۱۵ میں بیان فرمایا کہ "جو لوگ ہم سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے' کہتے ہیں کہ اِس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لے آیئے یا اُسے بدل دیجئے۔"

تو محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ اقدس سے اس کا جواب اُنہیں یوں دلوایا:
قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَه' مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍO (یونس : ۱۵)
"فرما دیجئے: مجھے حق نہیں کہ میں اُسے اپنی طرف سے بدل دوں' میں تو فقط جو میری طرف وحی کی جاتی ہے' (اُس کی) پیروی کرتا ہوں' اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بے شک میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔" (۱۰ : ۱۵)

نبی آخرالزماں ﷺ کو اپنے رب کے ہاں جو قدر و منزلت حاصل ہے اُس کا اندازہ اِن ایمان افروز تین واقعات سے کیجئے کہ اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ پر اتہام لگنے سے صدیوں پہلے جناب یوسف علیہ السلام پر

Marfat.com

بھی اسی قسم کا الزام لگایا گیا تھا لیکن اُن کی براءت اور صفائی میں رب تعالیٰ نہیں بولا بلکہ رب کی کسی مخلوق (بروایتِ بعض پنگوڑے میں کھیلتے بچے) نے اُن کی براءت کی۔ اس واقعہ کے صدیوں بعد عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ جنابہ سیّدہ مریم سلام اللہ علیہا پر یہودیوں نے بدکاری کا بہتان لگایا تو اُن کی براءت میں بھی رب تعالیٰ نہیں بولا بلکہ دودھ پیتے بچے جناب عیسیٰ علیہ السلام سے اُن کی پاکدامنی کی گواہی دلوائی۔ لیکن جب فخرِ ہر جہاں رحمۃ للعالمین کی زوجہ مطہرہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے اپنی فطری خباثت کے ہاتھوں بہتان لگایا تو کسی مخلوق سے اُن کی معصومیت اور پاکدامنی کی گواہی نہیں دلوائی بلکہ اپنے محبوب کو بھی خاموش رہنے کا حکم دیا۔ اس لئے کہ اگر رسول اللہ ﷺ اس ضمن میں کچھ تبصرہ فرماتے تو وہ بن جاتی حدیث اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس پر قیل وقال ہوتی۔ بعض اُسے ضعیف کا درجہ دے کر اور بعض راویوں پر جرح وتنقیص کر کے آپ کی حدیث سے الجھ کر آپ کی زوجہ مطہرہ کی پاکدامنی سے انکار کے مرتکب ہوتے۔ لہٰذا حکمتِ الٰہی اس بات کی مقتضی ہوئی کہ پیارے! انہی وجوہ کی بناء پر ہم نہیں چاہتے کہ آپ کچھ کہیں بلکہ اب ہم گزشتہ دونوں واقعات کے برعکس معاملے کو خود ہاتھ میں لے کر آپ کی زوجہ مطہرہ کے تقدس اور اُن کی پاکیزگیٔ کردار کا اعلان کر کے اسے قرآنِ حکیم کا حصہ بنا دیں گے۔ چنانچہ فرمایا:

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ O (النور : ۲۶)

"گندی عورتیں گندے مردوں ہی کے لائق اور گندے مرد گندی عورتوں ہی کے لائق ہوتے ہیں اور پاک دامن عورتیں پاکباز مردوں کے لائق اور پاکباز مرد پاکدامن عورتوں ہی کے لائق ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اس بات سے پاک ہیں جو یہ (منافق) بکتے پھرتے ہیں۔ ان کے لئے تو بخشش اور عزت کی روزی ہے۔" (۲۶: ۲۴)

دشمنِ اسلام ولیم میور (William Muir) نے اس آیت پر اس طرح رائے زنی کی ہے:

"سبحان اللہ! یہ ایک غیر معقول اور نار وا بہتان ہے۔ سیّدہ عائشہ کے کردار کے متعلق تبصرہ کرنا خالی از ضرورت ہے۔ نکاح سے پہلے اور نکاح کے بعد اُن کی زندگی کا ہر لمحہ ہمیں اُن کی پاکیزگیٔ کردار کو باور کرانے کے لئے کافی ہے۔" ("Life of Mahomet", pp. 303, 304)

## (ج)

ربّ ذوالجلال والاکرام نے تمام انبیاء علیہم السلام کو جو کچھ اُن کے مانگنے پر عطا فرمایا، وہ اپنے مظہرِ اتم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بن مانگے عطا فرما دیا۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) جدّ الانبیاء وخلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

Marfat.com

وَاجۡعَلۡ لِّیۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ O (اَلشّعراء : ۸۴)
''اور میرے لئے بعد میں آنے والوں میں (بھی) ذکرِ خیر اور قبولیت جاری فرما۔'' (۲۶:۸۴)
اور اپنے محبوب علیہ السلام کی شان بن مانگے یوں بڑھائی:
وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ O (الانشراح : ۴)
''اور ہم نے آپ کا ذکر (خیر) بلند کر دیا۔'' (۴ : ۹۴)

جنابِ خلیل اللہ نے درخواست کی تھی:
وَاجۡعَلۡنِیۡ مِنۡ وَّرَثَۃِ جَنَّۃِ النَّعِیۡمِ O (اَلشّعراء : ۸۵)
''اور مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنا دیجئے۔'' (۲۶:۸۵)
جبکہ تاجدارِ انبیاء ﷺ کو یہ مژدہِ جانفزا سنایا گیا:
اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ O (اَلکوثر : ۱)
''بے شک ہم نے آپ کو خیرِ کثیر عطا فرما کر اُس کا مالک بنا دیا۔'' (۱ : ۱۰۸)

جناب ابراہیم علیہ السلام عرض کناں ہوئے تھے:
وَلَا تُخۡزِنِیۡ یَوۡمَ یُبۡعَثُوۡنَ O (اَلشّعراء : ۸۷)
''اور مجھے (اُس دن) رسوا نہ کرنا جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔'' (۲۶:۸۷)
اور اپنے نبیِ محتشم کا بن مانگے یوں اعزاز و اکرام فرمایا:
یَوۡمَ لَا یُخۡزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ (اَلتّحریم : ۸)
''اُس دن اللہ (اَپنے) نبی اور اُن لوگوں کو رسوا نہیں کرے گا جو آپ کے ساتھ ایمان لائے۔'' (۶۶:۸)

سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ ☆ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے فریاد کی تھی:
وَاجۡنُبۡنِیۡ وَبَنِیَّ اَنۡ نَّعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَ O (ابراھیم : ۳۵)
''اور مجھے اور میرے بچوں کو بتوں کی پرستش سے بچائے رکھنا۔'' (۱۴ : ۳۵)
جبکہ محبوب علیہ السلام کے اہلِ بیتِ کرام پر الٰہی نظرِ کرم کی برکھا یوں برسی:
اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡھِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَھِّرَکُمۡ تَطۡھِیۡرًا O (الاحزاب:۳۳)

☆ مفسرین کرام نے فرمایا کہ اگرچہ حبیب اور خلیل دونوں کا معنیٰ ایک ہی (یعنی دوست) ہے لیکن اصطلاحاً خلیل وہ ہے جو اللہ کی رضا میں راضی رہے اور حبیب وہ ہے جس کی رضا میں اللہ راضی رہے۔ فرمایا: وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی ''الجامع لاحکام القرآن'' میں یہ حدیث منقول ہے کہ حضور علیہ السلام نے سورۃ الضحیٰ کی اس آیت کے نزول پر فرمایا کہ اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں گیا تو میں راضی نہیں ہوں گا۔ (تبیان القرآن جلد ۵ ص ۸۱۴)

Marfat.com

''پس اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے (رسول ﷺ کے) اہلِ بیت! تم سے ہر قسم کے گناہ کا میل دُور کر دے اور تمہیں (کامل) طہارت سے نواز کر بالکل پاک کر دے۔'' (۳۳ : ۳۳)

جنابِ موسیٰ کلیم اللہ نے فرعونِ مصر کے دربار میں جانے سے پہلے رب سے فریاد کی تھی:

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ O (طٰهٰ : ۲۵)

''اے میرے رب! میرے لئے میرا سینہ کشادہ فرما دے۔'' (۲۵ : ۲۰)

اور اپنے محبوب علیہ السلام کا سینہ بن مانگے کشادہ فرما دیا اور فرمایا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ O (الانشراح : ۱)

''کیا ہم نے آپ کے لئے آپ کا سینہ کشادہ نہیں فرما دیا؟'' (۱ : ۹۴)

کلیم اور حبیب کے درمیان فرق تو ذرا ملاحظہ ہو کہ جنابِ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو تورات شریف اُنہیں طور پر بلا کر عطا فرمائی جبکہ سلطانِ دوراں' پناہِ دین و ایماں ﷺ پر بغیر کسی وعدہِ سابق کے اور بن مانگے نزولِ قرآن شروع ہوا جس کی بابت فرمایا گیا:

وَمَا کُنْتَ تَرْجُوْا اَنْ یُّلْقٰی اِلَیْکَ الْکِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ (القصص : ۸۶)

یعنی پیارے رسول! جو کتاب آپ پر نازل ہو رہی ہے' یہ آپ کے ربِّ ذوالجلال کی رحمتِ خاصہ ہی کا تو حصہ ہے۔ آپ اس کے امیدوار تو نہ تھے۔

## (و)

ربِّ ذوالمنن والاکرام نے قرآن مجید میں ہر جگہ اپنے محبوب علیہ السلام کو اُن کے القاب سے خطاب فرمایا جبکہ باقی تمام انبیاء علیہم السلام کو اُن کے ناموں سے خطاب فرمایا۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) وَقُلْنَا یَا اٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّةَ (البقرة : ۳۵)

(۲) یَا نُوْحُ اِنَّه' لَیْسَ مِنْ اَهْلِکَ (هود : ۴۶)

(۳) یَا مُوْسٰی اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ (الاعراف : ۱۴۴)

(۴) یَا زَکَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ (مریم : ۷)

(۵) یَا یَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّةٍ (مریم : ۱۲)

(۶) یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ (ص : ۲۶)

(۷) یَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْکُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْکَ وَعَلٰی وَالِدَتِکَ (المائدة : ۱۱۰)

Marfat.com

مگر ہمارے آقا ﷺ کو ربِّ جلیل نے ہر جگہ اُن کے القاب سے خطاب فرمایا۔ جیسے :

(۱) یَآ اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ (المائدۃ : ۶۷)

(۲) یَآ اَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ O (الانفال : ۶۴)

(۳) یَآ اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ (المزمّل : ۱)

(۴) یَآ اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ (المدثر : ۱)

تو کہیں یٰسٓ اور کہیں طٰہٰ کے القابِ جلیلہ سے خطاب فرمایا۔ شاعرِ مشرق نے اسی لئے تو فرمایا:

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یاسیں وہی طٰہٰ

سابقہ اُمتیں بھی اپنے وقت کے انبیاء علیہم السلام کو اُن کے ناموں سے خطاب کرتی تھیں ۔ جیسے :

(۱) قَالُوْا یٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ" (الاعراف : ۱۳۸)

(۲) قَالُوْا یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ (ھود : ۵۳)

(۳) قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ (ھود : ۶۲)

(۴) قَالُوْا یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ (ھود : ۹۱)

(۵) قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ O (ھود : ۳۲)

(۶) قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰٓاِبْرٰهِیْمُ O (الانبیاء : ۶۲)

(۷) اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ (المائدۃ : ۱۱۲)

لیکن سالارِ رُسل ﷺ کی اُمت کو اُن کے اسمِ گرامی (محمد) کے ساتھ خطاب کرنے سے منع فرما دیا گیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا :

(۱) لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (النور : ۶۳)

"تم رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی مثل قرار نہ دو۔" (۲۴ : ۶۳)

(۲) یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ O (الحجرات : ۲)

"اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبیِ مکرم (ﷺ) کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور اُن کے ساتھ بلند آواز سے بات (بھی) نہ کیا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بلند آواز کے ساتھ کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے سارے اعمال ہی (ایمان سمیت) غارت ہو جائیں اور تمہیں (اُن کے برباد ہونے کا) شعور تک بھی نہ ہو۔" (۴۹ : ۲)

Marfat.com

کتنی پُر لطف بات ہے کہ سورہ آل عمران کی ایک آیت میں ابراہیم علیہ السلام کے نام کا تو ذکر کیا لیکن اُسی آیت میں نبی آخرالزماں کا نام لینے کی بجائے مدعا کو هٰذَا النَّبِیُّ کے الفاظ میں بیان کیا گیا:

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرَاهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (آلِ عمران : ٦٨)

''بیشک سب لوگوں سے بڑھ کر ابراہیم علیہ السلام) کے قریب (اور حقدار) تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے اُن (کے دین) کی پیروی کی ہے اور وہ (یہی) نبی (ﷺ) اور اُن پر ایمان لانے والے ہیں۔''

نبی اکرم ﷺ کے معجزات پر نصاریٰ کا اعتراض: عیسائیوں کا کہنا ہے کہ قرآن میں کئی انبیاء کے معجزات کا ذکر تو ہے لیکن کسی بھی قرآنی آیت سے یہ ثابت نہیں کہ محمد (ﷺ) نے کوئی معجزہ دکھایا ہو۔ اُن کا اِصرار ہے کہ کچھ قرآنی آیات سے معجزہ کا عدم اظہار ثابت ہوتا ہے اور کچھ قرآنی آیات میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ بیان ہے کہ مجھے معجزات دکھانے کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ وہ اپنے نقطہ نظر کی تائید میں ذیل کی آیات کا حوالہ دیتے ہیں:

(۱) وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝

''اور کفار کہتے ہیں کہ اُن پر (یعنی نبی اکرم ﷺ پر) اُن کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتاری گئیں۔ فرما دیجئے کہ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں تو محض صریح ڈرانے والا ہوں۔'' (۵۰ : ۲۹)

(۲) وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ (بنی اسرائیل : ۵۹)

''اور ہمیں (اب بھی اُن کے مطالبہ پر) نشانیاں بھیجنے سے (کسی چیز نے) منع نہیں کیا سوائے اس کے کہ اِن ہی (نشانیوں) کو پہلے لوگوں نے جھٹلا دیا تھا۔'' (۵۹ : ۱۷)

''اُن کے اِس اعتراض کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس قدر معجزے دکھائے کہ کسی نبی نے اپنی اُمت کو نہیں دکھائے۔ جن دو آیتوں سے معترض نے استدلال کیا ہے' اُن میں ایسی نشانیوں کے نہ ملنے کی وجہ مذکور ہے کہ قریش جو باوجود معجزاتِ کثیرہ دیکھنے کے اور نشانیاں طلب کرتے ہیں (مثلاً کوہِ صفا کا سونا ہو جانا' مکہ کے پہاڑوں کا دُور کیا جانا تاکہ زمین قابلِ زراعت ہو جائے اور نہروں کا جاری ہونا تاکہ باغات لگ جائیں)۔ ان نشانیوں کے دینے سے ہمیں اس امر نے روکا ہے کہ اس قسم کی نشانیاں ہم نے پہلی امتوں کو اُن کے طلب کرنے پر عطا کیں مگر وہ ایمان نہ لائے اور ہلاک ہوئے۔ ہماری عادت یوں ہی جاری ہے کہ ہم کسی قوم کے سوال پر ایسی آیات کو صرف عذاب سے ڈرانے کے لئے بطور پیش خیمہ بھیجا کرتے ہیں۔ اگر وہ قوم ان آیات پر ایمان نہ لائے تو پھر ہم ضرور اُن پر عذابِ استیصال نازل کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر کفار قریش کے سوال پر وہ نشانیاں ہمارے حبیب علیہ السلام کی دعا سے عطا کر دی جائیں تو یہ بھی اُنہی کی طرح جھٹلائیں گے اور عذابِ استیصال کے موجب ہوں گے۔ مگر ہم نے بہ مقتضائے حکمت اس اُمت کو عذابِ استیصال سے محفوظ رکھا ہے۔ لہٰذا ہم نے وہ نشانیاں اُنہیں عطا نہیں کیں۔ پھر فرمایا:

اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ (العنکبوت : ۵۱)

Marfat.com

"کیا اُن کے لئے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر (وہ) کتاب نازل فرمائی ہے جو اُن پر پڑھی جاتی ہے' بے شک اس (کتاب) میں اُن کے لئے رحمت اور نصیحت ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔" (۵۱ : ۲۹)

یعنی قرآنِ پاک ایسی نشانی ہے جو تمام نشانیوں سے بے نیاز کردینے والی ہے۔ وہ زندہ و جاوید معجزہ ہے جو ہر مکان و زمان میں اُن پر پڑھا جاتا ہے اور پڑھا جاتا رہے گا۔ اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی رحمت اور نصیحت ہے نہ کہ اُن کے لئے جو بغض و عناد رکھتے ہیں۔

اِس تقریر سے واضح ہو گیا کہ آیاتِ بالا سے معجزات کی نفی نہیں کی گئی بلکہ ان میں باوجود کثرتِ معجزات ان خاص نشانیوں کے نہ ملنے کی وجہ بیان ہوئی ہے جو کفار نے محض عناد سے طلب کیں۔ لہٰذا عیسائیوں کا یہ کہنا کہ قرآن میں کوئی ایسی آیت نظر نہیں آئی جس سے ثابت ہو کہ آنحضرت ﷺ نے معجزے دکھائے' صرف عناد اور مذاق و تمسخر پر مبنی ہے۔ یہ قولِ قرآن وہ اپنے منہ سے بڑا بول بولتے ہیں :

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ۝ (الکھف : ۵)

"یہ کتنا بڑا بول ہے جو اُن کے منہ سے نکل رہا ہے۔ وہ (سراسر) جھوٹ کے سوا کچھ کہتے ہی نہیں۔" (۱۸:۵)

نوٹ : معجزاتِ نبوی کے لئے ملاحظہ ہوں سابقہ صفحات ۴۱۶۴ تا ۴۱۷۴۔

<u>نبی اکرم ﷺ کے اپنی اُمت پر حقوق</u>: حسبِ ذیل ہیں :۔

(۱) <u>آپ پر ایمان کے ساتھ ساتھ آپ کی کامل اتباع</u> : نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت و نبوّت پر ایمان لانا بہرصورت لازم اور ناگزیر امر ہے۔ جو کچھ آپ اپنے خالق و مالک اللہ سے لائے ہیں اُس کی تصدیق و توثیق کرنا جزوِ ایمان ہے۔ کوئی شخص اُس وقت تک مسلمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک ختم المرسلین ﷺ پر اُس کا کامل ایمان نہ ہو یہاں تک کہ صرف اللہ پر ایمان لانا اور رسول پر ایمان نہ لانا اُسے مسلمان نہیں بنا سکتا۔ قرآن مجید فرماتا ہے :

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ۝ (الفتح : ۱۳)

"اور جو اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) پر ایمان نہ لائے تو (ایسے) کافروں کے لئے ہم نے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔" (۴۸ : ۱۳)

آپ کی کامل اتباع کے بارے میں باری تعالیٰ کا حکم ہے :

(۱) قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آل عمران: ۳۱)

"فرما دیجئے: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو' تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا

Marfat.com

اور تمہارے لئے تمہارے گناہ بخش دے گا۔'' (۳۱ : ۳)

(۲) فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء : ۶۵)

''پس (اے حبیب!) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حکم بنالیں پھر اُس فیصلہ سے جو آپ صادر فرما دیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں۔''☆

(۳) اَلنَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ (الاحزاب : ۶)

''یہ نبیِ مکرم مؤمنوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے زیادہ قریب اور حقدار ہیں۔'' (۶ : ۳۳)

(۴) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا (الاحزاب : ۲۱)

''فی الحقیقت تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ کی ذات میں) نہایت ہی حسین نمونہ (حیات) ہے ہر اُس شخص کے لئے جو اللہ (سے ملنے) کی اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہو اور اللہ کا ذکر بکثرت کرتا ہو۔'' (۳۳:۲۱)

(۵) مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا (الحشر : ۷)

''رسول تمہیں جو کچھ دے دیں، وہ لے لیا کرو اور جس سے وہ تمہیں روک دیں، رُک جایا کرو۔'' (۷ : ۵۹)

☆ بارگاہِ رسالت کی عدالت کی کوئی مثیل و نظیر نہیں ہے جن کے فیصلے کو رب تعالٰی نے جزوِ ایمان قرار دیا اور اُس پر تنگی محسوس کرنے کو خارج از ایمان ہونے کا فیصلہ سنایا گیا۔ ذرا غور تو کیجئے کہ اس دنیا کی عدالت سے کسی مجرم کے خلاف صادر شدہ فیصلہ پر مجرم خوشی کا اظہار تو نہیں کرتا بلکہ فیصلہ کرنے والے کے خلاف وہ سراپا کینہ اور بغض ہوتا ہے۔ اس بغض رکھنے پر دنیا کا کوئی ضابطۂ اخلاق یا عدالت اُسے سزا دینے کے مجاز نہیں۔ لیکن سورۃ النساء کی محولہ بالا آیت ۶۵ کو پڑھئے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُس اعلیٰ وارفع مقام کا اندازہ لگایئے جو اُن کے خالق و مالک نے اُنہیں عطا فرمایا ہے۔ دربارِ نبوی سے صادر شدہ فیصلہ کو مجرم کا بہ صدقِ دل بخوشی تسلیم کرلینا ہی صحیح ایمان کا تقاضا ہے۔ ورنہ وہ ''توہینِ عدالت'' کا مرتکب ہونے کے ساتھ ساتھ ایمان کی دولت سے بھی محروم رہے گا اور غضبِ الٰہی کا بھی مورد بنے گا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عدالتِ عالیہ کی بلاشرکتِ غیرے ''توہینِ عدالت'' کی اس خصوصیت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے یہ بات کہنا ضروری ہے کہ موجودہ رائج الوقت ''قانونِ توہینِ عدالت'' برطانوی قانون ہے اور اسلامی عدلیہ میں اس کا کوئی مقام نہیں۔ اس غیر اسلامی قانون نے تین برائیوں کو جنم دیا : (۱) عدل و انصاف مہنگا ہو گیا۔ (۲) ظلم و تشدد سستا ہو گیا اور (۳) قاضی اور مجسٹریٹ مغرور اور بد دماغ (Stiff-collard) ہو گئے۔ تکبر اور غرور کی مدہوشی میں رحم دلی اور خدمتِ خلق کے لئے اُن کے دروازے بند ہو گئے اور وہ اپنے آپ کو مافوق الفطرت ہستی سمجھنے لگے۔ طاقت و اختیار کے بل بوتے پر نفیس و جمیل ''آوازِ حق'' کا گلا دبا دیا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ برطانوی راج نے اس قانون کو نبی علیہ السلام کی بلاشرکتِ غیرے خصوصیت اور استحقاق کو کم کرنے کے لئے درج بالا آیت ۶۵ سے اخذ کیا ہو۔

Marfat.com

**(۱۱) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے پُر جوش اور سرگرم محبت** : نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے والہانہ اور پُر جوش محبت مؤمن کے ایمان کا جزِ لاینفک ہے۔ وگرنہ اس سلسلہ میں قرآن کی تنبیہ یہ ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ آبَآءُ كُمْ وَ اَبْنَآءُ كُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ O (اَلتَّوبة : ۲۴)

''فرما دیجئے: اگر تمہارے باپ (دادا) اور تمہارے بیٹے (بیٹیاں) اور تمہارے بھائی (بہنیں) اور تمہاری بیویاں اور تمہارے (دیگر) رشتہ دار اور تمہارے اموال جو تم نے کمائے اور تجارت و کاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو' تمہارے نزدیک اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) اور اُس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکمِ (عذاب) لے آئے اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں فرمایا کرتا۔'' (۹ : ۲۴)

آیت کا آخری حصّہ صاف بتا رہا ہے کہ جس شخص کو اللہ اور اُس کے رسول سے محبت نہیں ہے تو وہ حق و صداقت کا ساتھ نہیں دے رہا اور اس لئے اُس کا شمار فاسقین میں ہے۔

اور اس سلسلہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی فرمان ہے :

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ

''تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک (کامل) ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک میں اُس کے نزدیک اُس کے والدین' اُس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

اس محبت کی عملی مثالیں اسلام کی کتبِ تاریخ میں محفوظ ہیں۔ ملاحظہ ہوں :

(۱) جنگِ اُحد میں ایک صحابیہ کا والد' بھائی اور خاوند شہید ہو گئے۔ جب اُسے اس کا علم ہوا تو اُسے اپنے ان رشتہ داروں کی جدائی کا بالکل صدمہ نہیں ہوا بلکہ وہ بڑی بے صبری اور بے قراری سے پوچھتی پھرتی تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ کیسے ہیں؟ اُسے رسول اللہ ﷺ کی خیریت کی اطلاع دی گئی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہ خیر و عافیت دیکھتے ہی وہ فوراً بول پڑی: كُلُّ مُصِيْبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ (پیارے رسول! جب آپ صحیح سلامت اور بخیر و عافیت ہیں تو ہر مصیبت بے قدر و قیمت ہے)۔

(۲) حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کے وقتِ آخر میں اُن کی بیوی یہ کہتے ہوئے عزاداری کر رہی

Marfat.com

تھیں وَاحَسْرَتَا (ہائے افسوس!)۔ اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: وَا طَرَبَاہُ غَدًا نَلْقَی الْاَحِبَّۃَ مُحَمَّدًا وَّحِزْبَہٗ (واہ! کتنی عظیم خوشی ہے! کل ہم اپنی محبوب ہستیوں محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ سے ملیں گے)۔

سچی محبت کی علامات: اگر کوئی شخص نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کا دعویدار تو ہے لیکن وہ حسب ذیل علامات سے خالی ہے تو وہ اپنے دعوائے محبت میں سچا نہیں ہے:

(۱) کامل خلوص اور لگن کے ساتھ سنتِ رسول کی اتباع کرنا' آپ کے احکامات پر عمل پیرا ہونا اور آپ کی منع کردہ چیزوں سے رک جانا۔

(۲) آپ پر اکثر و بیشتر درود و سلام پڑھنے کی صورت میں آپ کا ذکرِ خیر کرنا اور آپ کی احادیثِ مبارکہ وغیرہ کا مطالعہ کرنا۔

(۳) حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کی طرح رسول اللہ ﷺ سے ملاقات اور آپ کی زیارت کا اشتیاق رکھنا۔

(۴) آپ ﷺ کی حد درجہ تعظیم اور اِکرام کرنا جس کی چند مثالیں آئندہ صفحات میں دی گئی ہیں۔

(۵) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن سے محبت فرمائی' اُنہیں اپنا محبوب رکھنا اور جن لوگوں نے آپ کے مرتبہ و مقام کو گھٹانے اور آپ کے کردار کو داغدار کرنے کی ناپاک کوشش کی' اُنہیں اپنا دشمن سمجھنا اور اُن کے خلاف بغض و کینہ رکھنا۔

کدو شریف آپ ﷺ کی پسندیدہ سبزی تھی۔ ایک شخص نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں کہا کہ مجھے کدو پسند نہیں۔ امام موصوف نے اپنی تلوار نیام سے باہر نکالتے ہوئے اُس سے فرمایا: اپنے ایمان کی تجدید کرو ورنہ میں تجھے ضرور بالضرور قتل کر ڈالوں گا۔

(۶) جن لوگوں کے دلوں میں نبی علیہ الصلوٰۃ کے خلاف بغض و کینہ ہے' اُنہیں اپنا دشمن سمجھنا' نبی علیہ السلام کی سنتِ مبارکہ سے دُور رہنے والوں سے دُور رہنا اور اللہ اور اُس کے رسول کے باغیوں سے نفرت کرنا۔
اس سلسلہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ملاحظہ ہو:

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ اَبْنَآءَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ
(الحشر: ۲۲)

''جو لوگ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں' آپ اُنہیں نہ پائیں گے کہ وہ ایسوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اُس کے رسول کے مخالف ہیں خواہ وہ لوگ اُن کے باپ یا اُن کے بیٹے یا اُن کے کنبے والے ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ (اللہ نے) اُن کے دلوں میں ایمان ثبت کر دیا ہے اور اُنہیں اپنے فیض

Marfat.com

سے قوت دی ہے۔'' (۲۲ : ۵۸)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنی جان، تن، من، دھن، اولاد اور عزت تک قربان دینے کا بے مثل نمونہ تھے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں :

(۱) حضرت عُبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنے مشرک باپ کو جنگِ بدر میں قتل کر دیا۔
(۲) سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ مخزومی کو جنگِ بدر میں قتل کیا۔
(۳) رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے لڑکے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آقائے نامدار ﷺ سے اپنے منافق باپ کو قتل کرنے کی اجازت چاہی لیکن آپ نے اس کی اجازت نہ دی۔
(۴) حضرت مُصعب بن عُمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے کافر بھائی کو جنگِ اُحد میں قتل کیا۔
(۵) جنگِ بدر میں حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عُبَیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم نے اپنے کافر رشتہ داروں عُتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عُتبہ کو قتل کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔
(۶) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے صاحبِ قرآن ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! جب میں آپ سے جدا ہو کر اپنے گھر میں جاتا ہوں تو آپ کی زیارت کے لئے وہاں بیتاب رہتا ہوں اور یہ فکر مجھے کھائے جاتی ہے کہ روزِ قیامت آپ تو جناتِ عدن کے اعلیٰ ترین مقامات میں ہوں گے جبکہ میں جنت کے کسی ادنیٰ طبقے میں اکیلا، تن تنہا ہوں گا تو میں کیسے آپ کی زیارت سے بہرہ ور ہو سکوں گا؟ اس پر اللہ عزّ وجلّ نے اپنے پیغمبر پر یہ خوشخبری دیتے ہوئے وحی نازل فرمائی کہ اپنے غلام ثوبان سے فرما دیجئے کہ ہم اُسے پیغمبر سے جدائی کا صدمہ نہیں دیں گے بلکہ اُسے پیغمبر کی ہمراہی سے سرفراز فرمائیں گے۔ آیت ملاحظہ ہو :

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ○ (اَلنِّسآء : ۶۹)

''اور جو کوئی اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے تو یہی لوگ (روزِ قیامت) اُن کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (خاص) انعام فرمایا ہے جو کہ انبیاء، صدّیقین، شہداء اور نیکوکار ہیں، اور یہ بہت اچھے ساتھی ہیں۔'' (۶۹ : ۴)

(۷) قرآن مجید کے لئے مثالی محبت کا ہونا جس کا سچا آئینہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس میں نظر آتا ہے۔ قرآن مجید سے محبت کی علامات اس کی اکثر و بیشتر اور مسلسل تلاوت کرنا، اُس کے معانی و مفاہیم پر غور و خوض کرنا اور اس میں دیئے گئے احکام کی تعمیل کرنا ہیں۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں:

''اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت کی علامت قرآن سے محبت کرنا ہے، قرآن سے محبت کی علامت صاحبِ قرآن ﷺ سے محبت ہے، صاحبِ قرآن ﷺ سے محبت کی علامت آپ کی سنتِ مبارکہ سے محبت ہے،

Marfat.com

آپ کی سنتِ مبارکہ سے محبت کی علامت اُخروی زندگی سے محبت ہے' اُخروی زندگی سے محبت کی علامت اس عارضی دنیا سے کراہت ہے اور اس دنیا سے محبت نہ کرنے کی علامت اس قدر (معمولی) مال و متاع ہے جو زندگی بسر کرنے کے لئے ناگزیر حد تک ضروری ہوتا ہے اور اتنا جتنا کہ ایک مسافر منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے اپنے ساتھ رکھتا ہے۔''

(۸) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے افراد پر مہربان اور رحمدل ہونا' اُن کی فلاح و بہبود اور بہتری کے لئے کام کرنا اور اُن کے لئے نرم و نازک احساسات رکھنا جیسا کہ نبی علیہ السلام کی عادتِ کریمانہ تھی۔

(۹) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حد درجہ تعظیم و توقیر کرنا جیسا کہ درجِ ذیل احادیث سے ثابت ہے:

(i) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَالْحَلَّاقُ يَحْلِقُه' وَاَطَافَ بِهٖ اَصْحَابُه' فَمَا يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَقَعَ شَعْرَةٌ" اِلَّا فِيْ يَدِ رَجُلٍ (صحیح مسلم: کتاب الفضائل ؛ مُسند احمد بن حنبل)

''حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک حجام کو رسول اللہ ﷺ کے بال کاٹتے دیکھا جبکہ آپ کے صحابہ کرام آپ کے اردگرد تھے۔ وہ اس بات کی کوشش میں تھے کہ کہیں رسول ﷺ کا کوئی بال نیچے نہ گرنے پائے بلکہ وہ اُن میں سے کسی کے ہاتھ لگ جائے۔''

(ii) عَنْ زَارِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ (وَكَانَ فِيْ وَفْدِ عَبْدِ الْقَيْسِ) قَالَ: لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ فَجَعَلْنَا نَتَبَادَرُ مِنْ رَوَاحِلِنَا فَنُقَبِّلَ يَدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَرِجْلَيْهِ (سنن ابی داؤد: کتاب الادب؛ البخاری فی الادب المفرد؛ المعجم الکبیر للطبرانی ؛ شعب الایمان للبیہقی؛ مجمع الزوائد للھیثمی ؛ الحسینی فی البیان والتعریف ؛ المقری فی تقبیل الید)

''حضرت زارع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (جو عبدالقیس کے وفد میں آئے تھے)' وہ فرماتے ہیں: جب ہم مدینہ پہنچے تو ہم اپنی سواریوں سے جلدی جلدی اترے اور جاکر نبی علیہ السلام کے ہاتھ اور پاؤں چومنے لگے۔''

(iii) عَنْ مُوْسٰى بْنِ عُقْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ رِوَايَةٍ طَوِيْلَةٍ اَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِلٰى قُرَيْشٍ۔۔۔ فَدَعَوْا عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لِيَطُوْفَ بِالْبَيْتِ فَاَبٰى اَنْ يَّطُوْفَ وَقَالَ: كُنْتُ لَا اَطُوْفُ بِهٖ حَتّٰى يَطُوْفَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَرَجَعَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ (السنن الکبریٰ للبیہقی ؛ معتصر المختصر لابی المحاسن)

''حضرت موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ سے ایک طول طویل روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو (بہ موقع صلح حدیبیہ) قریش کی طرف بھیجا۔ تو قریش نے جنابِ عثمان کو بیت اللہ شریف کے طواف کرنے کی دعوت دی لیکن آپ نے طواف کرنے سے انکار کر

Marfat.com

دیا اور فرمایا: جب تک نبی اکرم ﷺ اس کا طواف نہ کریں گے، میں طواف نہیں کروں گا۔ تو آپ نبی اکرم ﷺ کی طرف لوٹ آئے۔"

(iv) عَنْ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: وُلِدْتُ أَنَا وَرَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَامَ الْفِيْلِ وَسَأَلَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قُبَاثَ ابْنَ أَشْيَمَ أَخَا بَنِيْ يَعْمُرَ بْنِ لَيْثٍ: ءَأَنْتَ أَكْبَرُ أَمْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ؟ فَقَالَ: رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَكْبَرُ مِنِّيْ وَأَنَا أَقْدَمُ مِنْهُ فِي الْمِيْلَادِ (سنن ترمذی: کتابِ المناقب عن رسول اللہ ﷺ؛ المستدرک للحاکم؛ المعجم الکبیر للطبرانی؛ الاحاد والمثانی للشیبانی)

"قیس بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اور رسول اللہ ﷺ عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے قُباث بن اَشیم جو بنو یعمر بن لیث کے بھائی تھے، سے پوچھا کہ تم میں اور رسول اللہ ﷺ میں (بہ لحاظ عمر) بڑا کون ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے بڑے ہیں، میں تو (ویسے ہی) اُن سے پہلے پیدا ہو گیا تھا۔"

(v) عَنْ مُغِيْرَةَ بْنِ أَبِيْ رَزِيْنٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قِيْلَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَيُّمَا أَكْبَرُ أَنْتَ أَمْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ؟ فَقَالَ: هُوَ أَكْبَرُ مِنِّيْ وَأَنَا وُلِدْتُ قَبْلَهُ.
(المستدرک للحاکم؛ مصنف ابن ابی شیبہ؛ الاحاد والمثانی للشیبانی؛ مجمع الزوائد للهیثمی)

"مغیرہ بن ابی رزین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عباس بن عبد المطلب سے کہا گیا کہ آپ اور رسول اللہ ﷺ میں (بہ لحاظ عمر) بڑا کون ہے؟ تو اُنہوں نے جواب دیا: رسول تو مجھ سے بڑے ہیں اگرچہ میں اُن سے پہلے پیدا ہوا تھا۔"

(vi) عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَمَرْوَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَا: إِنَّ عُرْوَةَ جَعَلَ يَرْمُقُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ بِعَيْنَيْهِ قَالَ: فَوَاللهِ مَا تَنَخَّمَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِيْ كَفِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ، وَإِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوْا أَمْرَهُ، وَإِذَا تَوَضَّأَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلٰى وَضُوْئِهِ، وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ، وَمَا يُحِدُّوْنَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيْمًا لَهُ، فَرَجَعَ عُرْوَةُ إِلٰى أَصْحَابِهِ فَقَالَ: أَيْ قَوْمِ! وَاللهِ لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَى الْمُلُوْكِ وَفَدْتُ عَلٰى قَيْصَرَ وَكِسْرٰى وَالنَّجَاشِيِّ وَاللهِ إِنْ رَأَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُهُ أَصْحَابُهُ مَا يُعَظِّمُ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ مُحَمَّدًا وَاللهِ إِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِيْ كَفِّ رَجُلٍ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ، وَإِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوْا أَمْرَهُ، وَإِذَا تَوَضَّأَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلٰى وَضُوْئِهِ، وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ، وَمَا يُحِدُّوْنَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيْمًا لَهُ. (صحیح البخاری: کتاب الشروط؛ مسند احمد بن حنبل؛ صحیح ابن حبان؛ المعجم الکبیر للطبرانی؛ السنن الکبریٰ للبیهقی)

Marfat.com

''مسور بن مخرمہ اور مروان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں: عروہ (جب وہ کفارِ مکہ کی جانب سے حدیبیہ کے موقع پر نبی ﷺ کے پاس نمائندہ بن کر آیا تھا) صحابہ کرام میں اپنے رسول کی تعظیم و اکرام کو بہ غور دیکھتا رہا کہ جب آپ ﷺ اپنا لعابِ دہن باہر پھینکتے ہیں تو کوئی صحابی اُسے اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے چہرے اور جسم سے مَل لیتا۔ جب پیغمبر ﷺ اُنہیں کسی چیز کا حکم دیتے تو اُس کی تعمیل فی الفور کرتے۔ جب آپ وضو کرتے تو لوگ آپ کے مستعمل پانی کو لینے کے لئے ٹوٹ پڑتے۔ جب آپ کلام فرماتے تو آپ کے صحابہ اپنی آوازوں کو دھیما کر لیتے اور آپ کے اعلیٰ وارفع مقام کے باعث آپ سے آنکھ ملا کر بات نہ کرتے۔ پھر عروہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹا اور کہا: لوگو! میں قیصرو کسریٰ اور نجاشی جیسے شہنشاہوں کے درباروں میں بطور وفد گیا ہوں لیکن بخدا! میں نے کسی ایسے بادشاہ کو نہیں دیکھا جس کے درباری اُس کی یوں تعظیم کرتے ہوں جس طرح محمد (ﷺ) کے اصحاب اُن کی تعظیم کرتے ہیں۔ بخدا! جب وہ لعاب دہن باہر پھینکتے ہیں تو آپ کا کوئی صحابی اُسے اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے چہرے اور جسم پر مَل لیتا ہے۔ جب محمد (ﷺ) اُنہیں کسی چیز کا حکم دیتے ہیں تو اُس کی تعمیل فی الفور کرتے ہیں۔ جب آپ وضو کرتے ہیں تو لوگ آپ کے مستعمل پانی کو لینے کے لئے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ جب آپ کلام فرماتے ہیں تو آپ کے صحابہ اپنی آوازوں کو دھیما کر لیتے ہیں اور آپ کے اعلیٰ درجے کی تعظیم کی خاطر آپ سے آنکھ ملا کر بات نہیں کرتے۔''

(vii) عَنِ ابْنِ شِمَاسَةَ الْمَهْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: حَضَرْنَا عَمْرَوبْنَ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ فِيْ سِيَاقَةِ الْمَوْتِ فَبَكٰى طَوِيْلاً وَقَالَ: وَمَا كَانَ اَحَدٌ" اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا اَجَلَّ فِيْ عَيْنَيَّ مِنْهُ اِجْلَالاً لَهُ، وَلَوْ سُئِلْتُ اَنْ اَصِفَهُ، مَا اَطَقْتُ لِاَنِّيْ لَمْ اَكُنْ عَيْنَيَّ مِنْهُ (صحیح مسلم: کتاب الایمان؛ مسند ابوعوانہ؛ الطبقات الکبریٰ لابن سعد؛ فیض القدیر للمناوی؛ البیان والتعریف للحسینی)

''حضرت ابن شماسہ المہری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم عمرو بن العاص کے پاس اُن کی بیمار پرسی کے لئے گئے جبکہ وہ مرض الموت میں تھے۔ عمرو کافی دیر تک روتے رہے' پھر فرمایا: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ محبوب مجھے کوئی نہ تھا اور میرے نزدیک اُن سے بڑھ کر کوئی زیادہ قابلِ تعظیم نہ تھا اور آپ کی عظمت و جلال کے پیشِ نظر میں اُنہیں نظر بھر کر نہیں دیکھ سکا۔ اگر مجھے نبی علیہ السلام کی شکل و صورت بیان کرنے کو کہا جائے تو میں ایسا نہیں کر سکوں گا کیونکہ میں نے کبھی اُنہیں نظر بھر کر نہیں دیکھا۔''

(viii) امام مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی تمام زندگی مدینہ منورہ میں گزاری۔ اس دوران از راہِ تعظیم اُنہوں نے کبھی بھی مدینہ منورہ کی حدود میں ٹٹی پیشاب نہیں کیا اور اس ڈر سے کہ کہیں اُن کا جسم نبی علیہ السلام کے جسمِ اطہر سے اوپر نہ ہو جائے' وہاں کبھی کوئی سواری نہیں کی۔

Marfat.com

(ix) حضرت احمد بن فضلوٗیہ عظیم غازی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر تیر انداز بھی تھے۔ جب اُنہیں معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنے دستِ مبارک میں کمان لی تھی تو اُس وقت سے احمد نے کبھی وضو بغیر اپنے ہاتھ میں کمان نہیں لی۔

(x) مدینہ منوّرہ کو ہجرت فرمانے پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوایّوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے نچلے حصّے میں قیام پذیر رہے جبکہ ابوایّوب اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ مکان کے بالائی حصّے میں قیام پذیر تھے۔ ایک رات ابوایّوب نیند سے جاگ کر کہنے لگے کہ ہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسمِ اطہر کے اوپر چلتے پھرتے ہیں تو وہ رات اُنہوں نے گھر کے کونے میں گزار دی۔ اگلی صبح اُنہوں نے نبیِ اکرم ﷺ کو صورتِ حال سے آگاہ کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ میری سہولت اِسی نچلے حصّے میں ہے۔ ابوایّوب نے عرض کی کہ مجھ میں یہ تاب نہیں کہ میں اُس چھت پر رہوں جس کے نیچے اللہ کا رسول قیام پذیر ہو۔ اس لئے نبی علیہ السلام اوپر چلے گئے اور ابوایّوب نیچے منتقل ہو گئے۔ ابوایّوب پیغمبر علیہ السلام کو کھانا وہیں سے اوپر بھجواتے تھے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بچایا ہوا جو بھی کھانا ابوایّوب کی طرف لوٹایا جاتا تو وہ خادم سے پوچھتے کہ کھانے کے کس حصّے پر نبی علیہ السلام کی انگلیاں مَس ہوئی ہیں؟ اور پھر وہ اُسی حصّہ سے کھانا کھانے لگتے جہاں نبی علیہ السلام کی انگلیاں لگی ہوتی تھیں۔ ایک دن کھانا تیار ہوا تو اس میں پیاز ڈالا گیا تھا۔ جب نبی علیہ السلام کا بقایا بچا ہوا کھانا واپس کیا گیا تو ابوایّوب نے خادم سے پوچھا کہ کھانے کے کس حصّے پر نبی علیہ السلام کی انگلیوں نے مَس کیا ہے؟ خادم نے جواب دیا کہ آج اللہ کے رسول ﷺ نے کھانا تناول نہیں فرمایا۔ اس پر ابوایّوب پریشان اور خوفزدہ ہو گئے۔ آپ اوپر گئے اور نبی علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا پیاز کا استعمال از روئے شریعت حرام ہے؟ نبی علیہ السلام نے جواب دیا: نہیں وہ حرام نہیں لیکن وہ مجھے پسند نہیں ہے۔ اس پر ابوایّوب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے پیارے رسول! میں بھی اُس چیز کو پسند نہیں کرتا جو آپ کو پسند نہیں۔''

(xi) جس وقت سے جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے نبیِ اکرم ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور اپنا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں دیا' اُس وقت سے اُنہوں نے اپنا دایاں ہاتھ ٹٹی پیشاب کی جگہ پر نہیں لگایا۔

(xii) حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درِ دولت کو اپنے ناخنوں سے کھٹکھٹایا کرتے تھے۔

(xiii) حضرت حُذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کھانا تناول کرنا شروع نہ کرتے اور اپنا ہاتھ کھانے میں نہ ڈالتے' اُس وقت تک ہم بھی کھانا شروع نہ کرتے۔'' (''سیرتِ رسولِ عربی ﷺ'' از علامہ نور بخش توکلی)

Marfat.com

(xiv) رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و توقیر میں یہ امر بھی ہے کہ آپ کی آلِ اطہار و اولادِ پاک اور ازواجِ مطہرات کی تعظیم و توقیر اور اُن کے حقوق کی رعایت کی جائے۔ اسی طرح آپ کے صحابہ کرام کی تعظیم و توقیر کرنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و تکریم ہے۔ صحابہ کرام کے درمیان جو اختلاف و مشاجرات وقوع میں آئے، اُن کی تاویل نیک کرنی چاہئے۔ وہ مجتہد تھے اور جو کچھ اُنہوں نے کیا، از روئے اجتہاد و خلوص کیا۔ وہ کسی طرح موردِ طعن نہیں ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

احادیثِ نبویہ کی حد درجہ تعظیم و توقیر: کوئی حدیثِ نبوی پڑھنے یا اُس کے سننے سے پہلے غسل کر لینا مستحب ہے اور اُس وقت اپنی آواز کو دھیما کر لینا بھی آدابِ نبوی میں شامل ہے۔ حدیثِ پاک کو کسی اونچی جگہ پر بیٹھ کر پڑھنا اور سنانا بہتر ہے۔ کسی حدیثِ پاک کی تعلیم دیتے وقت یا اُسے بیان کرتے وقت کسی کی تعظیم میں اٹھ کھڑے ہونا مکروہ (ناپسندیدہ) عمل ہے۔ اسلامی تاریخ سے مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) کسی حدیث کو بیان کرنے سے پہلے امام مالک رضی اللہ عنہ غسل فرماتے، خوشبو لگاتے اور اپنا لباس تبدیل فرماتے تھے۔ بیانِ حدیث کی خاطر آپ کے لئے تخت بچھایا جاتا۔ بیان کے دوران خوشبو کی خاطر عُود سلگائی جاتی اور یہ سب کچھ حدیثِ نبوی کی تعظیم و توقیر کی خاطر کیا جاتا تھا۔

(۲) عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب میں امام مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ عقیق کو جا رہا تھا تو میں نے آپ سے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مجھے ڈانٹا اور فرمایا: مجھے تم سے یہ امید نہ تھی کہ تم راہ چلتے ہوئے حدیثِ نبوی کی بات کرو گے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ ہم سے حدیثیں بیان کر رہے تھے۔ اثنائے قراءت میں آپ کو ایک بچھو نے سولہ مرتبہ ڈنک مارا جس سے آپ کا رنگ زرد ہو رہا تھا مگر آپ نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو قطع نہیں کیا۔ جب آپ روایتِ حدیث سے فارغ ہوئے اور سامعین چلے گئے تو میں نے عرض کیا کہ میں نے آج آپ سے ایک عجیب بات دیکھی ہے۔ فرمایا: ہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کی عظمت و احترام کے لئے صبر کیا۔ (مواھب اللدُنیہ؛ شفاء شریف بحوالہ ''سیرتِ رسولِ عربی ﷺ'' از علامہ نور بخش توکلی، صفحہ ۵۱۴)

(۴) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی نسبت مروی ہے کہ جب وہ حدیث سنتے تو اُن کو گریہ و اضطراب لاحق ہو جاتا۔ (''سیرتِ رسولِ عربی ﷺ'' از علامہ نور بخش توکلی، صفحہ ۵۱۴)

آں حضرت ﷺ کے آثار شریفہ کی تعظیم: (۱) حضرت ابن سیرین تابعی نے حضرت عُبیدہ سے کہا کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کے کچھ بال مبارک ہیں جو ہمیں حضرت اَنس یا اہلِ اَنس سے ملے ہیں۔ یہ سن کر

Marfat.com

حضرت عبیدہ نے کہا کہ میرے پاس ان بالوں میں سے ایک بال کا ہونا میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہے۔
حضرت اَنس فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے سر مبارک کے بال منڈواتے تو حضرت ابوطلحہ سب سے پہلے آپ کے موئے مبارک لیتے۔ (صحیح بخاری: کتاب الوضوء باب: الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان)

(۲) حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ مزدلفہ سے منیٰ میں آئے اور جمرہ عقبہ میں کنکریاں پھینک کر اپنے مکان پر تشریف لائے۔ پھر آپ نے حجام کو بلایا اور سر مبارک کے دائیں جانب کے بال منڈوائے اور ابوطلحہ انصاری کو بلا کر عطا فرمائے۔ پھر آپ نے بائیں طرف کے بال منڈوا کر ابوطلحہ انصاری کو بلا کر عنایت کئے اور اُن سے فرمایا کہ یہ تمام بال لوگوں میں تقسیم کر دو۔ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین: کتاب المناسک: باب الحلق بحوالہ ''سیرتِ رسولِ عربی ﷺ'' صفحہ ۵۱۵)

(۳) حضرت خالد بن ولید قرشی مخزومی رضی اللہ عنہ کی ٹوپی جنگِ یرموک میں گم ہوگئی۔ اُنہوں نے اس کے لئے مڑ کر سخت حملہ کیا جس میں بہت سے مسلمان کام آئے۔ صحابہ کرام نے اُن پر اعتراض کیا تو اُنہوں نے جواب دیا کہ میں نے یہ حملہ ٹوپی کے لئے نہیں کیا بلکہ موئے مبارک کے لئے کیا تھا جو اس ٹوپی میں تھے کہ کہیں اُن کی برکت میرے پاس سے نکل کر کافروں کے ہاتھ میں نہ چلی جائے۔ (شفاء شریف از قاضی عیاض؛ الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ترجمہ: خالد بن ولید بحوالہ ''سیرتِ رسول عربی ﷺ'' صفحہ ۵۱۶)۔

(۴) اُمّ المؤمنین سیّدہ اُمِّ سلمہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کے کچھ سرخ رنگ کے بال تھے جو ایک ڈبیہ (بہ شکل جلجل) میں رکھے ہوئے تھے۔ لوگ ان بالوں سے نظرِ بد اور دیگر بیماریوں کا علاج کیا کرتے تھے۔ کبھی تو اُنہیں پانی کے پیالہ میں رکھتے، پھر پانی کو پی لیتے اور کبھی جلجل کو پانی کے مٹکے میں رکھ دیتے، پھر اُس پانی میں بیٹھ جاتے۔ یہ ماحصل حدیثِ بخاری ہے (صحیح بخاری: کتاب اللباس، باب: مایذکر فی الشیب)

(۵) حضرت ثابت بنانی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے خادم حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے بالوں میں سے ایک بال ہے۔ جب میں وفات پا جاؤں تو اُسے میری زبان کے نیچے رکھ دینا۔ چنانچہ میں نے حسبِ وصیت اُن کی زبان کے نیچے رکھ دیا اور وہ اسی حالت میں دفن کئے گئے۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ترجمہ: انس بن مالک)

(۶) آنحضور ﷺ اُمِّ سلیم (والدہ انسؓ) کے گھر اُن کے بستر پر قیلولہ فرماتے جب وہ گھر پر نہ ہوتیں۔ ایک دن حسبِ معمول آپ اُن کے بستر پر آرام فرما تھے۔ ام سلیم نے آکر دیکھا کہ حضور کا پسینہ بستر پر پڑا ہوا ہے تو انہوں نے ایک شیشی میں پسینہ مبارک کو اس میں نچوڑنے لگیں۔ حضور کی آنکھ کھلی تو پوچھا: کیا کر رہی ہو؟ عرض کیا کہ ہم اپنے بچوں کے لئے آپ کے پسینے کی برکت کے امیدوار ہیں۔ فرمایا: تم نے سچ کہا (صحیح مسلم: باب طیب عرقہ ﷺ والتبرک بہ)

Marfat.com

## محمد ﷺ کی پیشین گوئیاں بدھ مت، پارسی، ہندو اور عیسائی صحیفوں میں

سورہ آلِ عمران کی آیت ۸۱ (اور غالباً سورۃ الفتح کی آیت ۲۹) کی رُو سے تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنے اپنے زمانہ حیات میں آخرالانبیاء ﷺ کی آمد کی خوشخبری لوگوں کو سنادی تھی جو اپنے سابقہ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کی تصدیق و توثیق فرمائیں گے کیونکہ اُن تمام کا منبع خدائے واحد ہے اور اُن تمام کا پیغام ایک ہی ہے یعنی توحید۔

## محمد ﷺ بدھ مت کے صحیفوں میں

انندا نے مبارک ہستی (گوتم بدھ) سے کہا: آپ کے جانے کے بعد ہمیں کون تعلیم دے گا؟
اور مبارک ہستی (گوتم بدھ) نے جواب دیا:
''میں زمین پر آنے والا پہلا بدھ نہیں ہوں اور نہ ہی میں آخری ہوں۔ اسی اثناء میں ایک اور بدھ دنیا میں نمودار ہوگا جو مقدس و سعادتمند ہوگا، رشد و ہدایت سے سرشار ہوگا، دانشمندی اُس کے اطوار سے ظاہر ہوگی، کائناتی علم اُس کے پاس ہوگا، لوگوں کا بے مثال و بے نظیر قائد ہوگا، فرشتوں اور فانی چیزوں کا قائد ہوگا۔ وہ تمہارے لئے اُن ابدی صداقتوں کی نقاب کشائی کرے گا جن کی میں نے تمہیں تعلیم دی ہے۔ وہ اپنے دین کی تبلیغ کرے گا جو اپنی ابتداء میں، اپنے نقطہِ کمال میں اور اپنے مقصد میں عالی مرتبت ہے۔ وہ مذہبی زندگی کی دعوت دے گا جو تمام تر مکمل اور پاکیزہ ہے جیسا کہ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں۔ اُس کے تلامذہ (صحابہ) کئی ہزاروں کی تعداد میں ہوں گے جبکہ میرے تلامذہ کئی سو ہیں۔''

انندا نے کہا: ہم اُسے کیسے معلوم کر پائیں گے؟
گوتم بدھ نے کہا: وہ ''میتریا (رحمت)'' کے نام سے جانا جائے گا۔'' ("The Gospel of Buddha"... Carus, pp. 217, 218)

''میتریا'' کے مترادف (ہم معنی) الفاظ: اُس ہستی کے نام جس کی آمد کے متعلق گوتم بدھ نے پیش گوئی کی تھی، مختلف زبانوں میں مختلف ہیں۔ پالی زبان میں آپ کا نام ''میتیا'' ہے، سنسکرت زبان میں ''میتریا'' برمی زبان میں ''ارمیدیا'' چینی زبان میں ''میتالیا'' یا ''ملی پوسا'' یا ''مل فو'' یا ''زوشین'' تبتی زبان میں ''دیامزپا'' یا ''میہترجا'' اور جاپانی زبان میں ''مِراکو'' ہے۔

انگریزی زبان میں ''میتریا'' کے مساوی الفاظ حسب ذیل ہیں:
(۱) محبت کا معلم ("Chips from a German Workshop".. Max Muller, Vol.1, p.452)

Marfat.com

(۲) آقائے محبت("The Life & Teachings of Buddha".. A. Dharampal, p. 83)

(۳) وہ ہستی جس کا نام رحمدل ہے ("The Gospel of Buddha" .. Carus, p. 218)

(۴) کائناتی محبت یا سراپا رحمت("Essence of Buddhism".. L. Narasu, pp. 101, 105)

(۵) محبت کرنے والا اور رحمدل("Buddhism"... Monier Williams, p. 181)

(۶) رحمدل("The Way of Buddha"... Herbert Baynes, p. 15)

(۷) سراپا رحمت("Chinese Buddhism"... Joseph Edkins, p.240)

(۸) دوست کی خصوصیت کا حامل' دوست دار' رحمدل' مہربان' محبت بھرا' دوستانہ روابط رکھنے والا' ہمدرد اور دوسروں میں عملی دلچسپی لینے والا(Pali Dictionary... William Steade)

(۹) مشفق یا خاندان رحمت سے متعلق("Gods of Northern Buddhism"... Getty, pp. 20, 68)

''میتریا'' کے مساوی معنیٰ عربی میں رحمت' شفقت' مہربانی' دوستداری' رحمدلی کے ہیں۔

بجر (Badger) کی انگلش عربی لغت میں اس کے معنیٰ اچھائی اور حفاظتی نگہداشت کے ہیں۔

<u>محمد ﷺ سراپا ''میتریا'' (رحمت) ہیں</u> : حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور شنکراچاریہ دونوں کے پیروکاروں نے اپنے معلمین کو بدھ میتریا کہا ہے۔لیکن معلمین خود اپنی حیات میں اس نقطے پر خاموش رہے اور کچھ نہیں بولے جبکہ ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بات کا علی الاعلان دعویٰ کیا کہ اُنہیں ''میتریا'' یعنی رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے (بحوالہ سورۃ الانبیاء : آیت ۱۰۷ ؛ سورۃ التوبۃ : آیت ۶۱)

''میدانِ اُحد میں محمد (ﷺ) کی زندگی ختم ہونے کو تھی کہ پتھروں کی بوچھاڑ نے آپ کو گھائل کر دیا تھا اور تیروں کے زخم کھا کھا کر آپ بے حال ہو گئے تھے (سیل کا ترجمہ قرآن : ذیلی نوٹ صفحہ ۶۰)۔اس قابلِ رحم اور سخت زخمی ہونے کی حالت میں آپ کے کچھ ساتھیوں نے آپ سے کافر دشمنوں کے حق میں بددعا کرنے کو کہا تو آپ نے اُن کے مطالبے کو مسترد کرتے ہوئے کافر دشمنوں کے لئے دعا کی اور فرمایا: میں بددعا کرنے کے لئے نہیں بلکہ خدائے واحد کی طرف دعوت دینے والا اور میتریا (رحمت) بنا کر بھیجا گیا ہوں۔اے اللہ! میری قوم کو ہدایت عطا فرما (اور اُنہیں معاف فرما دے) کہ وہ میری حقیقت کو نہیں جانتے۔'' ("Muhammad in Parsi, Hindoo and Buddhist Scriptures".. A. H. Vidyarathi and U. Ali, p. 137)

''محمد (ﷺ) ہر وقت شفیق مزاج کے تھے اور آپ کی زندگی محبت کے برملا اظہار سے مرکّب تھی۔''

Marfat.com

’’زبان دل کی حالت کی صحیح ترین ترجمان ہوتی ہے۔۔۔انسان کے اندر کا چشمہ منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میں چھلک جاتا ہے۔‘‘ (Commentary on the New Testament .. W.W. How)

’’یہ بات تعجب انگیز ہے کہ ایک تشدد پسند اور جنگجویانہ قوم میں پیدا ہونے کے باوجود محمد (ﷺ) کے نزدیک رحمدلی کی کتنی اہمیت تھی۔ آپ اللہ کا شکر ادا کرتے تھے جس نے لوگوں کے دلوں میں رحمدلی ڈالی ہے۔۔تمام صفاتِ حسنہ میں سے آپ شفقت ورحمت کو بالخصوص عطیہ الٰہی سمجھتے تھے اور قرآن کی ہر سورۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہوتی ہے۔‘‘ ("The Story of Mohammad"..Edith Holland)

## محمد ﷺ پارسی صحیفوں میں

زرتشتی مذہب جسے عام طور پر پارسی مذہب کہا جاتا ہے‘ فارس (ایران) کا قبل از اسلام کا مذہب تھا۔ اس مذہب کو آتش پرستوں کا مذہب اور Magianism بھی کہا جاتا ہے۔ پارسیوں کے مذہبی صحیفے دو زبانوں میں پائے جاتے ہیں: زندی اور پہلوی۔ قدیم ایرانی صحیفوں میں دو قسمیں اہمیت کی حامل ہیں: اُن میں سے ایک ’’دساتیر‘‘ کے نام سے اور دوسری ’’ویستا‘‘ یا ’’زنداویستا‘‘ کے نام سے ہے۔

درجِ ذیل پیشین گوئی بہت پُر اثر اور توجہ طلب ہے اور ہر سنجیدہ ومتین قاری کے لئے فکر انگیز ہے۔ پیغمبر زرتشت نے کہا:

’’شاید تم اس مکان میں جل جاؤ! شاید تم اس مکان میں ہمیشہ جلتے رہو! شاید تم اس مکان میں جھلتے رہو! شاید تم اِس مکان میں پھلتے پھولتے رہو! ایک طول طویل عرصے تک یہاں تک کہ دنیا کی طاقتور بحالی ہو جائے۔‘‘ (Atash Nyaish : 9)

یہ پیشین گوئی بالکل واضح ہے اور اس پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ پہلے ہی بتا دیا گیا تھا کہ جب دنیا کی بحالی وقوع پذیر ہوگی تو (آتش پرستوں کی عبادت گاہوں میں) آگ جلنا بند ہو جائے گی۔ زرتشت پیغمبر نے اپنے پیروکاروں سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ اللہ کے گھر میں آگ کو الٰہی روشنی کے اظہار کی علامت کے طور پر اُس رسولِ موعود کی آمد تک جلائے رکھیں گے جنہوں نے دنیا کی مکمل بحالی کرنی ہے اور دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ جب نبی موعود دنیا میں تشریف لائے تو عبادت گاہوں میں آگ بجھ گئی۔

’’وہ آگ جو زرتشتیوں نے جلائی تھی‘ دراصل عبادتِ الٰہی کی ایک علامت تھی۔ آگ جلانے میں مقصد یہ عہد تھا کہ وہ ہمیشہ الٰہی روشنی کی پیروی کریں گے اور اپنے مذہبی قوانین کے پابند رہیں گے۔‘‘

Marfat.com

''جس طرح زرتشت نے فارس میں روحانی آگ جلائی' بالکل اُسی طرح رسول خدا محمد (ﷺ) نے اُس آگ کے بجھنے پر آگ کو ملکِ عرب میں روشن کیا۔ قرآن مجید کی آیت کی رُو سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میری مثال اُس شخص (زرتشت) کی سی ہے جس نے آگ جلائی (صحیح بخاری)۔ دراصل اِن الفاظ میں زرتشت کی پیشین گوئی کا حوالہ ہے۔'' ("Muhammad in Parsi, Hindoo and Buddhist Scriptures".. A. H. Vidyarathi and U. Ali, p. 17)

اس پیشین گوئی کا خلاصہ یہ ہے کہ جب زرتشتی لوگ اپنے مذہب کو چھوڑ دیں گے اور آوارہ منش ہو جائیں گے تو ملکِ عرب میں ایک آدمی اٹھے گا جس کے پیروکار فارس کو فتح کر کے سرکش اور مغرور ایرانیوں کو غلام بنالیں گے۔ اپنی عبادت گاہوں میں آگ کی پرستش کرنے کی بجائے وہ نماز میں اپنے رخ ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے کعبہ کی طرف کریں گے جسے تمام بتوں سے پاک وصاف کر دیا جائے گا۔ پیغمبر کے یہ ساتھی دنیا کے لئے رحمت ثابت ہوں گے۔ وہ فارس' مدائن' طوس' بلخ' زرتشتیوں کے مقدس مقامات اور قرب وجوار کے علاقوں کے مالک بن جائیں گے۔ اُن کا پیغمبر فصیح اللسان اور بلیغ البیان ہوگا جو معجزانہ باتیں بتائے گا۔'' (ایضاً' صفحات ۲۲' ۲۳)

## نبی اکرم ﷺ ہندو صحیفوں میں

ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری سے متعلق پیشین گوئیاں ملتی ہیں۔ یہ کتابیں تین طرح کی ہیں: وید' اُپنشد اور پُران۔ اُن کی مقدس کتاب ''برہمن گرنتھ'' ویدوں پر تبصرہ ہے' اس کے باوجود اُسے منزّل کتب میں شمار کیا جاتا ہے۔ رِگ وید' یجر وید اور سام وید کو قدیم ترین کتب مانا جاتا ہے۔ اُن میں رگ وید اپنے قدیم ہونے میں پہلے نمبر پر ہے جسے تین لمبے اور مختلف زمانوں میں مدوّن کیا گیا۔ ("Rigvedic India"... Abinash Chandra Datta)۔ اُن کے مقامِ نزول اور وقتِ نزول سے قطع نظر وید ہندوؤں کی انتہائی مستند کتب ہیں اور ہندو دھرم کی حقیقی بنیاد ہیں۔

ویدوں کے بعد اپنی فوقیت اور مستند ہونے کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر اُپنشد ہیں۔ تاہم کچھ پنڈت اُپنشدوں کو ویدوں پر فوقیت دیتے ہیں (Lectures of Raja Mohan Roy)۔ ہندوؤں کو ان فلسفیانہ نسخوں پر بڑا فخر ہے۔

اُپنشدوں کے بعد دیگر مستند کتابیں جن کا وسیع طور پر مطالعہ کیا جاتا ہے' پُران ہیں جو بہ آسانی قابلِ فہم ہیں اور ہر جگہ دستیاب ہیں جبکہ ویدوں کا سمجھنا مشکل ہے اور وہ شاذ و نادر ہی پائے جاتے ہیں۔ جمہور ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ وید پُرانوں کی صداقت کی توثیق کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پُران زیادہ مستند اور زیادہ قدیم ہیں۔ ایک لحاظ سے پُرانوں کے تقدس اور تعظیم کو ہندوؤں کی تمام مستند کتب میں تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن اِن تمام حقائق کے باوجود آج کچھ پنڈتوں نے اِن مجموعوں کو محض اس وجہ سے مسترد کر دیا ہے کہ وہ اُن میں محمد (ﷺ) کی صداقت کی واضح نشانیاں اور آپ سے متعلق متعدد پیشین گوئیاں پاتے ہیں۔ ("Mohammad

Marfat.com

in Parsi, Hindoo and Buddhist Scriptures".. A. H. Vidyarathi & U. Ali, p. 33)
بعض اوقات اس بات کی وکالت کی جاتی ہے کہ موجودہ پُران اصل مجموعہ نہیں ہیں جو دراصل گم ہو چکے ہیں ۔ لیکن یہ اِصرار درست نہیں ۔ یہ بات ناممکن اور حق وصداقت سے بہت دُور ہے کہ تمام پُران کو جن کا مطالعہ اس قدر وسیع طور پر اور بڑے انہاک سے کیا جاتا ہے' طاقِ نسیاں کی نذر کر دیا گیا ہو اور عالمی سطح پر اُن کا نام ونشان مٹا دیا گیا ہو اور وید جنہیں چند لوگ ہی پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں' تا ہنوز سالم اور بے خلل رہے ہوں ۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اِن پیش گوئیوں کا پُرانوں میں بعد میں اضافہ کیا گیا لیکن یہ بات بھی بے بنیاد ہے ۔ ایسی معروف ومشہور کتاب میں جس کی اتنی وسیع گردش ہو اور جسے عبادات میں مقررہ اوقات میں پڑھا جاتا ہو' ممکنہ حد تک دخل اندازی نہیں ہو سکتی ۔ اپنی کتابوں میں عرب کے پیغمبر کی واضح پیشین گوئیوں کو دیکھتے ہوئے پنڈتوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ پُرانوں میں تحریف اور الحاق ہوئے ہیں ۔ علاوہ ازیں یہ خیال احمقانہ ہے کہ تمام پنڈت اور ہندوؤں کے علماء وفضلاء کسی جگہ پر اکٹھے ہوئے اور اِن پیشین گوئیوں کا پُرانوں میں اضافہ کر دیا ۔ برہمنوں کے کثیر تعداد میں فرقے ہیں اور ہر فرقہ دوسرے فرقہ کے مخالف ہے' لہٰذا اُن کے لئے ایسی تبدیلی پر متفق ہونا ناممکن سی بات تھی ۔ پُران کی ایک نقل تقریباً ہر برہمن کے گھر میں موجود ہوتی ہے اور یہ بات واقعی عجیب ہے کہ دنیا نے اب تک اِن پیشگوئیوں کے بغیر کوئی ایسا مجموعہ نہ دیکھا ہو ۔ سب سے زیادہ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ دخل اندازی پیغمبر اور ہندوؤں کے اپنے مذہب کے خلاف کی گئی ہے ۔ ان پیشین گوئیوں کے مقابل کسی چیز کا اضافہ کرنا یا اُن کے متن کو تبدیل کرنا تو ممکن تھا لیکن یہ خیال بالکل لغو اور بیہودہ ہے کہ ہندو پنڈتوں نے اپنے ہی مذہب اور عقیدے کے خلاف کسی چیز کا اضافہ کیا ہو ۔ لہٰذا تمام تعصب اور ہٹ دھرمی سے قطع نظر ہندو سماج سے درخواست ہے کہ وہ اپنے آسمانی صحیفوں میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان وشوکت کا بہ غور مطالعہ کریں اور اس طرح آپ ﷺ پر اپنے ایمان لانے کا اعلان کریں ۔'' (ایضاً' صفحات ۳۴' ۳۵)

محمد ﷺ کے ایک قصیدہ میں مہارِشی یاساجی نے درج ذیل نکات شمار کئے ہیں :

(۱) پیغمبر (ﷺ) کا واضح طور پر نام محمد ہی ہے ۔ (۲) روایت کی رُو سے وہ ملکِ عرب میں پیدا ہوں گے ۔ پیشینگوئی میں استعمال شدہ لفظ ''مارُوستھال'' کا سنسکرت زبان میں معنی ریتلی زمین یا صحرا کا ہے ۔ (۳) پیغمبر (علیہ السلام) کے ساتھیوں کا ذکر خصوصی طور پر ہوا ہے ۔ کسی بھی سابقہ پیغمبر کے اُن پر جان چھڑکنے والے اتنی کثیر تعداد میں ساتھی نہیں ہوئے ۔ (۴) فرشتہ سیرت ہونے کے باعث وہ (پیغمبر) بے خطا اور معصوم ہوگا ۔ (۵) ہندوستان کا راجہ اُس کے لئے اپنی پُر خلوص تعظیم وتکریم کا اظہار کرے گا ۔ (۶) اُس پیغمبر (ﷺ) کو دشمنوں کے خلاف تحفظ حاصل ہوگا ۔ (۷) وہ بدی کو ختم کرے گا' بت پرستی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا اور ہر قسم کے گناہ کا قلع قمع کر دے گا ۔ (۸) وہ قادرِ مطلق اللہ کا مظہرِ اتم ہوگا ۔ (۹) مہارِشی (قصیدہ گو) اُن کے چرنوں (قدموں) میں

Marfat.com

رہنے کا دعویدار ہے۔(۱۰) اُس پیغمبر کو فخرِ نوعِ انسانی سمجھا جاتا ہے۔''(Parbatis Nath)

''یہ پیشینگوئی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اور اس کا محمد (ﷺ) پر اطلاق ہونے میں ذرّہ بھر شک کی گنجائش نہیں۔تاہم کچھ لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ اس پیشینگوئی میں جس راجہ کا ذکر ہوا ہے' اُس کا نام بھوج ہے جس کا زمانہ گیارھویں صدی عیسوی کا ہے۔اس طرح راجہ بھوج محمد (ﷺ) کی آمد سے پانچ صدیاں بعد دنیا میں آیا۔لیکن بھوج کے نام سے کوئی ایک راجہ نہیں ہوا جس طرح فراعنۂ مصر فرعون کے لقب سے مشہور تھے اور رومی بادشاہوں کو قیصر کہا جاتا تھا' اُسی طرح ہندوستان کے راجاؤں کو بھوج کا لقب دیا جاتا تھا۔مذکور راجہ بھوج سے پہلے کئی راجاؤں کا یہی شاہی لقب بھوج تھا۔سنسکرت کے ایک مشہور و ماہر پنّی نامی نے بھی جس کا زمانہ اسلام سے بہت پہلے کا ہے' اُس پیغمبر کے نام ''محمد'' کا واضح طور پر حوالہ دیا ہے۔(Adhya, 1 : 1075) المختصر یہ کہ مذکورہ پیشین گوئی میں انتہائی واضح اور صاف طور اُس پیغمبر کا نام ''محمد'' آیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نام کا اطلاق صرف پیغمبرِ اسلام پر ہی ہوتا ہے۔''

''درجِ بالا حقائق کی روشنی میں کیا ہمیں ہندو برادری سے جو اپنے صحیفوں کو آسمانی سمجھتے ہیں اور اپنے مذہبی قائدین کو دیوتاؤں کا درجہ دیتے ہیں' یہ اپیل نہیں کرنی چاہئے کہ مہارشی یا ساجی نے جو کچھ پیغمبر (ﷺ) کے بارے میں کہا ہے' اُس پر غور کریں اور اُس پیغمبر پر یقین رکھتے ہوئے برہما کے احکامات کی تابعداری کریں اور اس طرح مہارشی یا ساجی کی انتہائی دلی آرزو کی تکمیل کریں۔'' ("Muhammad in Parsi, Hindoo and Buddhist Scriptures".. A. H. Vidyarathi and U. Ali, pp. 35-41)

## نبی اکرم ﷺ کا ذکر تورات و انجیل میں

نبی آخرالزماں ﷺ کی رسالت کی صداقت میں قرآن مجید یہ دلیل پیش کرتا ہے:

(۱) اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ (الاعراف : ۱۵۷)

''(یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول (ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جو اُمّی (لقب) نبی ہیں جن (کے اوصاف و کمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔'' (۷ : ۱۵۷)

(۲) وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ O (الشُّعراء : ۱۹۶)

''اور بے شک یہ پہلی امتوں کے صحیفوں میں (بھی مذکور) ہے۔'' (۲۶ : ۱۹۶)

یہ آیات کتبِ سماویہ کی اُن پیش گوئیوں اور خوش خبریوں کی طرف اشارہ کر رہی ہیں جن میں نبی آخرالزماں ﷺ کی آمد کا ذکر ہے' اور آج کی تحریف شدہ تورات میں بھی آپ ﷺ کا ذکرِ خیر موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

Marfat.com

’’خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اُس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت اُن کے لئے تھی۔‘‘ (استثناء ۳۳:۲)

سینا (حضرت موسیٰ علیہ السلام) اور شعیر (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی نبوّتوں کے بعد فاران سے جو نورِ نبوّت جلوہ گر ہوا وہ بھی ہمارے ہی نبی اکرم کا تھا۔ فاران مکہ معظمہ ہی کی ایک پہاڑی کا نام ہے اور فتح مکہ کے وقت دس ہزار قدسی صحابہ آپ کے جلو میں تھے۔ آتشی شریعت بھی ہمارے رسولِ معظم کی تھی جس کا اشارہ سورۃ الفتح کی آیت ۲۹ کے الفاظ اشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّار (وہ کفار پر سخت ہیں) میں ہے۔

تورات و انجیل سے اخذ شدہ درجِ ذیل اقتباسات کی تاویلات مسلم علماء نے نبی آخرالزماں ﷺ کی آمد مبارک سے کی ہیں:

’’میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار (یا وکیل یا شفیع) بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔‘‘ (یوحنا ۱۴:۱۶)

’’خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی طرف کان دھریو۔‘‘ (استثناء : ۱۸ : ۱۵)

’’اور خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کیا سو اچھا کیا۔ میں اُن کے لئے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا۔‘‘ (استثناء ۱۸ :۱۸)

ان دونوں آیتوں میں بنی اسرائیل کے ’’بھائیوں‘‘ سے مراد ظاہر ہے کہ بنی اسمٰعیل ہی ہو سکتے ہیں۔

’’میرا بندہ‘ بڑا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے۔ میں نے اپنی روح اُس پر رکھی۔ وہ قوموں کے درمیان عدالت کرے گا۔۔۔ اُس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کردے گا اور بحری ممالک اُس کی شریعت کی راہ تکیں۔‘‘ (یسعیاہ ۴۲ :۱۔۴)

یہ ’’میرا بندہ‘‘ (عَبۡدُہٗ و رَسُوۡلُہٗ) اور ’’میرا برگزیدہ‘‘ (مصطفیٰ) جس کا ’’زوال نہ ہوگا‘‘ (خاتم النبیین) صاف ہمارے ہی رسولِ اکرم ﷺ ہیں جن کی شریعت بحری ممالک تک پھیلی ہوئی ہے۔

قرآن مجید کا بیان ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کی خبر احمد کے نام سے دی تھی:
وَاِذۡقَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ

Marfat.com

التَّوْرٰةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُه' اَحْمَدُ (اَلصَّفّ : ۶)

''اور (وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا پیغمبر آیا ہوں، تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پیشتر سے ہے اور ایک رسول (معظم) کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آنے والا ہے جن کا نام احمد ہوگا۔'' (۶ : ۶۱)

اِنِّیْ رَسُوْلُ اللہِ اِلَیْکُمْ اس مختصر سے فقرے کے اندر ہی بہت سی گمراہیوں کی تردید آگئی۔ اور اس کا اثبات ہوا کہ (۱) عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت بنی اسرائیل کی جانب تھی، کُل دنیا کی جانب نہ تھی۔ (موجودہ مسیحیت کی تردید)۔ (۲) اس کا اثبات کہ آپ حق تعالیٰ کی طرف سے رسولِ برحق تھے۔ نعوذ باللہ کوئی مفتری نہ تھے (یہود کی تردید)۔ (۳) آپ حق تعالیٰ کے ایک مقرب ترین بندہ تھے۔ خود الوہیت کے مدعی کسی معنیٰ میں بھی نہ تھے (مسیحیت کی تردید)۔

''انجیل برنابا کے نام سے آج جو انجیل حواری برنابا کی جانب منسوب، دنیا میں موجود ہے، اُس میں تو یہ پیش گوئیاں بہت صاف اور کھلے لفظوں میں ہیں لیکن خود مسیحیوں کو بھی جو چار انجیلیں مسلّم ہیں، اُن میں سے بھی ایک میں یہ عبارتیں آج تک مل رہی ہیں۔۔۔۔ مسیحی جس یونانی لفظ کے ترجمہ سے خود مطمئن نہیں ہیں اور اس کا ترجمہ کبھی ''تسلی دہندہ'' سے کرتے ہیں، کبھی ''مددگار'' سے اور کبھی ''وکیل''، کبھی ''شفیع'' سے، وہ اصل میں PERICLUTOS ہے جو صحیح ترجمہ لفظ ''احمد'' ہی (بمعنی محمود و ستودہ) کا ہے۔'' (تفسیر ماجدی اردو، ص ۱۱۰۴، نوٹ: ۸)

بات کی مزید طوالت سے بچتے ہوئے مؤلف امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۹۴ھ) کے قصیدہ بردہ شریف کے چند اشعار کا حوالہ دینے میں اپنا اعزاز سمجھتا ہے جس میں امام موصوف نے نبی علیہ السلام کی تعریف و توصیف کی حد بندی نہ کرتے ہوئے (سوائے اس کے کہ نبی علیہ السلام کو اللہ کا شریک نہ بنایا جائے) آپ ﷺ کو یوں گلہائے عقیدت پیش کئے ہیں :

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمٖ ۔۔۔ وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْهِ وَاحْتَکِمٖ
فَانْسُبْ اِلٰی ذَاتِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ ۔۔۔ وَانْسُبْ اِلٰی قَدْرِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمٖ
فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللہِ لَیْسَ لَه' ۔۔۔ حَدٌّ فَیُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمٖ

''تم نبی علیہ السلام کے متعلق وہ دعویٰ (الوہیت) نہ کرو جو عیسائی اپنے پیغمبر (عیسیٰ علیہ السلام) کے بارے میں کرتے ہیں۔ آپ کی شانِ اقدس کی تعریف میں جو تمہارا جی چاہے کہہ دو بلکہ پورے یقین کے ساتھ دعویٰ کرو اور اس عقیدے پر خوب مستحکم اور استوار رہو۔''

''آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے جس شرف کو اور آپ کے مرتبے کو جس بزرگی تم چاہو نسبت دے سکتے ہو (کیونکہ الوہیت کو چھوڑ کر تمام شرف اور بزرگیاں آپ ﷺ کے مقامِ بلند سے فروتر ہیں)۔''

''حقیقت تو یہ ہے کہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کے فضائل کی کوئی حد ہی نہیں ہے کہ کوئی بولنے والا اپنی زبانِ فصاحت سے بیان کر سکے۔''

Marfat.com

# مراجع ومصادر

## کتب تفسیر


(۱) جامع البیان : امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری (م ۳۱۱ھ)' دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ۔
(۲) النکت والعیون : علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی (م ۴۵۰ھ)' مطبوعہ بیروت۔
(۳) الکشاف : علامہ جاراللہ محمود بن عمر زمخشری (م ۴۶۷ھ)' مطبوعہ نشر البلاغۃ' قم ایران۔
(۴) معالم التنزیل : امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی (م ۵۱۶ھ)' مطبوعہ بیروت ۱۴۱۴ھ۔
(۵) مجمع البیان : شیخ ابوعلی فضل بن حسن طبرسی (م ۵۴۸ھ)' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۴۰۶ھ
(۶) زاد المسیر فی علم التفسیر : علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی (م ۵۹۷ھ)' بیروت
(۷) تفسیر کبیر : امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی (م ۶۰۶ھ)' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۳۹۸ھ
(۸) احکام القرآن الکریم : علامہ محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸ھ)' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران۔
(۹) الجامع لاحکام القرآن : علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی (م ۶۶۸ھ) انتشارات ناصر خسرو' ایران۔
(۱۰) انوار التنزیل : قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی (م ۶۸۵ھ)' مطبوعہ مصر۔
(۱۱) مدارک التنزیل : علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن محمد نسفی (م ۷۱۰ھ)' مطبوعہ دار الکتب پشاور۔
(۱۲) تفسیر نیشاپوری : علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی (م ۷۲۸ھ)' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ۔
(۱۳) تفسیر القرآن : حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی (م ۷۷۴ھ)' مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت ۱۳۸۵
(۱۴) الدرّ المنثور : حافظ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران۔
(۱۵) جلالین : حافظ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ' کراچی۔
(۱۶) حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی : علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی (م ۹۵۱ھ)' بیروت ۱۴۱۸ھ۔
(۱۷) عنایۃ القاضی : علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی (م ۱۰۶۹ھ)' مطبوعہ دار صادر' بیروت۔
(۱۸) روح البیان : علامہ اسماعیل حقی حنفی (۱۱۳۷ھ)' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ' کوئٹہ۔
(۱۹) حاشیۃ القونوی علی البیضاوی : علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمد حنفی (م ۱۱۹۵ھ)' مطبوعہ بیروت۔
(۲۰) تفسیر مظہری : قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ)' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو' کوئٹہ۔
(۲۱) فتح القدیر : شیخ محمد بن علی شوکانی (م ۱۲۵۰ھ)' مطبوعہ دار الوفا بیروت' ۱۴۱۸ھ)
(۲۲) روح المعانی : علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی (م ۱۲۷۰ھ)' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت۔
(۲۳) نور العرفان : مفتی احمد یار خاں نعیمی (م ۱۳۹۱ھ)' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ' گجرات (پنجاب پاکستان
ایضاً : صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی (گجرات)
(۲۴) ضیاء القرآن : جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز' لاہور۔


Marfat.com

(۲۵) تبیان القرآن: علامہ غلام رسول سعیدی، مطبوعہ فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور۔
(۲۶) عرفان القرآن : پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری۔
(۲۷) تفسیر ماجدی (اردو) عبدالماجد دریا آبادی
(28) Commentary on the Quran... Abdullah Yusuf Ali

## علومِ قرآن

الاتقان فی علوم القرآن : علامہ جلال الدین سیوطی (م۹۱۱ھ)، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور۔

## کتبِ حدیث

(۱) مؤطا امام مالک :امام مالک بن أنس اصبحی (م۱۷۹ھ)، مطبوعہ دارالفکر، بیروت ۱۴۰۹ھ
(۲) مسند طیالسی :امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی (م۲۰۳ھ)، ادارۃ القرآن کراچی، ۱۳۹۱ھ۔
(۳) مسند امام احمد بن حنبل :امام احمد بن حنبل (م۲۴۱ھ)، مطبوعہ دارالفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ۔
(۴) سنن دارمی: امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمان دارمی (م۲۵۵ھ)، مطبوعہ دارالکتاب العربی، بیروت۔
(۵) صحیح بخاری : امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری (م۲۵۶ھ)، مطبوعہ بیروت۔
(۶) صحیح مسلم : امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری (م۲۶۱ھ)، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔
(۷) سنن ابنِ ماجہ :امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ (م۲۷۳ھ)، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ
(۸) سنن ابوداؤد: امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (م۲۷۵ھ)، مطبوعہ بیروت ۱۴۱۵ھ
(۹) سنن ترمذی : امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (م ۲۷۹ھ)، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۴ھ۔
(۱۰) سنن دارقطنی :امام علی بن محمد دارقطنی (م۲۸۵ھ)، مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان، ۱۴۱۷ھ۔
(۱۱) سنن کبریٰ :امام ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی (م ۳۰۳ھ)، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۱ھ۔
(۱۲) مسند ابویعلیٰ :امام احمد بن علی المثنیٰ التمیمی (۳۰۷ھ)، مطبوعہ دارالمامون التراث بیروت، ۱۴۰۴ھ۔
(۱۳) صحیح ابن حبان :امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی (م ۳۵۴ھ)، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۷ھ۔
(۱۴) صحیح ابن خزیمہ : امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ (م۳۱۱ھ)، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۵ھ۔
(۱۵) المسند ابوعوانہ : امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق (م۳۱۶ھ)، مطبوعہ دارالباز، مکہ مکرمہ۔
(۱۶) المعجم الاوسط: امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (م ۳۶۰ھ)، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۹ھ۔
(۱۷) المعجم الکبیر :امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (م ۳۶۰ھ)، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۹ھ۔

Marfat.com

(۱۸) المستدرک : امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری (م ۴۰۵ھ)، مطبوعہ دارالباز، مکہ مکرمہ۔
(۱۹) حلیۃ الاولیاء : امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی (م ۴۳۰ھ)، مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت۔
(۲۰) شعب الایمان : امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (م ۴۵۸ھ)، مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان۔
(۲۱) شرح السنۃ : امام حسین بن مسعود بغوی (م ۵۱۶ھ)، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ۔
(۲۲) الترغیب والترہیب : امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری (م ۶۵۶ھ)، قاہرہ ۱۴۰۷ھ
(۲۳) مشکوٰۃ : امام ولی الدین تبریزی (م ۷۴۲ھ)، مطبوعہ اصح المطابع، دہلی (انڈیا)۔
(۲۴) الخصائص الکبریٰ : حافظ جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ)، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵۔
(۲۵) کنز العمال : علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری (م ۹۷۵ھ)، مطبوعہ بیروت ۱۴۰۵ھ۔

## کتب شروح حدیث

(۱) فتح الباری : حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)، دارالکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ۔
(۲) عمدۃ القاری فی شرح البخاری : حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی (م ۸۵۵ھ)، دارالطباعۃ المنیریہ مصر
(۳) مجمع الزوائد : حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی (م ۸۰۷)، دارالکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ۔
(۴) المطالب العالیۃ : حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)، مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ
(۵) ارشاد الساری : علامہ احمد قسطلانی (م ۹۱۱ھ)، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۰۶ھ۔
(۶) فیض القدیر : علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی (۱۰۰۳ھ)، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت ۱۳۹۱ھ۔
(۷) مرقاۃ : علامہ علی بن سلطان محمد القاری (م ۱۰۱۴ھ)، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان، ۱۳۹۰۔ مکتبہ حقانیہ پشاور۔
(۸) اشعۃ اللمعات (شرح مشکوٰۃ) : شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) مطبوعہ مطبع تیج کمار۔ لکھنؤ

## کتب فقہ

(۱) احیاء علوم الدین : امام محمد بن محمد غزالی (م ۵۰۵ھ) مطبوعہ دارالخیر بیروت، ۱۴۱۳ھ۔
(۲) الدر المختار : علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی (م ۱۰۸۸ھ)، داراحیاء التراث العربی بیروت۔
(۳) ردالمختار : علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی (م ۱۲۵۲ھ) مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت۔

## کتب عقائد وکلام

(۱) المنقذ من الضلال : امام محمد بن محمد غزالی (۵۰۵ھ)، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۵ھ۔
(۲) شرح عقائد نسفی : علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی (م ۷۹۱ھ)، نور محمد اصح المطابع، کراچی۔

Marfat.com

## کتب سیرت وفضائل وتاریخ


(۱) السیرۃ النبویہ : امام عبدالملک بن ہشام (م ۲۱۳ھ)، مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ، ملتان۔
(۲) الطبقات الکبریٰ: امام محمد بن سعد (م ۲۳۰ھ)، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ۔
(۳) الشفاء : قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی (م ۵۴۴ھ)، مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان، ۱۴۱۵ھ۔
(۴) الروض الانف: علامہ ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ السھیلی (م ۵۷۱ھ)، مکتبہ فاروقیہ ملتان۔
(۵) اسد الغابہ : علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر (م ۶۳۰ھ)۔
(۶) شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام :علامہ علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی (م ۷۴۶ھ) مطبوعہ کراچی
(۷) الاصابۃ : حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔
(۸) وفاء الوفاء :علامہ نورالدین علی بن احمد سمہودی (م ۹۱۱ھ)، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
(۹) شرح الشفاء:علامہ علی بن سلطان محمد القاری (م ۱۴۰۴ھ)، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ۔
(۱۰) نسیم الریاض :علامہ احمد شہاب الدین خفاجی (م ۱۰۶۹ھ)، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ۔
(۱۱) سیرت النبی ﷺ : علامہ سیّد سلیمان ندوی۔
(۱۲) حیات النبی ﷺ : پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری۔
(۱۳) میلاد النبی ﷺ : پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری۔
(۱۴) سیرتِ رسولِ عربی ﷺ : علامہ نور بخش توکلی۔


## اسماء الرجال


میزان الاعتدال: علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی (۷۴۸ھ)، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ۔


## کتب متفرقہ


(۱) دیوان حسّان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲) قصیدہ بُردہ شریف :امام بُوصیری رحمۃ اللہ علیہ۔
(۳) کتاب الاغانی : ابوالفرج اصفہانی۔
(۴) منہاج المسلم :ابوبکر جابر الجزائری۔
(۵) حجۃ اللہ علی العالمین :علامہ یوسف نبہانی۔
(۶) فی تقبیل الید : المقری۔
(۷) البیان والتعریف : الحسینی۔
(۸) قصّۃ الفلسفۃ الحدیثۃ :احمد امین۔
(۹) شواھد الحق: حافظ ابوسعید سمعانی۔
(۱۰) مطالع المسرت :محمد مہدی۔


Marfat.com

(۱۱) فوائد الفوائد : نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ۔
(۱۲) آبِ حیات : مولانا قاسم نانوتوی۔
(۱۳) ناموسِ رسول ﷺ اور قانونِ توہینِ رسالت : محمد اسماعیل قریشی۔
(۱۴) فضائل درود شریف: مولانا محمد زکریا۔

## ماہنامے

(۱) ماہنامہ ''منہاج القرآن'' لاہور' جنوری 2007ء۔
(۲) ماہنامہ ''منہاج القرآن'' لاہور' جون 2007ء۔
(۳) ماہنامہ ''منہاج القرآن'' لاہور' جولائی 2008ء۔

## غیر اسلامی لٹریچر

ہندوؤں کے وید' اُپنشد اور پُران۔ تورات و انجیل کے مختلف اقتباسات۔

## کتب لغت

(۱) المفردات القرآن : علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی (م ۵۰۲ ھ)' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ
(۲) لسان العرب: علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی (م ۷۱۱ ھ)' مطبوعہ نشر الادب' ایران
(۳) القاموس المحیط : علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی (م ۸۱۷ ھ)' مطبوعہ بیروت۔
(۴) الصحاح : علامہ ابو نصر اسمٰعیل بن حماد الجوھری (م ۱۰۰۵ ھ)' دار العلم للملایین' بیروت ۱۳۷۶ھ۔
(۵) تاج العروس: علامہ سیّد محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی (م ۱۲۰۵ ھ)' مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ' مصر۔
(6) E.W. Lane's Arabic-English Lexicon.

## ARTICLES/LECTURES

(1) "Muhammad's Historical Role" by Charles Issawi, in the "Muslim Wolrd" : April, 1950.
(2) Lectures of Raja Mohan Roy.

## ENCYCLOPEDIAS

1. Encyclopaedia Britannica.
2. New Caxton Encyclopaedia.
3. Shorter Encyclopaedia of Islam : H.A.R. Gibb & Kramers.
4. Houtsma and Wensinck's Encyclopaedia of Islam.

Marfat.com

# ENGLISH BOOKS

| | |
|---|---|
| 1. Abinash, Chandra Datta | Rigvedic India. |
| 2. Afzal-ur-Rahman | Quranic Sciences. |
| 3. Andrae, Tor | Muhammad the Man and his Faith. |
| 4. Arberry, A. J. | Revelation and Reason in Islam. |
| 5. Armstrong, Karen | Muhammad-A Biography of the Prophet. |
| 6. Asad, Muhammad | Islam on the Crossroads. |
| 7. Asad, Muhammad | The Message of the Quran. |
| 8. Baynes, Herbert | The Way of Buddha. |
| 9. Bhattacharya | Foundations of Living Faith. |
| 10. Bosworth Smith | Muhammad and Muhammadanism. |
| 11. Carus | The Gospel of Buddha. |
| 12. Cobbold, Lady | Pilgrimage to Mecca. |
| 13. Coulson | A History of Islamic Law. |
| 14. Davenport, John | The Message of the Qur'an. |
| 15. Dharampal, A. | The Life and Teachings of Buddha. |
| 16. Draper | Conflict between Religion and Science. |
| 17. Draper | Intellectual Development of Europe. |
| 18. Edith, Holland | The Story of Muhammad (p.b.u.h.) |
| 19. Getty | Gods of Northern Buddhism. |
| 20. Gibbon, Edward | The Decline & Fall of the Roman Empire |
| 21. Gilman | The Saracens. |
| 22. Goldziher | Muhammadanische Studien. |
| 23. Grant, G. M. | Religions of the World. |
| 24. Hitti, P. K. | History of the Arabs. |
| 25. Hogarth | Arabia. |
| 26. How, W. W. | Commentary on the New Testament. |
| 27. Hutton, Webster | Medieval and Modern History. |
| 28. Irving, Washington | Muhammad and his Successors. |
| 29. Jurji, Edward J. | The Great Religions of the World. |
| 30. Lane and Lane-Poole | Selections from the Qur'an. |
| 31. Lings, Martin | Mohammad--His Life based on Earliest Sources. |
| 32. Monier, Williams | Buddhism. |
| 33. Muir, William, Sir | The Life of Mahomet. |
| 34. Muller, Max | Chips from a German Workshop. |
| 35. Najmee, Abul Hasan, Syed | Islamic Legal Theory and the Orientalists. |
| 36. Narasu, L. | Essence of Buddhism. |
| 37. Noldeke, Theodre | Geschichte des Qurans. |
| 38. Nurbaki, Haluk, Dr. | The Holy Quran & the Facts of Science |
| 39. Palmer | The Quran -- Introduction. |
| 40. Pickthall | Islamic Culture. |
| 41. Rawlinson | Moses-- His Life and Times. |
| 42. Rodwell | Preface to the Qur'an. |
| 43. Sale, George | Preliminary Discourse to the Transl. of the Quran |
| 44. Stanley Lane-Poole | The Speeches & Table-talk of the Prophet Muhammad |
| 45. Tahir-ul-Qadri, Prof. Dr. | Greetings & Salutations on the Holy Prophet. |
| 46. Tahir-ul-Qadri, Prof. Dr. | Islamic Concept of Intermediation. |
| 47. Tanzil-ur-Rahman | Relationship between Qur'an & Sunnah. |
| 48. Vidyarathi, A. H. | Muhammad in Parsi, Hindoo & Buddhist Scriptures |

Marfat.com